اسلامی ریاست کے انتظام وانصرام میں جوان صحابہ کرام کا کردار

(عصر حاضر میں اس سے استفادہ)

تحقیقی مقالہ برائے

ایم فل علوم اسلامیہ

مقالہ نگار

حافظ امین اللہ

ایم فل علوم اسلامیہ

نگران مقالہ

ڈاکٹر سید محمد شاہد ترمذی

لیکچرار شعبہ علوم اسلامیہ نمل اسلام آباد

شعبہ علوم اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

جولائی ۲۰۲۰ء

اسلامی ریاست کے انتظام وانصرام میں جوان صحابہ کرام کا کردار

(عصر حاضر میں اس سے استفادہ)

تحقیقی مقالہ برائے

ایم فل علوم اسلامیہ

مقالہ نگار

حافظ امین اللہ

ایم فل علوم اسلامیہ

نگران مقالہ

ڈاکٹر سید محمد شاہد ترمذی

لیکچرار شعبہ علوم اسلامیہ نمل اسلام آباد

شعبہ علوم اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

جولائی ۲۰۲۰ء

© حافظ امین اللہ

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست عنوانات

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1	منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ	IV
2	حلف نامہ فارم	V
3	انتساب	VI
4	اظہار تشکر	VII
5	ABSTRACT	VIII
6	مقدمہ	IX
7	باب اول: ریاست خدوخال اور جوان	1
8	فصل اول: ریاست: معنی ومفہوم اور تصورات	2
9	فصل دوم: اسلامی ریاست کی بنیادیں اور مختلف جہتیں	11
10	فصل سوم: جوان: معنی ومفہوم اور ضرورت واہمیت	29
11	باب دوم: جوان صحابہ کرام کی بطور گورنر تعلیمی اور بلدیاتی (Municipality) خدمات	40
12	تمہید: گورنر کا لغوی واصطلاحی مفہوم	41
13	فصل اول: جوان گورنر صحابہ کی تعلیمی خدمات	46
14	فصل دوم: جوان گورنر صحابہ کی بلدیاتی (Municipality) خدمات	62
15	باب سوم: قاضی کی شرائط اور عدالتی فیصلے	74
16	تمہید: قضاء: معنی ومفہوم	75
17	فصل اول: قاضی کے شرائط اور اس کے فرائض	81

18	فصل دوم: جوان صحابہ کرام کے عدالتی فیصلے	115
19	**باب چہارم: جوان جرنیل صحابہ کی جنگی مہارتیں اور خدمات**	131
20	تمہید: جرنیل: معنی ومفہوم اور اہمیت وشرائط	132
21	فصل دوم: جوان صحابہ کرام کی جنگی مہارتیں	137
22	فصل دوم: جوان صحابہ کرام کی جنگی خدمات	149
23	**خاتمہ:**	176
24	❖ خلاصہ بحث	177
25	❖ نتائج	179
26	❖ سفارشات	180
27	❖ فہرست آیات	181
28	❖ فہرست آحادیث	183
29	❖ فہرست اعلام	185
30	❖ فہرست قبائل	187
31	❖ فہرست اماکن	188
32	❖ مصادر ومراجع	189

منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے ، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہے اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: اسلامی ریاست کے انتظام وانصرام میں جوان صحابہ کرام کا کردار (عصر حاضر میں اس سے استفادہ)

The role of Young companions of Prophet(ﷺ) in management of Islamic State.

نام ڈگری: ایم فل علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: حافظ امین اللہ

رجسٹریشن نمبر: MP- IS- AF17-ID038

ڈاکٹر سید محمد شاہد ترمذی

(نگران مقالہ) دستخط نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر شاہد صدیقی

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

بریگیڈیر محمد ابراہیم

(ڈائریکٹر جنرل) ڈائریکٹر جنرل کے دستخط

تاریخ

حلف نامہ فارم

(Candidate Declaration Form)

میں: حافظ امین اللہ   ولد کلیم اللہ

رول نمبر: 1422MPHil/IS/AF17 رجسٹریشن نمبر: MP-IS-AF17-ID038

مقالہ عنوان: اسلامی ریاست کے انتظام و نصرام میں جوان صحابہ کرام کا کردار (عصر حاضر میں اس سے استفادہ)

The role of Young companions of Prophet in management of Islamic State

طالب، ایم فل، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی اف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفا اقرار کرتا ہوں کہ ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور **ڈاکٹر سید محمد شاہد ترمذی** کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لیے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: حافظ امین اللہ

دستخط مقالہ نگار: ________________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

انتساب

اپنے قابل صد احترام والدین اور اساتذہ کرام کے نام
جن کی تربیت اور دعاؤں سے علم اور تحقیق کے میدان میں قدم رکھنے کے قابل ہو سکا

اظہار تشکر

بے پناہ حمد و ثناء اللہ جل جلالہ کی جس کی رحمت اور شفقت نے ہر لمحہ مجھے حصار میں رکھا اور درود سلام حضرت محمد ﷺ پر ان کی آل اطہار اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر جن کی محبت مسلمانوں کے دین کی بنیاد ہے۔ میں دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالی کا شکر ادا کرتا ہوں کہ جس نے اپنے خاص فضل و کرم سے اس موضوع پر قلم اٹھانے کی توفیق بخشی اور میں یہ تحقیقی مقالہ لکھنے کے قابل ہوا۔

میں تہہ دل سے شکر گزار ہوں، اپنے والدین اور تمام اساتذہ کرام کا جن کی دعاؤں، رہنمائی اور تعاون نے ہر لمحہ نشان منزل کا کام کیا۔ اس طرح میں شکر گزار ہوں نگران مقالہ جناب ڈاکٹر سید محمد شاہد ترمذی صاحب کا کہ جن کی شفقت اور رہنمائی نے راہِ تحقیق میں انگلی پکڑ کر چلایا۔ ان کا شکریہ ادا کرنا ممکن نہیں۔ استاد محترم نے اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود مقالہ کی تحقیق میں جس طرح رہنمائی فرمائی، قیمتی ہدایات سے نوازا، اور معاونت کی میرے لیے بہت بڑا اعزاز اور سرمایہ افتخار ہے۔

میرے شکریہ کے مستحق نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز شعبہ علوم اسلامیہ کے تمام اساتذہ ہیں کہ جن کی بدولت اس مقام تک پہنچا۔ اور خصوصی طور پر چیرمین شعبہ علوم اسلامیہ نمل یونیورسٹی کا جن کی فراغ دلی نے استفادہ علم کے مواقع فراہم کیے۔

استاذ محترم جناب مولانا سعید الرحمن ربانی صاحب اور جناب ڈاکٹر میڈم ارم سلطانہ صاحبہ کا بھی شکر گزار ہوں کہ جنھوں نے مقالہ کی ترتیب وتدوین میں معاونت کی۔ اور قیمتی مشوروں سے نوازا۔

اپنے دوستوں میں سے مولانا رمیض صاحب، حامد صاحب، مولانا نور اللہ اور مولانا مراد گل صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ جنھوں نے پروف ریڈنگ اور اردو کی غلطیوں کی تصحیح میں معاونت کی۔

جناب مفتی سعید صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ جن کی بدولت "الندوہ لائبریری" سے استفادہ کا موقعہ ملا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی ان سب کو بہترین اجر عطا فرمائے۔ مجھے اور تمام مسلمانوں کو دین کی اشاعت کے لیے قبول فرمائے، آمین۔

ABSTRACT

State is an inevitable part of human society. Without a state, survival of a society, its collective values, security, peace and discipline are impossible. State came into being to fulfill these basic needs of a society.

Religion has been played a vital role in shaping human society. Every religion supports a peaceful society and state. Islam is a complete code of life. It guides us in every fields of life. Islam also provides a complete guidance for human collective values.

Young people are a valuable asset of a state. A state cannot flourish without young people's cooperation. They play an important role in state development. The rise and fall of a nation are in the hands of young people. Basically, youth is a time in a person's life when he is physically strong, mentally sound and energetic. Therefore, Islam lays emphasis on treating them well. The senses, the consciousness and intellect work well.

Most of the early companions of Prophet (ﷺ) were young. Majority of them were between ten to thirty six. They, with Prophet, brought a revolution, which is still alive and will remain till the end of this world.

The title of this research

"The role of Young companions of Prophet(ﷺ) in management of Islamic State."

This thesis explores the role of young companions of Holy Prophet (ﷺ) in executive, judicial and defensive development of Islamic state.The method used in collecting and analyzing data is qualitative and descriptive.

The purpose of this research is to encourage Pakistani young generation to realize their responsibilities. In this way they can play a significant role to prosperous Pakistan and Islam.

Keywords: Islamic state, Young companions, executive, judiciary, defense, Development

مقدمہ

تعارف

تمام تعریفیں اس ذات کے لیے جو اس کائنات کے انتظام وانصرام کو چلانے میں یکتا ہے۔اور انسان انتظام وانصرام کے لیے دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔اوراس وجہ سے انسان کو معاشرتی حیوان بھی کہتے ہیں۔اس لیے ریاست کا ادارہ انسانی معاشرے کے لیے بنیادی اوراہم ضرورت ہے کیونکہ کسی بھی معاشرے کی بقاء کے لیے اس کی اجتماعی اقدار کا تحفظ سلامتی اوراس کا نظم وضبط ایک ناگزیر ضرورت ہے۔جو کہ ہمیشہ ریاست نے پوری کی ہے۔گویا ریاست ایک ایسی بنیادی ضرورت ہے جس کو کبھی بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔اسی طرح انسانی معاشرے کی تشکیل میں مذہب کا کردار ہمیشہ سے اہم رہا ہے۔دین اسلام مکمل ضابطہ حیات ہونے کے اعتبار سے جہاں زندگی کے تمام شعبوں میں انسانیت کی رہنمائی کرتا ہے۔وہاں بطور خاص انسانی اجتماعی تنظیم سے متعلق بھی رہنمائی کرتا ہے۔

اسی طرح ریاست کی ترقی میں جوان بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔بلاشبہ کسی بھی قوم کا عروج اور زوال جوانوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔جوانی کا جو دور ہوتا ہے حقیقت میں اس وقت انسان کے ارادے، جذبے اور توانائی عروج پر ہوتے ہیں۔قرآن حکیم میں جوانوں کو ہدایت اپنانے اور باطل کو ٹکرانے پر خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے اوراس بارے میں اللہ کا فرمان ہے:

﴿فَمَا آمَنَ لِمُوسَى إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِنْ قَوْمِهِ عَلَى خَوْفٍ مِنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ أَنْ يَفْتِنَهُمْ وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ﴾[۱]

ترجمہ: تو کوئی ایمان نہیں لایا موسیٰ (علی السلام) پر مگر چند نوجوان اس کی قوم میں سے ڈرتے ہوئے فرعون اور اپنے سرداروں سے کہ وہ ان کو مصیبت میں مبتلا نہ کردیں اور یقیناً فرعون زمین میں بہت سرکشی کررہا تھا اور وہ یقیناً حد سے بڑھ جانے والوں میں سے تھا۔

رشد اور ہدایت کا راستہ چننے کا مطلب اپنے اپ کو خطرے میں ڈالنا تھا لیکن یہ جوان ہی تھے جو ہر طرح کے خطرات سے بے خبر ہو کر رشد اور ہدایت کا راستہ چنا۔اس لیے اگر جوان صحیح راستہ چنے تو وہ قوم ترقی پاتی ہے اور اگر غلط راستہ چنے تو وہ قوم

[1] سورہ یونس،۱۱/۸۳

قعر ذلت میں ڈوب جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اسلام نے ان کے ساتھ اچھا سلوک اور اس چیز کی رہنمائی کی طرف ابھارا ہے جس میں اصلاح اور خیر ہو۔

رسول ﷺ کے ابتدائی ساتھیوں پر نظر دوڑانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بعض کی عمر دس ،سولہ اور بیس برس کے ہیں ۔زیادہ سے زیادہ تیس یا پینتیس سال کے تھے یہ جوان اسلام پر ثابت قدم رہے اور رسول ﷺ کے ساتھ مل کر ایسا عظیم انقلاب لے آئے جس کے اثرات آج تک برقرار ہیں۔ان جوانوں نے اس عرب معاشرے کو بدل دیا جس پر کوئی حکومت کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس مقالہ میں اسلامی ریاست کے انتظام وانصرام میں جوان صحابہ کے کردار کو پیش کیا گیا ہے۔

تحقیق کی اہمیت

قوم کا عروج وزوال جوانوں سے ہوتا ہے۔زمانہ جتنا اگے بڑھتا جائے گا جوانوں کی اہمیت ،ضرورت ،حیثیت اور بڑھتی جائے گی ہر زندہ قوم، تحریک تربیت جوان پر خصوصی توجہ دیتی ہے۔۔کیونکہ اقوام وملل کو چلانے اور تحریکوں کو متحرک رکھنے اور نظریات کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے ہمیشہ جوانوں نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

جوانوں کی اسلامی خطوط پر رہنمائی کرنانہ صرف دور حاضر بلکہ ہر دور میں تجدیدی نوعیت کا کام ہو رہا ہے۔ حالانکہ عام طور پر بڑوں کی موجودگی میں جوانوں کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ لیکن اگر انکو،انکی قابلیت کے مطابق ذمہ داریاں دی جائیں تو وہ ریاست کے انتظام وانصرام میں اچھی خدمات سرانجام دے سکتے ہیں۔اس سلسلے میں یہ مقالہ آج کے مسلم جوان کی رہنمائی میں معاون اور مددگار ثابت ہوگا۔کہ وہ کس طرح اسلامی اصولول کے مطابق ریاست کے انتظام انصرام میں کردار ادا کر سکتا ہے

بیان مسئلہ

جوان کسی بھی معاشرہ کا اہم جز ہوتا ہے۔اور اسکو ریڑھ کی ہڈی سمجھا جاتا ہے،یہ زندگی کا وہ حصہ ہوتا ہے جس میں بندہ ہر کام کے لیے تیار ہوتا ہے۔ہر مذہب اور معاشرہ جوانوں کی تربیت اور اصلاح کے لیے کوشاں اور سرگرداں رہتا ہے ۔اسلام نہ صرف جوانوں کی تربیت کرتا ہے بلکہ انہیں معاشرے میں فعال کردار ادا کرنے کی ترغیب بھی دیتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے جوان صحابہ کی تربیت اس انداز میں کی کہ انہیں ریاست مدینہ کی جس ذمہ داری کو سونپا گیا اس میں انہوں نے نمایاں کردار ادا کیا۔اس مقالہ میں ریاست کی انتظام وانصرام میں جوان صحابہ کا کردار پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

موضوع پر ماقبل تحقیق

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیاں ایک وسیع موضوع ہے۔اور اسکااحاطہ کرنا مشکل ہے انکے کارناموں پر مختلف پہلوؤں سے کام ہوا ہے۔اور اس پر ان گنت کتابیں مقالے لکھے گئے ہیں ان مصنفین نے صحابہ کرام کے دعوتی پہلو پر اکثر قلم اٹھایا ہے۔ بعض نے جنگی حوالے سے بھی کام کیا ہے۔اور بعض شخصیات کی حیات مبارکہ پر بھی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن میرے مطالعہ کے مطابق جوان صحابہ کرام کی ریاست کے انتظامی امور میں ذمہ داریوں اور عصر حاضر میں اس پر استفادہ سے متعلق کام نہیں ہوا ہے۔اس لیے میرا موضوع ان جوان صحابہ کرام کے متعلق ہے جنہوں نے ریاست کے انتظام وانصرام میں کردار ادا کیا ہے

اس موضوع کے متعلقہ کتب مقالہ جات اور ارٹیکل درجہ ذیل ہے:

(1) ترمذی، سید محمد شاہد، ریاست مدینہ کی ترقی ودفاع میں نوجوان صحابہ کا کردار، ارٹیکل مجلہ البصیرہ جلد 6 شمارہ ۲ دسمبر ۲۰۱۷ء نمل یونیورسٹی اسلام آباد، اس ارٹیکل میں نوجوان صحابہ خدمات کا ذکر بطور معلم، معاشرتی اصلاح ، قائدانہ کردار اور دفاع کے بارے میں ذکر ہے۔اور یہ ایک ارٹیکل ہے جو مختصر ہے اور میں نے اس مقالہ میں جوان صحابہ کرام کے خدمات بطور گورنر، جرنیل اور قاضی کی حیثیت سے تفصیل سے ذکر کی ہیں۔

(2) خان، نور حیات، نوجوان صحابہ کرام کا صبر استقامت، ارٹیکل مجلہ البصیرہ جلد ۶ شمارہ ۱، جون ۲۰۱۷ نمل یونیورسٹی اسلام آباد، اس ارٹیکل میں نوجوان صحابہ کرام کی صبر واستقامت کے عظیم کردار کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔اور میرا جو مقالہ ہے اس میں جوان صحابہ کرام کی خدمات بطور گورنر، جرنیل اور قاضی کی حیثیت سے ذکر ہیں۔

(3) رخسانہ کوثر، عہد صحابہ میں اصاغر صحابہ کرام رضوان اللہ علیم اجمعین کا دعوتی کردار مقالہ ایم فل شعبہ علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد ۲۰۱۵ء۔اس مقالہ میں اصاغر صحابہ کرام کے بطور دعوتی خدمات کا ذکر ہے۔اور میں نے جوان صحابہ کرام کے انتظام وانصرام کے بارے میں ذکر کیا ہے

(4) سائرہ اعظم، عہد صحابہ کے نامور عمال، ذمہ داریوں اور خدمات کا تحقیقی جائزہ، مقالہ ایم فل شعبہ علوم اسلامیہ گفٹ یونیورسٹی گوجرانوالہ ۲۰۱۵ء، اس مقالہ میں صرف عمال صحابہ کرام کا ذکر ہے اور اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے۔اور میں نے صرف جوان صحابہ کرام کے خدمات کا ذکر کیا ہے۔

تحدیدی دائرہ کار

اس مقالہ میں عہدی نبوی ﷺ اور حضرت عمرؓ کے دور تک کے انتظام وانصرام میں جوان صحابہ کے کردار کو سامنے لایا گیا ہے۔

اس مقالہ میں جوان سے مراد بیس سے چالیس سال کی عمر کے صحابہ کرام ہیں۔ جن کا ذکر کیا ہے۔

مقاصد تحقیق

1۔اسلامی ریاست میں جوان صحابہ کرام کے کردار کو سامنے لانا

2۔جوان صحابہ کرام کے کردار سے آج کے جوان کے لیے رہنما اصول سامنے لانا

3۔عہد حاضر کے عہدہ داروں! گورنروں، قاضیوں اور سپہ سالاروں کے لیے رہنما اصولوں کی نشان دہی کرنا

تحقیقی سوالات

1۔ریاست کے انتظام وانصرام میں جوان صحابہ کرام کی خدمات کیا تھیں؟

2۔عصر حاضر میں حکومتی عہدہ داروں، جرنیلوں اور قاضیوں کے لیے کن بنیادوں پر جوان صحابہ کے اسوہ سے رہنمائی لی جاسکتی ہے؟

3۔آج کے تعلیمی اور بلدیاتی خدمات میں جوان صحابہ کرام کی خدمات کو کیسے عمل میں لایا جاسکتا ہے؟

اسلوب تحقیق

مقالہ کی تحقیق کے لیے درج ذیل اسلوب اور لائحہ عمل اختیار کیا ہے۔

1. اسلوب تحقیق بیانیہ اور تجزیاتی اختیار کیا گیا ہے۔

باب اول:

ریاست، خدوخال اور جوان

فصل اول: ریاست معنی مفہوم اور تصورات

فصل دوم: اسلامی ریاست کے بنیادیں اور مختلف جہتیں

فصل سوم: جوان معنی مفہوم اہمیت و ضرورت

فصل اول:

ریاست: معنی و مفہوم اور تصورات

اسلام نے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی تربیت و تہذیب اور نشو و نما کے لیے جو ادارے قائم کئے ان میں سے ایک ادارہ ریاست ہے۔ اسلامی زندگی کے لیے اسلامی اجتماعیت اور اس اجتماعیت کے لیے اسلامی حکومت ناگزیر ہے اس پر گویا امت کا اجماع ہے۔ اسلامی معاشرے کے تمام افراد کو مل کر بھی یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ ریاست کے ادارے کو ختم کر دیں۔

ریاست کا لغوی مفہوم

لغوی اعتبار سے ریاست عربی زبان کا لفظ ہے۔ یہ اردو اور فارسی میں انہی معانی میں استعمال ہوتا ہے عربی زبان "ریاستہ" کا مادہ "راس" ہے اور اس سے "الرئیس" ہے۔ علامہ ابن منظورؒ لکھتے ہیں:

"رأس: رَأْسُ كُلِّ شَيْءٍ: أَعلاه، وَالْجَمْعُ فِي الْقِلَّةِ أَرْؤُسٌ وآراسٌ عَلَى الْقَلْبِ، ورُؤُوس فِي الْكَثِيرِ، وَلَمْ يَقْلِبُوا هَذِهِ، ورُؤُسٌ"(1)

راس اور رئیس کا اطلاق بلند مرتبہ پر ہوتا ہے۔ اور اسکی جمع قلت اروس اور اراس ہے۔ اور جمع کثرت رووس اتی ہے

مولانا وحید الزمان کیرانویؒ لکھتے ہیں: "راس فلان براستہ و ریاستہ و رئاستہ بلند رتبہ ہونا، بڑا بننا، بڑا بننے کی خواہش رکھنا، کسی کے مقابل انا، صدر بننا، افسر بننا، لیڈر بننا"(2)

مولانا عبدالحفیظ بلیاویؒ لکھتے ہیں: "رؤس۔ یروس (ض) رأستہ۔ رئیس ہونا۔ سردار ہونا راس (ض) رأستہ القوم۔ قوم کا سردار ہونا"(3)

مولوی فیروز الدینؒ لکھتے ہیں: "ریاست سرداری، افسری، امارت راج، عملداری۔ حکومت"(4)

---

(1) ابن منظور، جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب، س، ر مکتبہ دار الصادر بیروت بدون سن طباعت، ۹۱/۵

(2) کیرانوی، مولانا، وحید الزمان، مراجعہ تقدیم، عمید الدین قاسمی، القاموس الوحید، ادارہ اسلامیات لاہور، ۲۰۰۱ء ۵۷۳/۱

(3) ابوالفضل، بلیاوی، عبدالحفیظ، مصباح اللغات، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۲۷۱

(4) الحاج، مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات، فیروز سنز لاہور، ۲۰۱۰ء ص ۷۳۲

انگریزی زبان میں ریاست کے لیے لفظ "state" استعمال ہوتا ہے۔ سٹیٹ یونانی زبان کے لفظ "status" [1] سے ماخوذ ہے اس لفظ کے بنیادی مفہوم میں حالت قائمہ اور ماحول داخل ہے۔ لیکن اس کے علاوہ دوسرے متعدد معانی میں بھی یہ لفظ مستعمل ہے البتہ ایک مخصوص سیاسی ہیئت حکومت یا منظم سیاسی شخصیت کے معانی میں لفظ سٹیٹ کا استعمال تاریخی طور سولویں صدی عیسوی میں شروع ہوا ہے۔ اس سے پہلے "اسٹیٹ" کا مفہوم ادا کرنے کے لیے دوسرے الفاظ کا سہارا لیا جاتا تھا۔ چنانچہ یونانیوں کے ہاں بالعموم "پولس" "Polis" کا لفظ مستعمل رہا۔ جس کے معنی شہر "city" [2] ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے ان کا تصور ریاست شہر پر مبنی اور محدود تھا۔ رومیوں نے ریاست کے مفہوم کو لفظ "سیوسٹاس" "Civitas" کے استعمال کے ذریعے تھوڑی وسعت دی ہے رومیوں کے ہاں ایک دوسرا ریپبلکا (Republica) اس مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے نہ صرف شہریت بلکہ "Republic" "یعنی ایک قوم اور اس کے مفادات کی نشان دہی ہوتی ہے [3]

انگریزی زبان کا لفظ "state" ریاست کا سب سے بہترین متبادل ہے اور قرین قیاس سے یہی لگتا ہے کہ سٹیٹ بمعنی ریاست سب سے قابل ترجیح لگتا ہے اس لیے کہ اس کے معانی میں منظم سیاسی حکومت اور سیاسی شخصیت شامل ہے اور ریاست کا بھی اصل معنی یہی ہے۔

ریاست کا اصطلاحی مفہوم

ماہرین سیاست ریاست کی تعریف میں معاشرتی اور سیاسی نقطہ نظر کا لحاظ رکھتے ہیں۔ کیونکہ ریاست ایک سیاسی ادارہ ہے اور معاشرتی بھی۔

انسائکلوپیڈیا اف سوشل سائنس کے مطابق:

"ریاست انسانوں کا ایک گروہ یا تنظیم ہے جو مشترکہ مقاصد کے لیے مل جل کر کام کرتا ہے" [4]

---

(1) Joseph, Shipley T. Dictionary of word Origions, Philosophical Lib, NewYork،1935,p334

(2) William Little, H.W.Fowler J. Coulson, the Shorter OXFORD ENGLISH،dictionary,1965,p.205

(3) Bluntchli, Johann Kaspar, The Theory of the state , London200,p 52

(4) Enecyelopeadia of Social Seiences, New York ,Vol,14 ,p,228

مسلم مفکر ابوالنصر فارابی [1] نے ریاست کی تعریف کرتے ہوئے خصوصیات کے اعتبار سے اس کی دو اقسام بیان کی ہے:

"الریاسۃ الفاضلہ" اور "الریاسۃ الجاھلیہ"

'' ریاسۃتمکن الافعال والسنن والملکات الرادی التی شانھا ان ینال بھا ما وفی الحقیقۃ سعاد ۃ ،الریاسۃ الفاضلۃ والمدن والامم المنقاد ۃ الریاسۃ هي المدن والامم الفاضلۃ -والریا سۃ تمکن فی المدن والافعال و الشیم التی تنال بھا ماھبط ان سعادات من غیر انہ تکون کذلک و هي ریاسۃ ا لجاھلۃ '' (۲)

ایک وہ ریاست ہے جو ان عادات افعال اور اخلاق کو فروغ دیتی ہے جن کے ذریعے حقیقی سعادت حاصل کی جاسکتی ہے یہ ریاست فاضلہ کہلاتی ہے۔یعنی بہترین حکومت اور وہ اقوام اور معاشرے جو اس ریاست کے تابعدار اور وفادار ہوتے ہوں وہ بہترین معاشرے اور قومیں ہوتی ہیں۔اور دوسری ریاست وہ ہے جو معاشرے میں ان عادات وافعال کو رائج کرتی اور فروغ دیتی ہے جو بظاہر تو خیالی اور وہمی مسرت کا ذریعہ ہوتی ہے لیکن حقیقت میں ایسی نہیں ہوتی ہیں۔یہ ریاست جاہلیہ یعنی جاہلی ریاست ہوتی ہیں۔

فارابی کے مطابق ریاست اصل میں شہریوں کو حقیقی مسرت اور خوشحالی سے نہیں مل سکتی بلکہ روحانی اور اخلاقی معیار کی بلندی بھی لازمی ہے۔گویا کہ ان کے نزدیک وہی ریاست فاضلہ ہے جو شہریوں کو سہولیات زندگی اور بہم پہنچانے کے ساتھ ان کی اخلاقی تربیت ان کے معاشرتی رویوں کو بہتر سمت دینے کے لیے تعلیمی ذمہ داریاں بھی پوری کرے۔

شاہ ولی اللہؒ کسی ریاست کی آبادی کو اہل مدینہ کہتے ہیں وہ ریاست کے تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

'' أعني بِالْمَدِينَةِ جمَاعَة مُتَقَارِبَة تجْرِي بَينهم الْمُعَامَلَات وَيكُونُونَ أهل منَازِل شَتَّى وَالْأَصْل فِي ذَلِك أَن الْمَدِينَة شخص وَاحِد من جِهَة ذَلِك الرَّبْط مركب من أَجزَاء وهيئة اجتماعية '' [3]

---

[1] آپ کا نام محمد بن ترخان ابوالنصر تھا فارابی سے مشہور تھے۔"ترکستان کے ضلع "فاراب" ۸۳۲ء میں پیدا ہوئے، اور طبعیات، منطق، فلسفہ وغیرہ کے ماہر تھے، اور کئی کتب تصنیف کیں جس میں "شرح ایساغوجی، اراء اہل مدینۃ الفاضلہ، مشہور ہے، (تفصیل کیلئے دیکھے "اجالے ماضی کے، ادارہ کتاب گھر ۲۰۰ء، ص ۵۴)

[2] فارابی، ابوالنصر، محمد، آراء اہل مدینۃ، دارالشرق بیروت ۱۹۲۸ء، ص ۲۶

[3] شاہ ولی اللہ، قطب الدین، حجۃ اللہ البالغۃ، دارالجیل، بیروت ۲۰۰۵ء، ص ۹۲

ترجمہ: اہل مدینہ سے مراد لوگوں کی وہ جماعت ہے جو قریب قریب آباد ہوں، ان میں باہم معاملات ہوتے ہیں اور جدا جدا مکانوں میں بود باش رکھتے ہوں، سیاست مدن میں اصل امر یہ ہے کہ تعلقات کی وجہ سے شہر گویا ایک شخص ہوا کرتا ہے جس کی ترکیب اجزاء اور مجموعی حیئت سے ہوتی ہے۔

سید ابوالاعلی مودودیؒ[1] لکھتے ہیں:

''ریاست وہ ہیئت سیاسی ہے جس کے ذریعے ایک ملک کے باشندے باقاعدہ حکومتی شکل میں ایک اجتماعی نظم قائم کرتے ہیں اور اس سے قوت قاہرہ اور قوت نافذہ کا امین قرار دیتے ہیں''[2]

مغربی ماہر سیاسیات ووڈرلسن[3] کی رائے میں:

''ریاست سے مراد انسانوں کی وہ جمعیت ہے جو عموماً زمین کے ایک حصے پر موجود ہو جس میں اکثریت کی رائے اقلیت پر فوقیت رکھتی ہوں''[4]

پروفیسر گارنر[5] کے نزدیک:

---

(1) آپ کا نام سید ابوالاعلی مودودی تھا۔ ۱۹۰۳ء کو اورنگ آباد دکن میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ ۱۹۱۴ء میں مولوی کا امتحان دیا۔ دار لعلوم میں عالم کے لئے داخلہ لیا۔ وہاں پر صرف چھ مہینے گزارے، پھر چھوڑ دیا۔ ۲۴ سال کی عمر میں ا" لجہاد فی الاسلام " کے نام سے پہلی کتاب لکھی، آپ ایک مشہور عالم دین اور مفسر قران اور جماعت اسلامی کے بانی تھے۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء کو ۶۷ برس کی عمر میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ (دیکھیے، ترجمان القران، ۹۴/۴۴، ادرہ ترجمان القران اچھرہ، لاہور ۱۹۷۹ء)

(2) مودودی، ابوالاعلیؒ سید۔ اسلامی ریاست، اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۲۰۱۲ء ص ۲۲

(3) آپ کا نام ووڈرولسن تھا ۲۸ دسمبر ۱۸۲۸ کو امریکہ میں پیدا ہوئے، اور امریکہ کے اٹھائیسویں صدر ۱۹۱۴ سے ۱۹۲۱ رہے ہیں اور پرنسٹن یونیورسٹی کے صدر بھی رہے ہیں، تاریخ دان اور سیاست دان کے طور پر جانے جاتے ہیں، اور کئی ارٹیکل لکھے ہیں جس میں مشہور فورٹین پوائنٹ ہے (تفصیل کے لئے دیکھے گورنمنٹ اف یو، ایس پورٹل)

(4) Enecyelopeadia of Social Seiences, New York ,Vol,14,p,329

(5) آپ کا نام جیمز ولفر گارنر تھا۔ ۲۲ دسمبر ۱۸۷۷ء کو میسسپی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم میسسپی سے حاصل کی اور پی ایچ ڈی ۱۹۰۲ء میں کولمبیا سے کی۔ پینسلوانیا اور ایلونیز یونیورسٹی میں پولٹیکل سائنس کے پروفیسر رہے ہیں۔ ایک امریکن اخبار کے چیف ایڈیٹر رہے، اور اس دوران انہوں نے کئی مضامین لکھے۔ (تفصیل کے لئے دیکھیے:

Http://en.wikipidia.org.wiki James Wolfrd Garner

"ریاست علم سیاست اور قانون کے رائے میں ایسے متعدد افراد کی جمعیت ہے جو مستقل طور پر ایک خاص خطہ زمین پر قابض ہوں بیرونی دباؤ سے آزاد ہوں اور ان کی ایک منظم حکومت ہو جس کے باشندوں کی غالب اکثریت کی اطاعت حاصل ہو"[1]

مذکورہ بالا آراء سے جو امر واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ریاست کا اصطلاحی تصور ایک منظم اجتماعیت کا ہے۔ کسی خاص علاقے میں موجود انسانوں کا ایک ایسا معاشرہ جس کے اختیارات افراد کے ایک گروہ یعنی حکومت کے پاس ہوں ۔ایسی قیادت جو اصولوں، حکمت اور فضیلت پر مبنی ہو۔ ریاست کے چار بنیادی عناصر ہیں۔ علاقہ، آبادی، حکومت اور اقتدار اعلی۔ ان اجزاء کے بغیر کسی جماعت انسانی کو ریاست نہیں کہا جاتا ہے۔ریاست سے مراد وہ ٹکڑا، ارض ہے جس پر افراد کا ایک گروہ مستقل طور پر رہتے ہو اور جس کا اپنا آزاد، خود کفیل اور طاقتور نظام موجود ہو۔ رہائش سے مراد محض خانہ بدوش گروہ نہیں بلکہ مستقل رہائش رکھنے والے ایسے افراد اور ان کے خاندان ہیں جو زمین کے کسی خاص کئے رقبہ یا چند حصوں پر مشتمل خطہ پر رہتے ہوں۔ مگر اسکے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے افراد ایک حکومت کے ماتحت ہوں۔ اقتدار کے ماتحت ہوں اور ان کا سیاسی نظام ایک ہی ادارے یعنی حکومت کے ماتحت ہوں۔

ریاست کا ارتقاء

مملکت یا ریاست (state) کے ارتقاء اور فروغ کے متعلق افلاطون[2] لکھتے ہیں:

"گویا ضرورتوں کی کثرت اور ان کو پورا کرنے کے لیے دوسروں سے مدد کی احتیاج انسان کو مجبور کرتی ہے کہ وہ ہر کام میں کوئی شریک یا مددگار تلاش کرے۔ اور جب یہ تمام شریک اور مددگار کسی ایک جگہ جمع ہو کر رہنا سہنا اختیار کر لیتے ہیں تو اسی کا نام شہر یا ریاست ہو جاتا ہے۔"[3]

---

[1] W.garner, Political Science and government, World Press Ltd Calcutta1955,p4

[2] آپ کا نام plato تھا۔ اور افلاطون سے مشہور تھے، آپ کی پیدائش ۴۲۷ق،م میں ہوئی۔ مشہور فلسفی سقراط کے شاگرد ہے۔ آپ نے ان کا فلسفہ مکالمہ کے شکل میں پیش کیا اور ان کی اس مشہور کتاب کا نام "ریاست وعدل"/"جمہوریہ" ہے۔ دیکھیے: (فلسفیوں کا انسائیکلوپیڈیا، یاسر جواد، بک ہوم لاہور، ۲۰۰۵ء ص ۹۱)

[3] فلسفی، افلاطون، ریاست یا تحقیق عدل مترجم ذاکر حسین، ساہتیہ اگادیمی بھارت، بغیر سن طباعت، ص ۵۸

ابن خلدونؒ[1] فرماتے ہیں:

''انسان کو عمارت وآبادی کی ضرورت ہے۔عمارت وآبادی یعنی شہر یا کسی اور مقام میں منزل ومسکن بنانا تاکہ انسان اپنے معاشرے سے مانوس ہو اور اقتصائے طبیعت وفطرت کے موافق ایک دوسرے کی مدد کر سکے کیونکہ انسان بالطبع باہمی معاونت کا محتاج ہے۔انسان مدنی الطبع ہے۔یعنی آدمی کو اپنے ابنائے جنس کے ساتھ مل جل کر رہنا ہے جس کو حکماء اپنی اصطلاح میں مدینہ اور ہم عمارت انسانی کہتے ہیں'' [2]

مشہور فلاسفر روسو[3] اپنی کتاب نظریہ مملکت کے متعلق اس طرح اظہار خیال کیا ہے۔

''فطری زمانہ میں لوگ آزاد وخود مختار تھے اور ہنسی خوشی رہتے تھے، صحت وتوانائی بلاخوف وخطر اور آزادی وبیباکی کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ان میں قناعت پسندی پائی جاتی تھی، ضرورتیں بہت کم تھیں جن میں کافی حد تک وہ اپنے ذرائع پر ہی انحصار کرتے تھے۔فطری حقوق سے سرشار تھے۔لیکن آبادی کی کثرت اور ترقی کے سبب لوگوں کے میل جول میں بھی اضافہ ہوا، نتیجتاً تہذیب وتمدن اور علم وفن کو فروغ ملا''[4]

---

[1] آپ کا نام عبدالرحمن تھا ابن خلدون سے جانے جاتے ہیں۔۷۳۲ء کو تیونس میں پیدا ہوئے اور بیس سال کی عمر میں اپنی تعلیم مکمل کی،اس کے بعد انہوں نے بطور کاتب، مشیر سلطان اور جج کے حیثیت سے خدمات انجام دیں مختلف ممالک کا سفر کیا اور کئی کتابیں لکھیں آپ کی مشہور کتاب کا نام مقدمہ ابن خلدون ہے جس نے تاریخ کو ایک نیا رخ دیا اور ۸۰۸ء میں وفات پائی،(دیکھیے،''شذرات الذھب فی اخبار من ذھب''۱/۷۱،دار ابن کثیر، دمشق، بیروت الطبعۃ الاولی،۱۴۰۶ھ)

[2] ابن خلدون، عبدالرحمن، مقدمہ، مترجم، مولانا عبدالرحمن دہلوی، دارالاشاعت کراچی ۲۰۰۹ء/۱/۶۵۰

[3] روسو ۲۸ جون ۱۷۱۲ء کو جینیوا میں پیدا ہوئے۔جوانی میں وطن کو خیر باد کہا اور آوارہ گردی اختیار کی۔ایک معزز خاتون مادام لوائز ڈی وارنز کے ساتھ سکیرٹری کے طور پر کام کیا۔اور موسیقی، فلسفے اور سیاسیات کی تعلیم حاصل کی۔اسے رومانیت کا بانی سمجھا جاتا ہے ۱۷۶۰ء میں ایک مضمون "سائنس اور آرٹ کا اثر اخلاق پر" لکھا۔اور ۱۷۶۲ء "معاہدہ عمرانی" لکھا، جس نے بہت زیادہ شہرت حاصل کی۔۲ جولائی ۱۷۷۶ء کو پیرس کے قریب گاوں میں ایمنوائیل میں وفات پائی،(مزید تفصیل کے لیے دیکھیے، فلسفیوں کے انسائیکلوپیڈیا، یاسر جواد، ص ۲۲۴)

[4] Rousseau، Jean Jacques , Discourses on the origion of inequality ، dover publication 2004,p23

مشہور جرمن مفکر اور کمیونزم کا بانی کارل مارکس[1] (Karl Marx) لکھتا ہے:

" ریاست وقت کا وہ مظاہرہ ہے جو سرمایہ دار طبقہ ریاست کی حمایت میں کرتا ہے اور جس کے بل بوتے پر ریاست کی بقااور استحکام کا دار و مدار ہے،اس میں عام لوگوں کی رضامندی یا خوش دلی کا دخل نہیں ہوتا۔"[2]

خلاصہ کلام یہ کہ تمام فلاسفہ اس نظریے پر متفق ہیں کہ زندگی کی بنیادی ضرورتوں نے افراد کو ایک دوسرے کے قریب آنے اور یک جا ہو کر گروہ کی صورت میں مل جل کر رہنے پر مجبور کیا۔اس طرح معاشرہ وجود میں آیا۔افراد ایک معاشرہ یا (society) بنا کر رہنے پر مجبور تھے۔کیونکہ فرد واحد کو اپنی تمام تر ضروریات کا مہیا کرنا بہت دشوار تھا۔اور آج بھی ہے یہی وجہ ہے کہ انسانی کی ضرورت سماجی تشکیل ہے۔

ریاست کے بارے میں قرآن کا تصور

مذکورہ بالا مختلف نقطہ ہائے نظر کے مطابق ریاست کی پیدائش یا اس کے قیام کی اصل وجہ ضرورت اور معاہدہ عمرانی ہے۔لیکن ہم جب اس مسئلے کو قرآنی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ضرورت اور معاہدۂ عمرانی پیدائشِ ریاست کے سراسر ضمنی پہلو تو ہیں بجائے خود وجہ حقیقی نہیں۔وجہ حقیقی دراصل وہی منشائے الٰہی ہے جو خالق کائنات نے انسانوں سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت لیا تھا۔جس کے ذریعے قیامت تک وجود میں آنے والی نسل آدم نے اللہ جلّ جلالہ کے احکام کی اطاعت اور اللہ تعالی نے پیغمبروں کے فرمودات کی پاسداری اور ان کو بجالانے کا اقرار کیا تھا۔قرآن میں ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ و إِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ ﴾[3]

ترجمہ: اور یاد کیجئے! جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی نسل نکالی اور ان کو انہی کی جانوں پر گواہ بنایا (اور فرمایا:) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ وہ (سب) بول اٹھے: کیوں نہیں! (تو ہی ہمارا رب ہے،) ہم گواہی دیتے ہیں تاکہ قیامت کے دن یہ (نہ) کہو کہ ہم اس عہد سے بے خبر تھے۔

---

(1) آپ کا نام کارل مارکس تھا جرمنی کے شہر ترائیر میں ۵ مئی ۱۸۱۸ء کو پیدا ہوئے،ابتدائی تعلیم اپنے شہر میں حاصل کی اور برلن یونیورسٹی سے قانون کے ڈگری حاصل کی۔معاشیات اور عمرانیات کے ماہر تھے،معشیت دان کے طور پر دیادہ شہرت حاصل کی ہے۔کئی کتابیں تصنیف کی۔جس میں مشہور داس کیپٹل ہے۔(دیکھیے: فلسفیوں کا انسائیکلوپیڈیا، یاسر جواد، ص ۲۳۴)

(2) کارل مارکس، داس کیپٹل، مترجم، محمد تقی، دار الشعور لاہور ۲۰۰۴، ص ۲۸۹

(3) سورہ الاعراف: ۱۷۹/۹

پیر کرم شاہ صاحبؒ [1] اس آیت کے تشریح میں لکھتے ہے:

".اسی کو "وعدۂ الست" کہا جاتا ہے۔ یہی وہ علت حقیقی ہے "اس کے زیر اثر فطرت انسانی میں اپنے سے بلند و بالا ہستی یعنی اللہ اعلی کی اطاعت کا جذبہ ودیعت کیا گیا"۔ [2]

عقیدۂ اسلام کے مطابق اللہ جلّ جلالہ ہی ساری کائنات کا خالق اور پروردگار ہے۔ وہی قادر مطلق اور عظمت و کبریائی میں لاشریک ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ جلّ جلالہ فرماتے ہیں:

﴿ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴾ [3]

ترجمہ: اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے

قرآن کریم کے مطابق تخلیق آدم کا منشاء زمین پر نیابت الٰہی کے فریضہ کا اہتمام ہے

جیسے اللہ جلہ جلالہ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ﴾ [4]

ترجمہ: اور جب آپ کے رب نے کہا فرشتوں سے کہ مجھ کو بنانا ہے زمین میں ایک جانشین۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ تخلیق آدمیت کا مقصد نیابت الٰہی کے فرائض کی انجام دہی ہے۔ اور ایسی ریاست کا قیام ہے جس میں انسان پر حکومت انسان کے ذریعے، کلی طور پر اللہ جلّ جلالہ کی تابعداری اور فرمانبرداری کی بنیاد پر ہو۔ اس لیے کہ ریاست کا اصل فریضہ ہی اللہ کی اطاعت ہے۔

تاریخی شواہد سے اس چیز کی صراحت ملتی ہے کہ حضرت آدم علیہ سلام سے لے کر مابعد زمانہ تک جتنے بھی انبیاء کرام تشریف لاتے رہے انھوں نے انسانیت کو خدا کا پیغام سنایا اور ان کو صراط مستقیم پر چلنے اور خدا کی اطاعت کی تلقین کی۔

---

[1] آپ کا نام محمد کرم شاہ تھا۔ ۱ جولائی ۱۹۱۸ء کو سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ شروع کی درس تعلیم گاوں میں حاصل کی۔ ۱۹۴۳ء میں دورہ حدیث سے فراغت حاصل کی، ۱۹۴۰ء میں جامعہ پنجاب سے بی اے کیا۔ ۱۹۵۱ء جامعہ الازہر میں ایم فل میں داخلہ لیا اور وہاں سے ایم فل کیا۔ ۱۶ سال جج کے حیثیت سے خدمات بھی سرانجام دیں۔ آپ ایک مایہ ناز مفسر، سیرت نگار اور ماہر تعلیم بھی تھے۔ ۷ اپریل ۱۹۹۸ء کو اس دار فانی سے رخصت ہوگئے۔ (تفصیل کے لئے دیکھیے: ضیاء الامت، ضیاء پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۰ء، ص ۱/۱۷،)

[2] پیر، محمد کرم شاہ، تفسیر ضیاء القران، ضیاء القران، پبلی کیشنز، لاہور ۱۴۰۰ھ 1/۴۲۰

[3] سورہ الزمر، ۶۲/۲۴

[4] سورہ البقرہ، ۳۰/۱

اللہ جلّ جلالہ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا ارْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ الَّا لِيطَاعَ بِاذْنِ اللّٰہِ﴾ (1)

ترجمہ: اور ہم نے پیغمبر نہیں بھیجے مگر اسی لیے کہ بحکم خداوندی ان کی فرمانبرداری کی جائے۔

اللہ جلّ جلالہ کے رسولوں نے زمین پر قانون خداوندی کی حکومت قائم کر کے عدل وانصاف کا پرچار کیا۔ ساتھ ہی اشاعت حق کی خاطر دشمنوں کے ساتھ جنگیں بھی کی اور موقع کی مناسبت سے صلح جوئی سے بھی کام لیا۔ میدان کارزار میں مدافعانہ یا جارحانہ انداز میں دشمنوں کا مقابلہ کیا اور امن واشتی کے زمانہ میں انسانوں کے بکھرے ہوئے شیرازہ کو متحد و منظم کر کے فروغ پذیر معاشرہ کی بنیاد ڈالی جس سے قیام ریاست کی راہ ہموار ہوئی۔ سلسلۂ نبوت میں حضرت داود علیہ السلام کو بادشاہت عطا کی گئی۔

﴿واتَاهُ اللّٰہُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ عَلَّمَهُ مِمَّا يشَاءُ﴾ (2)

ترجمہ: اور اللہ نے ان کو ملک دے دیا اور حکمت عطا فرمادی، اور ان کو جو کچھ چاہا علم دے دیا

مولانا غلام رسول سعیدیؒ(3) اس آیت کے تفسیر میں بیان کرتے ہیں:

''مراد وہ انعامات ہیں جو حضرت داؤد پر ہوئے۔ اللہ جلّ جلالہ نے انہیں حکومت بھی عطا کی اور حکمت بھی۔ حکومت کے ساتھ اگر حکمت نہ ہو تو وہ چنگیزی بن جاتی ہے اور اگر حکمت ہو تو عادلانہ بن جاتی ہے اور اللہ کے احکام وقوانین کو جاری کر کے خلافت کا مقام حاصل کر لیتی ہے۔ حضرت داؤد کی حکومت اسلامی خلافت تھی۔''(4)

اللہ کا فرمان ہے کہ حضرت یوسف علیہ سلام کو مصر میں حکومت کا ذمہ دار بنایا:

﴿وَقَالَ الْمَلِكُ ائتُونِي بِهِ اسْتَخْلِصْه لِنَفْسِي﴾ (5)

ترجمہ: اور بادشاہ نے کہا کہ اس شخص کو میرے پاس لاؤ میں اسے خالص اپنے لیے رکھوں گا۔

---

(1) سورہ النساء، ۶۴/۵

(2) سورہ البقرہ: ۲۵۲/۲

(3) آپ کا نام غلام رسول سعیدی تھا۔ ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ بمطابق ۴ نومبر ۱۹۳۷ء بروز جمعہ دہلی "بھارت" میں پیدا ہوئے۔ شروع کی درس تعلیم پنجاب اسلامیہ ہائی اسکول، "دہلی" میں حاصل کی۔ قیام پاکستان کے موقع پر ہجرت فرمائی اور کراچی میں قیام فرمایا۔ جامعہ نعیمیہ کے شیخ الحدیث رہے ہیں۔ ۷۹ برس کی عمر میں مورخہ ۵ فروری ۲۰۱۶ء انتقال کر گئے، تبیان القران اور نعمۃ الباری آپ کی مشہور تالیفات ہیں، (تفصیل کے لئے دیکھیے، مقدمہ نعمۃ الباری، فرید بک سٹال لاہور طبع سابع ۲۰۱۳ء)

(4) سعیدی، مولانا غلام رسول، تبیان القران ۱۹۹۵ء، ۸۹۰/۱

(5) سور یوسف: ۵۴/۱۳

قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق:

﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ﴾[1]

ترجمہ: تو کہہ اے اللہ! اے مالک الملک! تو بادشاہت دے جس کو چاہے بادشاہت چھین لیے جس سے چاہے۔

المختصر! قرآنی نقطۂ نظر سے زمین کی بادشاہت یعنی قیام ریاست بھی بنی نوع انسان کی تخلیق کے منصوبے کا ایک حصہ ہے اس میں ما قبل یا مابعد زمانوں میں انسانی ضرورت، جبر، اقتدار اور عمرانی معاہدات کا کوئی دخل نہیں۔ جیسا کہ مغربی مفکرین اور فلسفہ دانوں کا نظریہ ہے۔ اس مادی دور میں بھی جبکہ فلسفہ اور سائنس کے میدان میں بیشتر نظریات اور تجربات وجود میں آرہے ہیں۔ یہ حقیقت بتدریج نمایاں اور مستحکم ھوتی جارہی ہے کہ اس سرزمین پر ہی نہیں بلکہ پوری کائنات میں اللہ تعالی کی ذات ہی توحید مطلق اور اقتدار اعلی کی مالک ہے۔

---

[1] سورہ ال عمران: ۳/۶۳

فصل دوم:

اسلامی ریاست کی بنیادیں اور مختلف جہتیں

جس طرح اسلام دین و دنیا کی تفریق کا قائل نہیں اسی طرح حکومت میں بھی دین و سیاست کا کوئی فرق نہیں ہے۔ بلکہ دونوں کے امتزاج سے عمرانی اساس حکومت کا ایک مربوط نظام پیش کرتا ہے۔ جس میں دین اور دنیاوی حصص کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ دین وسیاست کے یکجا ہونے کا یہ مطلب امور سیاست (دنیا) میں بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ ریاست کی اساس اور خدوخال دین کے مطابق ہی ہے۔ ریاست کے بنیادی رہنما اصول قرآن نے بیان کئے ہیں جن کی وضاحت و تشریح اور عملی نمونے آنحضرت اور خلفائے راشدین نے قائم کردیے ہیں۔ حضور ﷺ نے بھی مدینہ منورہ میں اسلامی سلطنت کی اساس رکھتے وقت مدینہ کے یہودیوں سے باہمی state عہد و پیمان کیا تھا۔ جمہوری ملکوں میں مروج تحریری یا غیر تحریری دستور العمل بھی دراصل افراد اور ریاست کے درمیان ایک معاہدے ہی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اسلامی ریاست کے بنیادی خدوخال

ریاست کے خدوخال اور بنیادی ڈھانچہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ریاست کس قسم کی ہے اور اس چیز کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ کن خصوصیات کے بناء پر ایک ریاست دوسری سے مختلف ہوتی ہے اس لیے اس مبحث میں اسلام ریاست کے بنیادی خدوخال بیان کی جاتی ہے۔

اسلامی حکومت کا مقصد

ہر نظام کے کچھ مقاصد ہوتی ہیں جب اس نظام واالوں کی حکومت آتی ہے ان مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اسی طرح اسلامی حکومت کے بھی مقاصد ہیں جن کے بارے میں ربُّ العلمین کا ارشاد ہے:

﴿الَّذِينَ انْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْارْضِ اقَامُوا الصَّلَاةَ وَاتَوُا الزَّكَاةَ وَامَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْامُور﴾ [1]

ترجمہ: یہ مظلوم مسلمان ایسے ہیں کہ) اگر ہم انہیں زمیں میں اقتدار بخشیں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ نیکی کا حکم کریں اچھے کام کا اور منع کریں برائی سے اور اللہ کے اختیار میں ہے اخر ہر کام کا۔

اس آیت میں اسلامی حکومت کا مقصد اور فرائض کا ذکر کیا گیا ہے۔

---

[1] سورہ حج: ۴۱/۱۷

اس آیت کے تشریح میں مفتی شفیعؒ[1] رقم طراز ہیں:

"ان لوگوں کے بارے میں اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ان کو زمین میں سلطنت واقتدار دے دیا جائے تو یہ لوگ اپنے اقتدار کو ان کاموں میں صرف کریں گے کہ نمازیں قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کاموں کی طرف لوگوں کو دعوت دیں برے کاموں سے روکیں۔ اور یہ آیات ہجرت مدینہ کے فوراً بعد اس وقت نازل ہوئی ہیں جبکہ مسلمانوں کو کسی بھی زمین میں حکومت واقتدار حاصل نہیں تھا مگر حق تعالیٰ نے ان کے بارے میں پہلے ہی یہ خبر دے دی کہ جب ان کو اقتدار حکومت حاصل ہو تو یہ دین کی مذکورہ اہم خدمات انجام دیں گے۔"[2]

علامہ الوسیؒ[3] لکھتے ہیں:

"یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ خلفاء راشدین سب کے سب اسی بشارت کے مصداق ہیں اور جو نظام خلافت ان کے زمانے میں قائم ہوا وہ حق و صحیح اور عین اللہ جلّ جلالہ کے ارادے اور رضا اور پیشگی خبر کے مطابق ہے"[4]

اقتدار اعلیٰ

اسلامی ریاست کی پہلی بنیاد ہی اللہ جلّ جلالہ کی اقتدار اعلیٰ کو ماننا ہے اور اس کی حاکمیت کو تسلیم کرنا ہے اور حاکمیت کے مفہوم کو سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] آپ کا نام محمد شفیع عثمانی تھا، مفتی اعظم پاکستان کے لقب سے مشہور تھے ۲۵ جنوری ۱۸۹۷ء کو دیوبند میں پیدا ہوئے۔ اور پھر دار العلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔ اور پھر وہی پر استاد حدیث اور مفتی کے حیثیت سے خدمات سر انجام دئے۔ ۱۹۴۳ء میں وہاں سے استعفاء دے کر تحریک پاکستان میں حصہ لیا۔ قیام پاکستان کے بعد وہاں سے ہجرت کر کے پاکستان آگئے اور دار العلوم کراچی کا بنیاد رکھی۔ اور موت تک یہی پر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو انتقال کر گئے۔ (تفصیل کے لئے دیکھیے، محمد اکبر شاہ، پچاس جلیل القدر علماء، المیزان لاہور ۲۰۰۶ء ص ۱۱۹)

[2] مفتی محمد شفیع، معارف القران، ۲۷۱/۶

(3) آپ کا نام شہاب الدین بن محمود الوسی ہے۔ ۱۴ شعبان ۱۲۱۷ھ (۱۰ دسمبر ۱۸۰۲ء) بروز جمعۃ المبارک بغداد میں پیدا ہوئے۔ ان کی وفات ۱۲۷۰ھ بمطابق ۱۸۵۴ء ہوئی، آپ کو فقہ، اصول فقہ، نحو صرف، تفسیر پر مکمل عبور حاصل تھا تیرہ برس کے عمر سے آپ نے تعلیم وتدریس کا سلسلہ شروع کیا تھا، آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں لیکن اپنی تفسیر "روح المعانی" کے باعث مشہور ہیں۔ (دیکھیے، ھدیۃ العارفین اسماء المؤلفین وآثار المصنفین، داراحیاء التراث بیروت ۱۹۵۱ء، ۱۷۶/۷)

[4] الوسی، شہاب الدین بن محمود، روح المعانی فی تفسیر القرانِ العظیم والسبع المثانی دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ، ۱۵۷/۹

"علم سیاست کی اصطلاح میں حاکمیت کا لفظ اقتدار اعلی اور اقتدار مطلق کے معنی میں بولا جاتا ہے کسی شخص یا مجموعہ اشخاص یا ادارے کی حاکمیت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا حکم قانون ہے اسے افراد ریاست پر حکومت چلانے کے غیر محدود اختیارات حاصل ہیں۔ افراد اس کی غیر مشروط اطاعت پر مجبور ہیں خواہ بطوع ورغبت ہو یا بکراہت"[1]

جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوا اِلَّا اِیَّاہُ﴾[۲]

ترجمہ: فرمانروائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے، اسی نے یہ حکم دیا ہے کہ نہ پوجو مگر اسی کو۔

اس کو ایک دوسرے مقام پر اللہ جلّ جلالہ نے اس انداز سے بیان کیا ہے:

﴿اِتَّبِعُوا مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِنْ رَبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ اَوْلِیاءَ قَلِیلًا مَا تَذَکَّرُونَ﴾[3]

ترجمہ: لوگو! جو کتاب تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے اتاری گئی ہے، اس کے پیچھے چلو، اور اپنے پروردگار کو چھوڑ کر دوسرے (من گھڑت (سرپرستوں کے پیچھے نہ چلو۔ (مگر) تم لوگ نصیحت کم ہی مانتے ہو۔

اس کے حکم بغیر خود سری یا خود فکری سے نظام چلانا اس کے احکام سے بغاوت ہے جیسے اللہ تعالی نے کفر سے تعبیر کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ وَمَنْ لَمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْکَافِرُونَ ﴾[4]

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کے اتاری ہوئی قانون کے موافق فیصلہ نہ کریں، تو وہی ظالم ہیں۔

بلکہ ایسے نظامِ خود سری کو کفر سے بڑھ کر اللہ تعالی نے ظلم سے یاد کیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا

﴿ وَمَنْ لَمْ یَحْکُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰہُ فَأُولٰئِکَ ھُمُ الظَّالِمُونَ﴾[5]

ترجمہ: ورجو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق حکم نہ کریں، وہی لوگ ظالم ہیں۔

---

[1] مودودی، سید ابو الاعلی، اسلامی ریاست، ص ۲۶۳

[2] سورہ یوسف، ۴۰/۱۲

[3] سورہ الاعراف، ۳/۸

[4] سورہ المائدہ، ۴۴/۶

[5] سورہ ھود، ۱۰۷/۱

اسلام دنیا کے تمام نظام ہائے باقی دنیا کے نظاموں سے مختلف ہے کیونکہ باقی نظاموں میں اقتدار اعلی عوام یاحکومت کو حاصل ہوتی ہے اور اس کے نتیجے میں وہ ایسے قوانین بنانے کی کوشش کرتے ہیں جو ان کے نفس کی خواہش ہوتی ہیں۔ایک لحاظ سے ان کے خواہشات ہی ان کے اقتدار اعلی ہوتی ہے۔ لیکن اسلام میں جیسا کہ ان آیات سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ ریاست میں اقتدار اعلی صرف اللہ جلّ جلالہ کو حاصل ہے جسکو انگریزی میں (Sovereignty) سے تعبیر کیاجاتاہے.اس لیےایسا کوئی قانون نہیں بنایاجائے گاجواللہ جلّ جلالہ کےاحکامات کے مخالف ہو۔

رسول کی اطاعت

اللہ جلّ جلالہ کو حاکم ماننے کے بعد بھیجے ہوئے رسول یہ پیغام لیکر آتے ہیں کہ اللہ جلّ جلالہ کے احکام کیا ہیں اور کن اشیاء سے منع کرتا ہے اس لیے ہر نبی اور رسول نے لوگوں نے یہ کہا ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاطِیعُونِ﴾ (1)

ترجمہ: اللہ سے ڈرو،اور میرا کہنامانو۔

اللہ جلّ جلالہ اپنے کلام میں ایک قطعی اصول بیان کرتا ہے کہ انبیاء کاماننا ضروری ہے۔کیونکہ وہ مامور من اللہ ہوتے ہیں جیسا کہ فرمایا:

﴿ وَمَا ارْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ الَّا لِیطَاعَ بِاذْنِ اللّٰهُ ﴾(2)

ترجمہ: اور ہم نے جو بھی کوئی رسول بھیجااس غرض سے بھیجاکہ اس کی فرمانبرداری کی جائےاللہ کی اجازت سے۔

اس لحاظ سے کہ پیغمبر کی اطاعت اصل میں طاعتِ الٰہی ہے اس میں پیغمبر کا اپنا منشاءاور خواہش کارفرما نہیں ہوتا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَنْ یطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللّٰهُ﴾ (3)

ترجمہ: جورسول کی فرمان برداری کرے،اس نےاللہ کی فرمان برداری کی۔

بلکہ اگرانسان پیغمبر کے اطاعت کو ہلکا سمجھیں تو ایسے حالت میں اسکا ایمان معتبر نہیں۔اور اللہ کو یہ بہت ہی ناگوار ہے، جیسا کہ فرمایا:

---

(1) سورہ الشعراء،۱۰۸/۱۹

(2) سورہ النساء،۶۴/۵

(3) سورہ النساء،۸۰/۵

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾[1]

ترجمہ: نہیں، (اے پیغمبر) تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں فیصل نہ بنائیں، پھر تم جو کچھ فیصلہ کرو اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور اس کے اگے مکمل طور پر سر تسلیم خم کر دیں۔

پیغمبر مکمل مطاع من اللہ ہے لہذا ان کے اطاعت میں اپنے رائے کو کوئی عمل دخل نہیں ہو سکتا ہے۔ اور مؤمن کی یہی شان اللہ تعالی نے بیان کیا ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ اذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ امْرًا انْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ امْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ﴾[2]

ترجمہ: اور جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا حتمی فیصلہ کر دیں تو نہ کسی مومن مرد کے لیے یہ گنجائش ہے نہ کسی مومن عورت کے لیے کہ ان کو اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہے۔ اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔

مشاورت مسؤلیت کی بنیاد

فرد اور حکومت دونوں کو بعض اوقات ایسے امور پیش آتے ہیں جن کے بارے میں وہ تذبذب کا شکار ہوتے ہیں۔ کشمکش کے اس صورت حال میں شریعت نے یہ احکامات دے ہیں کہ اپنے رائے کو اختیار کرنے کے بجائے اس صورت حال کے مطابق اس میدان کے مختلف ماہرین فن، اہل اور دانا لوگوں سے رائے لی جائے اور ان کے رائے کے روشنی میں وہ کام کیے جائیں جسکو مشاورت سے تعبیر کرتے ہیں۔

اللہ جلّ جلالہ خود اپنے نبی ﷺ کو اپنے ساتھیوں (صحابہ کرام) سے مشورہ کرنے کے حکم یوں دیا ہے:

﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْامْرِ ﴾[3]

ترجمہ: اور کاموں میں ان کے ساتھ مشورہ کیا کریں۔

---

(1) سورہ النساء، ۶۵/۵

(2) سورہ الاحزاب، ۳۶/۲۲

(3) سورہ ال عمران، ۱۵۹/۳

پیغمبر کے بعد اسلامی ریاست کے ذمہ داران کو امور سلطنت چلانے کے لیے بھی مشاورت کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے ان کے لیے یہ حکم ہے:

﴿وَامْرُ هُمْ شُورَى بَينَ هُمْ ﴾[1]

ترجمہ: اور ان کا کام باہمی مشورے سے ہوتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے بھی اپنے قول و عمل سے مسلمانوں کو شوریٰ کی اہمیت و ضرورت سے آگاہ کیا ہے۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے:

"بیان کرتے ہیں میں نے پوچھا یا اللہ کی نبی ﷺ اگر ہمارے درمیان کوئی واقعہ پیش آجائے جس کے بارے میں نہ کوئی حکم قرآن میں نازل ہو نہ حدیث میں کوئی بیان ہو، تو ایسے واقعہ کے متعلق آپ ﷺ کا کیا ارشاد ہے فرمایا: اس بارے میں عبادت گزار اور دیانت دار ماہرین شریعت سے مشورہ لیا کرو، انفرادی رائے اختیار نہ کرو"[2]

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے:

((مَا رَايْتُ احَدًا اكْثَرَ مَشُورَةً لِاصْحَابِهِ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ))[3]

ترجمہ: میں نے ایسا شخص نہیں دیکھا جو آپ ﷺ سے زیادہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے والا ہو۔

آپ ﷺ ہر قابل غور کام پر مشورہ کرتے تھے۔ جیسا کہ غزوہ بدر سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا، کہ قیدیوں کو فدیہ کے عوض رہا کیا جائے یا قتل کر دیا جائے. اور غزوہ احد کے بارے میں مشورہ کیا کہ مدینہ کے اندر رہ کر مدافعت کیا جائے یا باہر جا کر مقابلہ کیا جائے. صحابہ کرام کے رائے باہر نکلنے کی ہوئی، اللہ کے نبی ﷺ نے اس کو قبول فرمایا۔

اس لیے اسلامی حکومت اس اصول کے وجہ سے شخصی اور بادشاہت سے مختلف ہے۔ اسلامی ریاست میں ہر کام مشورہ سے ہوگا۔

چونکہ مشورہ میں خیر اور برکت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث مبارکہ میں غلط مشورہ دینے والے کے بارے میں سخت وعید آئی ہے:

---

[1] سورہ الشوری، ۳۸/۲۵

[2] المتقی، علی بن حسام الدین، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، مؤسسہ الرسالہ، بیروت، الطبعۃ الخامسۃ، ۱۴۰۱ھ ۱۹۸۱ء کتاب الخلافہ مع الامارہ ۵/۸۱۲

[3] ترمذی، محمد بن عیسٰی، السنن ترمذی، مکتبہ رحمانیہ لاہور ۱۴۰۰ھ ۱۹۸۰ء، البواب الجہاد ۱/۴۳۴، حدیث نمبر ۱۷۱۴

((وَمَن اشارَ علی اخیه بامرٍ یَعلمُ انَّ الرُشْدَ فِي غَیرِهِ فَقَد خَانَه))[1]

ترجمہ: جس نے اپنے بھائی کو کسی ایسے کام کا مشورہ دیا جس کے متعلق وہ خود جانتا ہوں کہ صحیح بات دوسری ہے تو اس نے دراصل اس کے ساتھ خیانت کی ہے۔

سید مودودی ؒ لکھتے ہیں: ان نصوص سے تین باتیں لازم آتی ہیں: [2]

(1) مسلمانوں کا اجتماعی کام بغیر مشورہ کے نہیں ہونا چاہیے

(2) معاملہ جن کے متعلق ہو ان سب کو شریک کرنا چاہیے 'وہ خود شریک ہو یا اپنی جگہ کسی نمائندہ کو بھیج دے

(3) مشورہ آزادنہ، اخلاص کے ساتھ اور بے لوث ہونا چاہیے

اس لیے دھوکہ دہی لالچ کے ذریعے کسی کو مشورہ دینا صحیح نہیں ہے اور اشتہارات اور میڈیا کے ذریعے لوگوں کو دھوکہ میں ڈالنا بھی صحیح نہیں ہے۔

اصول انتخاب

دنیا میں جتنے نظامہائے ہیں انہوں نے اہل اقتدار کے انتخاب کے لیے کچھ اصول وضع کئے ہیں اسی طرح اسلام نے بھی صدر وزیر اعظم، وزراء اور اہل الشوری کے انتخاب کے لیے اصول وضع کئے ہیں اس بارے میں قرآن اور حدیث کے تعلیمات یہ ہیں:

(ا) اہلیت اور لیاقت ہو

اسی کے بارے میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ وَلِيَ مِنْ امْرِ الْمُسْلِمِينَ شَيْئًا فَامَّرَ عَلَيْهِمْ احَدًا مُحَابَاةً فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ الله لا يَقْبَلُ الله مِنْهُ صَرْفًا وَلا عَدْلا حَتَّى يُدْخِلَهُ جَهَنَّمَ)) [3]

ترجمہ: جس آدمی کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو پھر اس نے کوئی عہدہ کسی آدمی کو صرف دوستی و تعلق کی وجہ سے بغیر اہلیت معلوم کئے ہوئے دے دیا اس پر اللہ کی لعنت ہے اللہ جل جلالہ اس کا کوئی عمل قبول نہیں کرے گا یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل ہو جائے گا۔

---

(1) ابوداود، سلیمان بن اشعث، سنن ابوداود، کتاب العلم، باب التوقی فی القتیا، مکتبہ رحمانیہ لاہور ۱۴۰۰ھ ۱۹۸۰ء ۲/۱۶۰ حدیث نمبر ۳۶۵۷

(2) مودودی سید ابوالاعلی، اسلامی ریاست ص ۳۱۷

(3) ابن حنبل، احمد بن محمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، مسند ابی بکر صدیقؓ، ۱/۲۰۲، حدیث نمبر ۲۱

(ب)امانت دار ہو

ارشادِ ربانی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ [1]

ترجمہ: (مسلمانو) یقیناً اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں تک پہنچاؤ، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

مفتی شفیعؒ اس آیت کے تفسیر میں رقم طراز ہیں:

"اس مختصر آیت میں دستور مملکت کے چند بنیادی اصول آگئے جو مندرجہ ذیل ہیں:

1۔اول یہ کہ آیت کے پہلے جملہ کو ان اللہ یامرکم سے شروع فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ اصل امر اور حکم اللہ جل جلالہ کا ہے، سلاطین دنیا سب اس کے مامور ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ ملک میں اقتدار اعلیٰ صرف اللہ جل جلالہ کا ہے۔

2۔دوسرے یہ کہ حکومت کے عہدے باشندگان ملک کے حقوق نہیں جن کو تناسب آبادی کے اصول پر تقسیم کیا جائے، بلکہ اللہ جل جلالہ کی طرف سے دی ہوئی امانتیں ہیں جو صرف ان کے اہل اور لائق لوگوں کو دی جاسکتی ہیں۔

3۔تیسرے یہ کہ زمین پر انسان کی حکمرانی صرف ایک نائب و امین کی حیثیت سے ہو سکتی ہے وہ ملک کی قانون سازی میں ان اصول کا پابند رہے گا جو حاکم مطلق حق تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی بتلا دیئے گئے ہیں۔

4۔چوتھے یہ کہ حکام و امراء کا فرض ہے کہ جب کوئی مقدمہ ان کے پاس آئے تو نسل و وطن اور رنگ و زبان یہاں تک کہ مذہب و مسلک کا امتیاز کئے بغیر عدل و انصاف کا فیصلہ کریں۔" [2]

(ج) متقی ہو

﴿ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ [3]

ترجمہ: درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہوں۔

---

(1) سورہ النساء: ۵۸/۵

(2) مفتی محمد شفیع، معارف القران، ۲/۴۴۲

(3) سورہ الحجرات: ۱۳/۲۶

(ر) عہدہ کا طالب نہ ہو

((انَّا وَاللهِ لَا نُوَلِّي عَلَى هَذَا الْعَمَلِ احَدًا سَالَهُ، وَلَا احَدًا حَرَصَ عَلَيْهِ))[1]

ترجمہ: خدا کی قسم! ہم اپنی حکومت میں کسی کام پر کسی ایسے شخص کو مقرر نہیں کرتے جو اسکی درخواست کرے یا اسکا حریص ہو۔

امام قلقشندیؒ[2] اپنی تالیف میں حضرت ابو بکرؓ کی ایک حدیث اس حوالے سے بیان کرتے ہیں:

((لقد سالت رسول الله صلّى الله عليه واله وسلّم عن هذا الامر، فقال لي يا ابا بكر هو لمن يرغب عنه لا لمن يجاحش عليه، ولمن يتضاءل عنه لا لمن يتنفّج اليه؛ هو لمن يقال هو لك لا لمن يقول هو لي))[3]

ترجمہ: میں نے رسول ﷺ سے امارت کے بارے میں دریافت کیا تو حضور ﷺ نے جواب دیا: اے ابو بکر! وہ اس کے لیے ہے جو اس سے بے رغبت ہو نہ کہ اس کے لیے جو اس پر ٹوٹ پڑتا ہو، وہ اس کے لیے ہے جو اس سے بچنے کی کوشش کرے، نہ کہ اس کے لیے جو اس پر جھپٹے، وہ اس کے لیے ہے جس سے کہا جائے، کہ یہ تیرا حق ہے، نہ کہ اس کے لیے وہ خود کہے کہ یہ میرا حق ہے۔

اس لیے عہدہ کے طلب گار کو عہدہ نہیں دیا جائے گا۔ لیکن جہاں یہ خطرہ ہو کہ اس عہدہ پر نااہل انسان آئے گا اس وقت عہدہ کو طلب کرنا اہل آدمی کے لیے جائز ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے طلب کیا تھا:

﴿قَالَ اجْعَلْنِى عَلَى خَزَائِنِ الْاَرْضِ انِّى حَفِيظٌ عَلِيمٌ﴾[4]

ترجمہ: یوسف نے کہا کہ: آپ مجھے ملک کے خزانوں (کے انتظام) پر مقرر کر دیجیے۔ یقین رکھیے کہ مجھے حفاظت کرنا خوب آتا ہے (اور) میں (اس کام کا) پورا علم رکھتا ہوں۔

---

(1) مسلم، مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح المسلم، کتاب الامارہ، باب عن طلب الامارہ والحرص علیھا، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ۱۹۸۰ء، ۱۲۹/۲ حدیث نمبر ۴۷۱۶

(2) آپ کا نام احمد بن علی تھا. ۱۳۵۵ء کو قلقشندہ میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۴۱۸ء میں قاہرہ میں وفات پائی۔ آپ نے فقہ شافعی میں تخصص کیا۔ اور آپ کو شیخ ابن الملقن نے مسلک شافعی کے مطابق فتوہ کے اجازت دی تھی۔ آپ مصر کے مشہور ادیب، ماہر لغت اور تاریخ دان تھے۔ آپ کی مشہور کتاب صبح الاعشی فی صناعۃ الانشاء ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھیے: الاعلام للزرکلی، خیر الدین بن محمود، دار العلم للملایین، الطبعۃ الخامسۃ عشر، ۲۰۰۲ء، ۱۷۷/۱)

(3) القلقشندی، شہاب الدین احمد بن علی بن احمد، صبح الاعشی فی صناعۃ الانشاء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۲۸۷/۱

(4) سورہ یوسف، ۵۵/۱۳

امام قرطبیؒ اس آیت کے ضمن میں تحریر کرتے ہیں:

"آیت کریمہ میں اس بات پر بھی دلیل ہے کہ آدمی جس کام کا اہل ہو اس کے لیے اپنے آپ کو پیش کر سکتا ہے."[1]

قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

"اس آیت سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ اگر انسان کو اپنی ذات پر اطمینان اور بھروسہ ہو تو حکومت کا کوئی عہدہ اور قضاء کی طلب جائز ہے اور اپنی اہلیت کار کے اظہار میں کوئی حرج نہیں ہے۔ایک بات یہ بھی نکلتی ہے کہ بادشاہ کافر ہو یا ظالم' اس کی طرف سے کسی کام پر مامور ہونا (بشرطیکہ) وہ کام افادیت عامہ رکھتا ہو اور جاہ طلبی کا داعیہ نہ ہو) جائز ہے۔ظالموں اور فاسقوں کی طرف سے ہمارے محترم اسلاف محکمۂ قضاء کی خدمت اسی غرض سے قبول کرتے رہے ہیں۔"[2]

مفتی تقی عثمانی صاحب اس آیت کے تفسیر میں لکھتے ہیں:

"عام حالات میں حکومت کا کوئی عہدہ خود طلب کرنا شرعی اعتبار سے جائز نہیں ہے، اور آنحضرت ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے؛ لیکن جب کسی سرکاری عہدہ کے نااہلوں کے سپرد ہونے کی وجہ سے خلق خدا کی پریشانی کا قوی خطرہ ہو تو ایسی مجبوری کی حالت میں کسی نیک پارسا اور متقی آدمی کے لیے عہدے کا طلب کرنا جائز ہے،"[3]

شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے:

"معاونین کے لیے شرط یہ ہے، کہ ان میں امانت کی صفت ہو اور جو خدمت ان کی حوالے کی گئی ہے اس کی بجاوری کر سکیں اور بادشاہ کے ظاہر اور باطن میں مخلص ہو"[4]

اس پوری مبحث کا ثمرہ کلام یہ ہے، کہ ایسے لوگوں کو منتخب کیا جائے کہ ان میں اس کام کی استعداد ہو۔اور وہ کام اچھے طریقے سے کر سکتا ہوں۔اور امانت دار ہوں۔اور اس کام کو ایک ذمہ داری سمجھ کر کرتا ہوں۔کیونکہ اگر ماہر ہوں، لیکن امانت داری اور ذمہ داری کا احساس نہ ہوں تو وہ کرپشن کریں گے۔صرف دیانت دار اور امانت دار ہوں ۔لیکن ماہر نہ ہو تو وہ کام اور خراب کریں گے۔مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہونگے۔

---

(1) قرطبیؒ، ابو عبد اللہ، محمد بن احمد بن ابی بکر، الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبیؒ) دار الکتب المصریۃ، القاہرۃ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۳۸۴ھ ۱۹۶۴ء، ۹/۲۱۵

(2) قاضی، محمد ثناءاللہ، تفسیر مظہری، دارالاشاعت کراچی ۱۹۹۹ء، ۶/۱۱۱

(3) مفتی، تقی عثمانی، آسان ترجمہ قران، مکتبہ معارف القران کراچی، ۱۴۲۹ھ، ۲۰۰۹ء، ۱/ ۷۳

(4) شاہ، ولی اللہ، قطب الدین، حجۃ اللہ البالغۃ، ص۹

اولوالامر کی اطاعت

اللہ جلّ جلالہ اور رسول ﷺ کے اطاعت کے بعد اولوالامر کی اطاعت کے بارے میں یہ حکم دیا گیا ہے۔اور یہ اطاعت اسلام کے سرشت میں داخل ہے۔ جن کے متعلق اللہ جلّ جلالہ کا ارشاد ہے:

﴿يَا اَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَاَحْسَنُ تَاْوِيلًا﴾[1]

ترجمہ: اے ایمان والوں حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول (عَلَیہِ الصَّلاۃ والسَّلام) کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو طرف اللہ کے اور رسول ﷺ کے اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر یہ بات اچھی ہے اور بہت بہتر ہے اس کا انجام"

اس آیت کے تفسیر میں مولانا عبدالماجد دریابادی رقم طراز ہیں:

"اولوالامر کون ہیں؟ اس میں اچھی خاصی قیل و قال ہوئی ہے۔ علماء وفقہاء امت بھی مراد لیے گئے ہیں اور امراء و حکام بھی۔ اور بہتر یہ ہے کہ دونوں ہی مراد لیے جائیں کہ احکام شریعت کے نافذ کرنے والے یہ دونوں ہوتے ہیں۔ ای الولاۃ اوالعلماء (مدارک) روی عن جابر بن عبد اللہ وابن عباس روایہ والحسن وعطاء ومجاھدان ھم اولوا الفقہ والعلم وعن عباس فی روایۃ ھبیرۃان ھم امراء السرایا ویجوز ان یکونوا جمیعا مرادین بالایہ لان الاسم یتناولھم جمیعہ (جصاص)"[2]

اللہ اور اسکی رسول کی اطاعت اصل ہے اور اس پر کسی کی اطاعت مقدم نہیں ہے اولوالامر کی لیے مسلمان ہونا لازمی ہے،اور اولوالامر سے ہر وہ مسلمان مراد ہے جو احکام شریعت کو نافذ کرنے والا ہو۔ چاہیے وہ قولا ہو یا عملا،اور عام مسلمان اولی الامر سے اختلاف کر سکتے ہیں،اختلاف کی صورت میں فیصلہ کتاب اور سنت سے کیا جائے گا۔

بنیادی حقوق کا خیال رکھنا

اسلامی ریاست کی بنیاد میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ ہر آدمی کو بنیادی حقوق حاصل ہو،اور آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا:

---

[1] سورہ النساء،۵۹/۵

[2] دریابادی، مولانا، عبدالماجد، تفسیر قران، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور ۱۹۵۱ء، ۱۹۷/۱

((فَانَّ دِمَاءَکُمْ، وَامْوَالَکُمْ، وَاعْرَاضَکُمْ، بَیْنَکُمْ حَرَامٌ، کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ هَذَا، فِي شَهْرِکُمْ هَذَا)) [۱]

ترجمہ: یقیناً تمہاری جانیں، تمہارے مال، تمہاری ابروئیں ویسی ہی محترم ہیں جیسی یہ دن محترم ہے

اسلامی ریاست میں جان مال اور عزت کا تحفظ ہر بشر کو حاصل ہو گا۔

عدل اور مساوات قائم کرنا

عدل قائم کرنا اسلامی ریاست کا بنیادی خاصہ ہے اور اسلامی ریاست عدل کے بغیر قائم ہی نہیں ہو سکتا۔ جس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ انْ تَحْکُمُوا بِالْعَدْلِ انَّ اللّٰهَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِهِ انَّ اللّٰهَ کَانَ سَمِیعًا بَصِیرًا﴾ [۲]

ترجمہ: اور جب لوگوں کا تصفیہ کیا کرو تو عدل کے ساتھ تصفیہ کیا کرو۔ یقین جانو اللہ رب العزت تم کو جس بات کی نصیحت کرتا ہے وہ بہت اچھی ہوتی ہے۔ بیشک اللہ ہر بات کو سنتا اور ہر چیز کو دیکھتا ہے۔

مولانا عبد الماجد دریابادیؒ اس آیت کے تفسیر میں بیان کرتے ہیں:

"فیصلہ کرو تو بے لاگ۔ کوئی لالچ خوف تعصب اقربا پروری اور مفاد پرستی نہ ہو۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی۔ دنیا پکار اٹھے کہ زمین واسمان جس انصاف پر قائم ہیں وہ یہی ہے فرمایا کہ خبر دار انصاف کا پلہ ایک طرف نہ جھک جائے۔"[3]

ایک اور جگہ پر رب ذوالجلال فرماتے ہیں:

﴿ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَانُ قَوْمٍ عَلَی الَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ اقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾ [٤]

ترجمہ: اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر امادہ نہ کرے کہ تم ناانصافی کرو۔ انصاف سے کام لو، یہی طریقہ تقوی سے قریب تر ہے۔

پیر کرم شاہؒ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

"اب کیونکہ قوت واقتدار مسلمانوں کے پاس آرہا تھا اس لیے انہیں نہایت واضح طور پر حکم دیا کہ خبر دار! کسی قیمت پر انصاف کا دامن تمہاری ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ اور حق یہ ہے کہ کوئی قوم حکومت وسلطنت کے

---

(1) بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع، مکتبہ رحمانیہ لاہور ۱۴۰۰ھ، ۱۹۸۰ء، ۱۱۷۸/۲ حدیث ۴۴۰۳

(2) سورہ النساء، ۵۸/۵

(3) دریابادی، مولانا عبد الماجد، تفسیر قران، ۱۹۷/۱

(4) سورہ المائدہ، ۷/۶

تخت کی مستحق اس وقت تک ہی رہتی ہے جب تک وہ صفت عدل سے محروم کر دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اسلامی مملکت کے بانیوں کو بھلا کیوں نہ واضح طور پر اور پر زور طریقہ سے عدل کرنے کی ہدایت فرماتا"[1]

جس طرح افراد کے درمیان عدل ضروری ہے اس سے زیادہ ضروری ہے کہ ریاست کے اندر عدل ہو۔

رفاہ عامہ کے کام کرنا

اسلامی ریاست ایک فلاحی ریاست ہوتی ہے جو لوگوں کی فلاح اور بہبود کے لیے کام کرے گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿وَفِي امْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴾ [2]

ترجمہ: اور ان کے مال میں حق تھا سوال کرنے والے کا اور ہارے ہوئے کا

عبدالماجد دریابادیؒ اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں:

"یعنی ایسے التزام واہتمام سے ان کو دیتے تھے کہ جیسے ان کے ذمہ ان کا کچھ تھا۔ "السائل" وہ جو منہ سے سوال کرے "المحروم" وہ جو منہ سے سوال نہ کرے مگر ہو حاجتمند۔ ان نفل طاعتوں اور عبادتوں کے ذکر سے مقصود ان کے ثمرات عالیہ کا اظہار کر دینا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ جنات، عیون کے انعامات بغیر انکے ملیں ہی نہیں "[3]

رفاہ عامہ کے اس تصور کو مزید مستحکم درج ذیل آیے کرتی ہے:

﴿ خُذْ مِنْ امْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا ﴾ [4]

ترجمہ: لے ان کے مال میں سے صدقہ، جس کے ذریعے آپ انہیں پاک اور صاف فرمائیں۔

اس تصور کے بنیاد پر رسول ﷺ نے صدقات کو غریبوں کا حق قرار دیا ہے کہ ایک حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے:

((ان اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي امْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ اغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ))[5]

---

(1) الازہری، پیر کرم شاہ، ضیاء القرآن، ۱/۷۴۴

(2) سورہ الذریات، ۷/۹

(3) دریابادی مولانا عبدالماجد، تفسیر قران، ۷/۳۷

(4) سورہ التوبہ، ۱۰/۱۰۳

(5) ابن ماجہ، ابو عبداللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، باب فرض الزکاۃ، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ۱۴۰۰ھ ۱۹۸۰ء، ۱/۴۲۴، حدیث نمبر ۱۷۸۳

ترجمہ: اللہ نے مسلمانوں پر صدقہ فرض کیا ہے جو انکے مالداروں سے لیا جائے گا اور انکے غریبوں پر لوٹا دیا جائے گا۔

بلکہ ہر لاوارث انسان کا سرپرست اور معاون حکومت ہی ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے:

((والسُّلْطَانَ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ))[1]

ترجمہ: حکومت اس کی سرپرست ہے جس کا کوئی سرپرست نہ ہو۔

ان نصوص سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ اسلامی ملک کی حقوق میں سے ہے کہ محتاج اور غریبوں کی مدد کرے۔ اور ہر حاجتمند کی ضرورت کو پورا کرے۔

اسلامی ریاست کے انتظام کے مختلف جہتیں

اسلامی ریاست دیگر غیر اسلامی آزاد ریاستوں کے بارے مقابلے میں حساس اور منظم معاشرہ چاہتا ہے جہاں ہمہ جہت انتظام وانصرام کا اہتمام ہو۔ اس منظم معاشرہ کا تصور امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ یوں بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"بادشاہ خود ان تمدن کی مصلحتوں کا اہتمام نہیں کر سکتا اس لیے ضروری ہے کہ ہر کام کے لیے اس کے اس کے پاس معاون ہوں معاونین کے تعداد محدود نہیں ہے جتنی شہر کی ضروریات ہوتی ہیں ان ہی کے موافق معاونین کے تعداد ہوا کرتی ہے"[2]

لیکن اصلی معاون پانچ قسم کے ہوتے ہیں:

اول: قاضی (جج)

"قاضی میں یہ اوصاف ہونی چاہیے کہ آزاد ہو مرد، بالغ اور عاقل ہو، پوری طرح اپنی خدمت کو انجام دے سکے، معاملات کے طریقوں سے اچھی طرح واقف ہو، ان مکروں سے خوب واقف ہو جو خصومت میں مدعی مدعا علی کیا کرتے ہیں۔ اس میں صفت سختی کی ہو اور دونوں پر خوب غور کرے۔"[3]

---

(1) ابن حنبل، احمد بن محمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، ءباب مسند عائشہ، مکتبہ رحمانیہ لاہور ۱۴۰۰ھ ۱۹۸۰ء، ۵۹۸، حدیث نمبر ۲۶۲۳۵

(2) شاہ، ولی اللہ، قطب الدین، حجۃ اللہ البالغۃ، ص ۹۴

(3) ایضا

قضاء کی اہمیت کے بارے میں علامہ سرخسیؒ[1] لکھتے ہیں:

"قضاء بالحق ایمان باللہ کے بعد اہم ترین فریضہ اور عظیم ترین عبادت ہے۔ قضاء کی یہ عظمت اور شرف اس لیے ہے کہ حق کے ساتھ فیصلہ کرنا عدل کا اظہار ہے اور عدل پر ہی اسمان وزمین قائم ہیں۔ قضاء ہی کے ذریعہ ظلم کا ازالہ ہوتا ہے، مظلوم کے ساتھ انصاف ہوتا ہے اور مستحق کو اس کا حق ملتا ہے۔ اس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے اور انہی مقاصد کے لیے انبیاء مبعوث ہوئے ہیں"[2]

قضاء کو اسلامی تاریخ نے ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھا ہے، اور اسلام دین ہی عدل کا ہے اسی وجہ سے اسلامی ریاست میں قضاء ایک بنیادی ستون ہوتی ہے۔ صرف ایک ہی آیت سے اس بنیادی ستون کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ارشاد باری تعالی ہے:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾[3]

ترجمہ: یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (ترازو) نازل فرمایا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔

دوسرا: امیر لشکر (جرنیل)

"امیر لشکر کو چاہیے جنگ اور دلیر طبع اور شجاعت پیشہ لوگوں میں باہم الفت قائم رکھے۔ اور خوب جانتا ہوں کہ ہر شخص کو کہاں تک نفع پہنچ سکتا ہے۔ لشکروں کی ترتیب جاسوسوں کے مقرر کرنے کی کیفیت اس کو خوب معلوم ہو اور مخالفین کے چالوں سے بخوبی واقف ہو۔"[4]

---

[1] آپ کا پورا نام ابو بکر محمد بن ابی سہل احمد الملقب بہ رضی الدین سرخسی ہے۔ آپ کی ولادت ۴۰۰ھ بمطابق ۱۰۱۰ء یا ۱۰۰۹ء بمقام سرخس ہوئی، آپ نے شمس الائمہ عبدالعزیز حلوانی سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ اور علوم وفنون میں اس قدر کمال حاصل کیا کہ جب ان کے استاد فوت ہوئے تو ان کی مسند پر بیٹھ گئے، کئی کتابوں کی مصنف ہیں اور آپ کی مشہور تصنیف "المبسوط" ہے۔ آپ ۴۸۳ھ بمطابق ۱۰۹۶ء میں دمشق میں فوت ہوئے، (دیکھیے: کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، مصطفی بن عبداللہ، دار احیاء التراث العربی، بغداد، ۱۹۴۱ء، ۱۴۱۴/۲)

[2] سرخسی، شمس الائمۃ، محمد بن احمد بن ابی سھل، المبسوط، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۱۴ھ ۱۹۹۳ء، ۶۰/۱۶

[3] سورہ الحدید، ۲۵/۲۷

[4] شاہ، ولی اللہ، قطب الدین، حجۃ اللہ البالغۃ، ص ۹۴

جن اداروں کا ریاست کے لیے ہونا ضروری ہے ان میں سے ایک دفاعی ادارہ ہے اور اسلام میں دفاع کی اہمیت ایسی ہے جیسا کہ انسانی بدن میں ریڑھ کی ہڈی۔ قرآن میں متعدد مقامات پر دفاع کے بارے میں آیات نازل ہوئی ہے جن میں سے ایک یہ ہے اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿يَا اَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوا جَمِيعًا﴾(1)

ترجمہ: اے ایمان والو! (دشمن سے مقابلے کے وقت) اپنے بچاؤ کا سامان ساتھ رکھو، پھر الگ الگ دستوں کی شکل میں (جہاد کے لیے) نکلو، یا سب لوگ اکٹھے ہو کر نکل جاؤ۔

علامہ شاہ ولی اللہؒ اس آیت کے تفسیر میں رقم طراز ہیں:

”حذر کا مفہوم بہت وسیع و جامع ہے۔ ہر چیز جو دشمن سے بچاؤ کے کام آتی ہے۔ اس میں شامل ہے۔ خواہ ہتھیار ہوں خواہ تدبیریں۔ وقس علی ھذا۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ دشمن کے مقابلہ میں ہر طرح کیل کانٹے سے درست اور آمادہ رہو“(2)

آج کے دور مین کفار جدید ٹیکنالوجی سے مسلمانوں کا مقابلہ کر رہے ہیں اس لیے مسلمانوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی فوج کو جدید ٹیکنالوجی سے لیس کر دئے تا کہ ان سے مقابلہ میں پیچھے نہ رہے۔

تیسرا: منتظم شہر گورنر۔

”منتظم شہر تجربہ کار ہونا چاہیے جو شہر کی درستی اور خرابی کے طریقوں سے بخوبی واقف ہو۔ اس میں سختی کے ساتھ حلم بھی ہو اور ایسے خاندان کا ہو جو ناپسندیدہ امر کو دیکھ کر خاموش نہ رہ سکتے ہوں۔ اور منتظم شہر کو یہ بھی مناسب ہے کہ ہر قبیلہ میں سے اسی کے لیے ایک نقیب مقرر کرے جو اس قوم کے حالات سے پوری طرح واقف ہوں۔ اس نقیب کے ذریعے تمام حالات منظم رہ سکتے ہیں اور اِس قوم کی حالت کی داروں گیر اس نقیب کے ذریعے سے کی جا سکتی ہوں۔“(3)

کسی بھی معاشرے، قوم، اور ریاست میں انتظام و انصرام کے ذریعے استحکام پیدا ہوتا ہے اور یہ استحکام کسی ایک کو امیر بنانے سے اور ان کی اطاعت سے حاصل ہوتا ہے جس کے بارے آپ ﷺ کا یہ فرمان رہنمائی دیتا ہے:

---

(1) سورہ النساء، ۷۱/۵

(2) دریابادی، مولانا، عبد الماجد، تفسیر ماجدی (تفسیر قرآن)، ص ۲۳۵

(3) شاہ، ولی اللہ، قطب الدین، حجۃ اللہ البالغۃ، ص ۹۴

((اذا كان ثلاثةٌ فی سفرٍ فلیؤمّروا احدَهم)) (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تین افراد کسی سفر میں ہوں تو اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنالیں۔

جب اتنی چھوٹی سے جماعت کے لیے امیر کو لازم قرار دیا ہے تو اس سے بڑی جماعت، قوم اور ریاست کے لیے بطریق اولی لازم ہو گا۔ اس لیے اسلامی ریاست کے انتظام کو چلانے کے لیے ایسے لوگوں کا ہونا لازم ہے جو اس عہدہ کے اہل ہو۔

چوتھا: عامل (تحصلیدار)

"عامل کو چاہیے کہ مالوں پر محصول لینے کی کیفیت سے واقف ہو اور یہ جانتا ہوں کہ مستحق لوگوں پر اس آمدنی کو کیسے تقسیم کر سکتے ہیں۔"(2)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا﴾ (3)

ترجمہ: صدقات صرف فقراء کے لیے اور مساکین کے لیے اور ان کارکنوں کے لیے ہیں جو صدقات پر متعین ہیں۔

پیر کرم شاہؒ اس آیت کے تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وہ لوگ جو امام وقت کی طرف سے زکوۃ اور صدقات وصول کرنے کے لیے مقرر کیے جاتے ہیں ان کی تنخواہیں بھی اسی مد سے دی جاسکتی ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زکوۃ کی فراہمی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ منظم طور پر اسے وصول کرے اور پھر پورے اہتمام کے ساتھ اس کو اس کے مستحقین میں تقسیم کرے"(4)

زکوۃ کی وصولی اور مستحقین تک پہنچانا حکومتی ذمہ داریوں میں آتی ہے۔ اس لیے اسلامی ریاست میں ایسا محکمہ کا ہونا ضروری ہے جس کا کام محصول کو جمع کرنا اور مستحقین تک پہنچانا ہو۔

---

(1) ابوداود، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، باب فی القوم یسافرون یؤمرون احدہم، ۳۶/۳، حدیث نمبر ۲۶۰۹

(2) شاہ، ولی اللہ، قطب الدین، حجۃ اللہ البالغۃ، ص ۹۴

(3) سورہ التوبہ، ۶۰/۱۰

(4) پیر کرم شاہ، ضیاء القران، ۲۲۶/۲

پانچواں: وکیل

"وکیل، جو بادشاہ کے تمام ان امور کا ذمہ دار ہو جو اس کے معاش کے متعلق ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ بادشاہ احوال ملکی کے وجہ سے اپنی اصلاح معاش کی طرف توجہ نہیں کر سکتے۔"[1]

بادشاہ، اور زیر اعظم کے اس عہدہ کو آج کل پرسنل سیکرٹری کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

یہ تھے اسلامی ریاست اور اسلامی اصولوں کی مطابق نظامِ حکومت کے ارکان اور ستون۔

(1) شاہ، ولی اللہ، قطب الدین، حجۃ اللہ البالغۃ، ص ۹۴

فصل سوم:

جوان: معنی و مفہوم اور ضرورت واہمیت

مبحث اول: جوان کا لغوی معنی

ابن منظورؒ لکھتے ہیں:

"الشباب: الفناء والحداثة والشباب جمع شاب وكذلك الشبان وشب الغلام يشب شبابا وشبوبا"[(1)]

ترجمہ: جوان سے مراد: بچپن کا ختم ہو جانا، جوانمری کا نمودار ہونا، اور جوان کی جمع جوانوں، بچے کا جوان ہونا اور بلوغت کی عمر کو پہنچنا ہے۔

وحید الزمان کیرانویؒ فرماتے ہیں:

"شباب ،شب سے ہے جس کا مطلب لڑکے کا جوان ہونا، اگ کا روشن ہونا، جوانی سن بلوغت سے (۳۰) سال تک ہے"[(2)]

جوان کا اصطلاحی معنی:

احسان محمد الحسن صاحب[(3)] کہتے ہے:

"ان مفهوم الشباب يتناول اساسامن تتراوح اعمارهم بين ١٥-٢٥ سنةانسجاما مع مفهوم الدولي"[(4)]

ترجمہ: بین الاقوامی تصور کے مطابق اس بات پر اتفاق ہے کہ جوانی کی عمر ۱۵ اور ۲۱ سال کے درمیان مانی جاتی ہے لیکن اس بات کا خیال رہے کہ ملک اور علاقے کے اعتبار کا تصور کیا جاتا ہے

"اسی تناظر میں بعض ماہرین نفسیات نے عمر کی اس تعین کی تائید کی ہے، حالانکہ یہ تعین واقعاتی اور عملی طور پر ہے کیونکہ بعض اوقات جوان عمر کے لحاظ سے نوجوان لیکن اپنی صلاحیتوں، جذبات اور قوت کے اعتبار سے جوان تصور

---

(1) ابن منظور، جمال الدین محمد، لسان العرب، ب، ش ۱/۴۸۰

(2) وحید الدین قاسمی، القاموس الوحید، مراجعہ و تقدیم عمید الزمان قاسمی ۱/۷۳

(3) آپ کا نام احسان محمد الحسن ہے عراق کے شہر بغداد میں پیدا ہوئے اور اعلی تعلیم کے لئے برطانیہ گئے سوشل سائنسز میں ایم اے کیا اور ۱۹۸۸ء میں پی ایچ ڈی کی۔آپ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔(مزید تفصیل دیکھیے۔ علم اجتماع العائلہ، دار وائل للطباع والنشر للتوزیع، ص ۱۱)

(4) احسان محمد الحسن، تاثیر الغزو الثقافی علی سلوک الشباب العربی، دار احیاء التراث، بیروت طبع اول ۱۹۹۳ء ص ۲۱

نہیں کیا جاتا اور کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ جیسے کتنے ہی بزرگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی بغیر فکر اور عملی نتیجے کے گزار دیں"[1]

"اور دوسرے اعتبار سے ہر معاشرہ اپنا اثر رکھتا ہے اور معاشرے ایک جیسے نہیں ہوتے۔ اس لیے یہ بولا جاسکتا ہے کہ جوانی کے عمر کا تعین مختلف معاشروں میں حالات وواقعات کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے جس کا صرف اسی معاشرے پر اطلاق ہوتا ہے"[2]

محمد خیر الشعال صاحب[3] لکھتے ہیں:

"والمراد بالشبب الذكور والإناث ممن هم بين سن البلوغ والأربعين" [٤]

ترجمہ: جوان سے مراد مذکر اور مؤنث میں سے وہ ہوتے ہیں جو جو بلوغت اور چالیس کے درمیان ہو۔"

اسطرح صحابی رسول سعد بن ایاسؓ جنگ قادسیہ کی وقت اپنی عمر کے بارے میں بتاتے ہیں آپ نے فرمایا

" انتهى شبابى يوم القادسية اربعين سنة" [٥]

ترجمہ: قادسیہ کی دن میری جوانی چالیس کو پہنچ کر ختم ہوگئی

محمد خیر الشعال صاحب ایک اور مقام پر تحریر کرتے ہیں:

"من البلوغ الى ٤٠ ۔ شاباً من ٤٠- ٦٠ کہلا ،٦٠- ٧٠ شيخ ما بعد السبعين ھ رم" [٦]

ترجمہ: بلوغت سے چالیس سال تک شباب، چالیس سے ساٹھ سال تک کھول، ساٹھ سے ستر تک شیخ، ستر کے بعد ہرم کہا جاتا ہے۔

---

(1) فیصل محمد خیر الزراد، مشکلات المراھقۃ، فی الوطن العربی، دار النفائس بیروت، ۱۴۰۲ھ ص ۱۱

(2) الشباب القطری اھتماماتہ وقضایاتہ، علی لیلۃ، جامعہ قطر، جامعہ قطر دوحہ طبع اول ۱۴۱۱ھ ص ۱۵

(3) آپ کا نام محمد خیر الشعال ہے۔ شام کے ضلع صالحہ میں ۱۹۷۰ء میں پیدا ہوئے۔ دمشق کے سکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی ۔ ۲۰۰۲ء میں حدیث میں ایم اے کیا۔ اور ۲۰۰۹ء میں جامعہ ام درمان سے پی ایچ ڈی کی۔ ۱۰ سے زائد کتابوں کا مصنف ہے (مزید تفصیل کے لئے دیکھیے.

(http://dr-shaal.com/about –us.html)

(4) محمد خیر الشعال، سلسہ قضایا الشباب، دار افنان دمشق، شام، ص ۱

(5) ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ، الاستیعاب فی معرفہ الاصحاب، دار الجیل بیروت، ۱۹۹۲ء باب سعد ۵۸۳/۲

(6) محمد خیر الشعال، سلسہ قضایا الشباب، ص ۱

اس لیے ان آراء کے روشنی میں یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جوانی عمر کے لحاظ سے بلوغت اور چالیس کے درمیان ہوتی ہے اور ذہن کے لحاظ سے اسکی تعیین نہیں ہے۔

جوان کی تعریف کے حوالے سے مختلف تعریفات کی گئی ہیں جن کا خلاصہ عزت حجازی صاحب[1] نے یوں بیان کی ہے:

"فهناك من ينظر الى الشباب على انه ظاهرة اجتماعية والبعض يعتبره فترة زمنية، ومنهم من يعتقد انه مجموعة من الظواهر النفسية والجسمية والعقلية والاجتماعية وقد اختلف الكثير من المختصين في حقل الشباب في ايجاد تعريف شامل لمفهوم الشباب على الرغم من اتفاقهم على ان مرحلة الشباب تشكل انعطافاحاسماعلى طريق تكوين الشخصية الانسانية للفرد ، وانها المرحلة التي يكون فيهاالانسان قادراومستعد ا على تقبل القيم والمعتقدات والافكار والممارسا ت ا ومستعداً الانسان ا لجديدة التي من خلالها يستطيع العيش في المجتمع والتفاعل مع الافراد والجماعات [٢]

ترجمہ: کچھ اہل علم جوان کو ایک سماجی مظہر اور کچھ عمر کے ایک خاص حصے سے اس کو منسلک کرتے ہیں، جبکہ ان میں سے کچھ، نفسیاتی، جسمانی، ذہنی اور سماجی مظاہر کی تکمیل کا نام جوان کہتے ہیں۔ اس کے برعکس بہت سے دانشوروں کی رائے میں جوان ایک سراپا شخصیت جو مرحلہ وار ان صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں مدد گار ہوتا ہے۔ جو مختلف اخلاقی اقدار و معتقدات کو اپناتا اور ترقی دیتا نظر آتا ہے، اور ان کے حصول کے لیے تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا ہے تاکہ معاشرے کے سرگرم رکن کی حیثیت اختیار کرلے۔

المختصر! جوانی کا آغاز بلوغت پر شروع ہو جاتی ہے اور چالیس سال پر اختتام کو پہنچ جاتی ہے۔

---

[1] آپ کا نام عزت حجازی ہے، مصر کے گاوں محافظ الشرقیہ ۱۹۳۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے قاہرہ یونیورسٹی سے گریجویشن کی، ۱۹۶۴ء میں ایم اے کیا۔ امریکہ میں (Minnesota) مینوسٹا یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی۔ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں (مزید تفصیل دیکھیے: inex.php/Izzat.Hajaz)

[2] عزت حجازی بی الشباب العر والمشکلات التی، یوا جھھا المجلس الوطنی للثقافۃ والفنون، الکویت ۱۹۷۸ء ص ۳۳

مبحث ثانی: جوانی کی عمر اور اس کی اہمیت

جوانی زندگی کا وہ حصہ ہوتا ہے جس میں انسانی اعضاء مکمل ہو چکی ہوتی ہے حوصلہ اور جذبہ عروج پر ہوتا ہے۔ ہر کام کو کر گزرنے کا ولولہ ہوتا ہے۔ اور دنیا میں جتنے بھی فتوحات اور کامیابیاں حاصل کی گئی ہیں ان کے پیچھے جوان ہوتے ہیں اس لیے یہ کہا جاتا ہے کہ قوموں کے عروج اور زوال کا انحصار جوان طبقے پر ہوتا ہے اسی اہمیت کے وجہ سے قرآن نے بھی انکا الگ طور پر ذکر کیا ہے۔

قرآن میں جوانی کی اہمیت

جوان کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن نے اس کو باقاعدہ الگ حیثیت دے کر ذکر کیا ہے۔ سورہ مؤمن میں آتا ہے:

﴿ هُوَ الَّذِی خَلَقَکُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُکُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا اشُدَّکُمْ ثُمَّ لِتَکُونُوا شُیوخًا ﴾ [۱]

ترجمہ: وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر جمے ہوئے خون سے۔ پھر وہ تمہیں بچے کی شکل میں باہر لاتا ہے، پھر (وہ تمہاری پرورش کرتا ہے) تاکہ تم اپنی بھرپور طاقت کو پہنچ جاؤ اور پھر بوڑھے ہو جاؤ۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

﴿اللَّهُ الَّذِی خَلَقَکُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَیبَةً﴾ [۲]

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے تمہاری تخلیق کی ابتدا کمزوری سے کی، پھر کمزوری کے بعد طاقت عطا فرمائی، پھر طاقت کے بعد (دوبارہ) کمزوری اور بڑھاپا طاری کر دیا۔

مفتی شفیعؒ اس آیت کے خلاصہ تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اللہ ایسا ہے جس نے تم کو ناتوانی کی حالت میں بنایا (مراد اس سے ابتدائی حالت بچپن کی ہے) پھر (اس) ناتوانی کے بعد توانائی (یعنی جوانی) عطا کی پھر (اس) توانائی کے بعد ضعف اور بڑھاپا کیا"[3]

قرآن میں جوان کے لیے فتی کا لفظ آتا ہے۔

---

[1] سورہ مومن، ۲/۲۷

[2] سورہ الروم، ۵۱/۲۱

[3] مفتی شفیع، معارف القران ۶/۶۳۷

﴿ قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ﴾ (۱)

ترجمہ: کچھ لوگوں نے کہا: ہم نے ایک نوجوان کو سنا ہے کہ وہ ان بتوں کے بارے میں باتیں بنایا کرتا ہے، اسے ابراہیم کہتے ہیں۔

اور جوانوں کی جماعت کے لیے "فتیۃ" کا لفظ استعمال ہوا ہے

﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيكَ نَبَاهمْ بِالْحَقِ انَّهمْ فِتيةٌامَنُوا بِرَبِّهِمْ﴾ (2)

ترجمہ: ہم تمہارے سامنے ان کا واقعہ ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں۔ یہ کچھ نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے۔

مفتی شفیعؒ تفسیر میں رقم طراز ہیں:

"اَنَّہُمْ فِتْیَۃٌ، فتی کی جمع ہے، نوجوان کے معنی میں آتا ہے، علمائے تفسیر نے فرمایا کہ اس لفظ میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ اصلاح اعمال و اخلاق اور رشد و ہدایت کا زمانہ جوانی ہی کی عمر ہے، بڑھاپے میں پچھلے اعمال و اخلاق ایسے پختہ ہو جاتے ہیں کہ کتنا ہی اس کے خلاف حق واضح ہو جائے ان سے نکلنا مشکل ہوتا ہے،" (3)

یوسف علیہ الصّلاۃ والسّلام کے بارے میں آتا ہے

﴿ وَلَمَّا بَلَغَ اشُدَّهُ اتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ (4)

ترجمہ: اور جب یوسف اپنی بھرپور جوانی کو پہنچے تو ہم نے انہیں حکمت اور علم عطا کیا، اور جو لوگ نیک کام کرتے ہیں ان کو ہم اسی طرح جزاء دیتے ہیں۔

مفسر ابن کثیرؒ اس آیت کے میں تفسیر لکھتے ہیں:

"اس سے مراد تینتیس برس کی عمر ہے۔ یا تیس سے کچھ اوپر کی یا بیس کی یا چالیس کی یا پچیس کی یا تیس کی یا اٹھارہ کی۔ یا مراد جوانی کو پہنچنا ہے اور اس کے سوا اور اقوال بھی ہیں واللہ اعلم" (5)

---

(1) سورہ الانبیاء، ۶۰/۱۷

(2) سورہ الکہف، ۱۳/۱۵

(3) مفتی شفیع، معارف القران ۵۶۴/۵

(4) سورہ یوسف، ۲۲/۱۲

(5) ابن کثیر، عماد الدین اسمعیل بن عمر، تفسیر القران الکریم، شمع بک ایجنسی لاہور ۲۰۰۲ء، ۵۱۲/۲

مفتی شفیعؒ صاحب اس آیت کے تشریح میں لکھتے ہیں:

"یعنی جب پہنچ گئے یوسف (علیہ السلام) اپنی پوری قوت اور جوانی پر تو دی ہم نے ان کو حکمت اور علم، یہ قوت اور جوانی کس عمر میں حاصل ہوئی اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں حضرت مفسرِ قرآن ابن عبّاس (رض)، مجاہدؒ، قتادہؒ نے فرمایا کہ ۳۳ سال عمر تھی ضحاکؒ نے بیس سال اور حسن بصریؒ نے چالیس سال بتلائی ہے"[1]

المختصر! ان اقول کے روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں، کہ جوان بیس سے چالیس سال کے درمیان ہوتے ہیں۔

احادیث مبارکہ میں جوانی کی اہمیت

درحقیقت جوانی اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے جس کا شکر تمام جوانوں پر واجب ہے۔ اسلام نے ایام جوانی کی عبادت کو خوب پسند کیا ہے بلکہ اگر دیکھا جائے تو اسلام نے زیادہ تر جوانوں کو ہی مخاطب کیا ہے، بچوں اور بوڑھوں کو براہ راست مخاطب نہیں بنایا گیا ہے کیوں کہ بچے تو مکلف ہی نہیں ہیں اور بوڑھے اپنے آخری ایام میں صرف اکرام واعزاز کے مستحق ہوتے ہیں جو انہیں جوان ہی دے سکتے ہیں۔ جوانوں کے سلسلہ میں بہت ساری احادیث مروی ہیں جن میں ان کے نیک عمل اور اس پر مرتب ہونے والے اجر وثواب کی بشارت ہے۔ حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جوانی کے دنوں میں کی گئی عبادت اللہ تبارک وتعالیٰ کو کتنی پسند ہے۔

((سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ، يَوْمَ لا ظِلَّ الَّا ظِلُّهُ: الامَامُ العَادِلُ، وَشَابٌّ نَشَا فِي عِبَادَةِ رَبِّهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي المَسَاجِدِ، وَرَجُلانِ تَحَابَّا فِي اللَّهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ امْرَاةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ، فَقَالَ: انِّي اخَافُ اللَّهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ، اخْفَى حَتَّى لا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ))[۲]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا سات قسم کے آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اپنے (عرش کے) سایہ میں رکھے گا جس دن اس کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ انصاف کرنے والا حاکم' وہ نوجوان جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جوان ہوا ہو' وہ شخص جس کا دل ہر وقت مسجد میں لگا رہے' دو ایسے شخص جو اللہ کے لیے محبت رکھتے ہیں' اسی پر وہ جمع ہوئے اور اسی پر جدا ہوئے' ایسا شخص جسے کسی خوبصورت اور

(1) مفتی شفیع، معارف القران، ۴۵/۵

(2) بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الصلاہ، باب من جلس ینتظر الصلاۃ وفضلھا، ۱۳۳/۱ حدیث نمبر ۶۶۰

عزت دار عورت نے بلایا لیکن اس نے یہ جواب دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں ؛ وہ انسان جو صدقہ کرے اور اسے اس درجہ چھپائے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو کہ داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا اور وہ شخص جو اللہ کو تنہائی میں یاد کرے اور اس کی انکھیں انسوؤں سے بہنے لگ جائیں۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

((یا مَعْشَرَ الشَّبَابِ،مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَفَلْيَتزَوَّجْ،وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَانَّهُ لَهُ وِجَاءٌ))(۱)

ترجمہ: اے نوجوانو! تم میں جو بھی شادی کی وسعت رکھتا ہو اسے نکاح کرلینا چاہئے کیونکہ یہ خواہش نفسانی کو توڑ دے گا۔

ایک اور حدیث میں جوانی کے بارے میں ارشاد ہے:

((لَا تَزُولُ قَدَمُ ابْنِ ادَمَ يَوْمَ القِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتَّى يُسْالَ عَنْ خَمْسٍ، عَنْ عُمُرِهِ فِيمَ افْنَاهُ، وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَ ابْلَاهُ، وَمَالِهِ مِنْ ايْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ انْفَقَهُ، وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ)) (۲)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آدمی کا پاؤں قیامت کے دن اس کے رب کے پاس سے نہیں ہٹے گا یہاں تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے پوچھ لیا جائے: اس کی عمر کے بارے میں کہ اسے کہاں صرف کیا، اس کی جوانی کے بارے میں کہ اسے کہاں کھپایا، اس کے مال کے بارے میں کہ اسے کہاں سے کمایا اور کس چیز میں خرچ کیا اور اس کے علم کے سلسلے میں کہ اس پر کہاں تک عمل کیا۔

ان احادیث سے تین قسم کے نتائج نکلتے ہیں مدح، امر اور نہی۔ مدح اس طور پر قیامت کے دن عرش کے سایہ میں ہوگا۔ اور اللہ تعالی کی رحمت اس پر ہوگی۔ دوسرا، امر ہے وہ کام جو جوان آدمی کو جوانی کے عمر میں کرنا چاہیے، اگر نکاح کی طاقت رکھتا ہوں تو نکاح کرے کیونکہ جوانی کے عمر میں ہر چیز عروج میں ہوتی ہے غلط کاموں میں پڑھنے سے بہتر ہے کہ شادی کرے۔ اللہ تعالی اور رسول کی اطاعت میں جوانی گزارے۔ تیسرا نہی۔ وہ کام جن سے جوانی کے عمر میں بچا جائے اور وہ ہے کہ شریعت کے نافرمانی سے احتراز کیا جائے۔ کیونکہ جوانی زندگی کا ایک ایسا حصہ ہوتا ہے جس کی طرف بچہ اور بوڑھا دونوں دیکھتے ہیں بچے کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ کب جوان ہوگا اور اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنائے گا اور بوڑھے نے اگر جوانی میں کچھ اچھا کیا ہو تو خوشی کا اظہار کرتا ہے اور جوانی میں کچھ بھی نہ کیا ہو تو حسرت کے ساتھ ذکر کرتا ہے۔

(1) ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، باب ماجاء فی فضل النکاح ۲/۵۹۲ حدیث ۱۸۴۵

(2) ترمذی، محمد بن عیسٰی، سنن الترمذی، ابواب صفۃ القیامہ، ۲/۱۸۵ حدیث، ۲۴۱۶

صحابی کالغوی اور اصطلاحی مفہوم

اللہ تعالیٰ جب کبھی کوئی نبی یا رسول مبعوث فرماتا ہے تو اسے انتہائی مخلص، ایثار شعار اور جان نثار ساتھی عطا فرماتا ہے۔ جو رسول کی تربیت اور زمانے کی ابتلاء اور آزمائش کی بھٹی سے کندن بن کر نکلتے ہیں۔ جو ہر مشکل وقت اور مصیبت میں نبی علیہ السلام کا ساتھ دیتے ہیں۔۔ نبی کی تائید اور مدافعت میں وطن، اولاد، ماں باپ اور خود اپنی جان تک قربان کر دیتے ہیں۔ آپ ﷺ کے ایسے ساتھیوں کو صحابہ کہا جاتا ہے۔

صحابی کالغوی معنی

صحابی کے بارے میں احمد بن فارس الرازیؒ لکھتے ہیں:

"صَحَب (الصَّادُ وَالْحَاءُ وَالْبَاءُ) أَصْلٌ وَاحِدٌ يَدُلُّ عَلَى مُقَارَنَةِ شَيْءٍ وَمُقَارَبَتِهِ. مِنْ ذَلِكَ الصَّاحِبُ، وَالْجَمْعُ: الصَّحْبُ"[1]

ترجمہ: صحابی "ص ح ب" سے بنایا گیا ہے۔ کسی ایک چیز کے ساتھ دوسری چیز کے ملنے پر دلالت کرتا ہے۔ اسی سے صاحب آتا ہے اور اسکی جمع صَحْب ہے۔

علامہ عبدالرحمن السخاویؒ[2] کہتے ہیں:

" يَقَعُ عَلَى مَنْ صَحِبَ أَقَلَّ مَا يُطْلَقُ عَلَيْهِ اسْمُ صُحْبَةٍ"[3]

ترجمہ: صحابی کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو کسی کے صحبت میں رہے، یہ مدت خواہ قلیل ہو یا کثیر

---

[1] الرازی، احمد بن فارس بن زکریا، معجم مقاییس اللغۃ، دار الفکر ۱۳۹۹ھ، ۱۹۷۹ء، ۳۳۵/۳

[2] آپ کا نام محمد بن عبد الرحمن السخاوی ہے۔ آپ کی پیدائش مصر کی شہر 'قاھرہ" میں ہوئی اور، آپ کو مختلف علوم حدیث، تاریخ، فقہ وغیرہ میں ید طولی حاصل تھا۔ آپ کی وفات "مدینہ منورہ" میں ہوئی۔ (دیکھیے: معجم اعلام شعراء المدح النبوی، محمد احمد درنیقۃ، دار ومکتبۃ الھلال، الطبعۃ الاولی، بغیر سن طباعت، ص ۳۶۹)

[3] ابو الخیر، شمس الدین، محمد بن عبد الرحمن بن محمد، فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث للعراقی، مکتبۃ السنۃ مصر الطبعۃ الاولی، ۱۴۲۴ھ، ۲۰۰۳ء، ۷۸/۴

مولانا عبدالحفیظ بلیاویؒ لکھتے ہیں:

"صَحِبَہ ' صُحْبَۃً صَحابة وصِحابة کسی کا ساتھی ہونا۔ دوستی کرنا۔ ساتھ زندگی گذارنا"[1]

مولانا فیروزالدینؒ لکھتے ہیں:

"صحابی، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساتھی یا وہ مسلمان جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہو۔"[2]

اصطلاحی معنی

علامہ عبدالرحمن السخاویؒ صحابی کے تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" مَنْ صَحِبَهُ سَنَةً أَوْ شَهْرًا أَوْ يَوْمًا أَوْ سَاعَةً، أَوْ رَآهُ فَهُوَ مِنْ أَصْحَابِهِ"[3]

ترجمہ: ہر وہ شخص جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اختیار کی ہو' ایک سال یا ایک مہینہ یا ایک دن یا ایک گھڑی یا اُس نے (فقط حالتِ ایمان میں) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہو وہ صحابی ہے۔

امام بخاریؒ صحابی کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

"وَمَنْ صَحِبَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم أَوْ رَآهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَهُوَ مِنْ أَصْحَابِهِ"[۴]

ترجمہ: مسلمانوں میں سے جس نے بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اختیار کی ہو یا فقط آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہو، وہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی ہے۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے صحابی کی درج ذیل تعریف کی ہے:

"وَهُوَ مَنْ لَقِيَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم مُؤمناً بِهِ، وَمَاتَ عَلَى الْإِسْلَامِ، وَلَوْ تَخَلَّلَتْ رِدَّةٌ فِي الْأَصَحِّ"[5]

صحابی وہ ہے جس نے حالتِ ایمان میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی ہو اور وہ اسلام پر ہی فوت ہوا ہو اگرچہ درمیان میں مرتد ہو گیا تھا (مگر وفات سے پہلے مسلمان ہو گیا)۔

---

[1] ابوالفضل، بلیاوی، عبدالحفیظ، مصباح اللغات،، ص ۴۴۰

[2] الحاج، مولوی فیروزالدین، فیروزاللغات، ص ۸۶۸

[3] ابوالخیر، شمس الدین، محمد بن عبدالرحمن بن محمد، فتح المغیث بشرح الفیۃالحدیث للعراقی، ۷۸/۴

[4] بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۲/۵

[5] ابن حجر، ابوالفضل، احمد بن علی بن محمد، نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر، دارالحدیث، القاہرۃ الطبعۃ الخامسۃ، ۱۴۱۸ھ ۱۹۹۷ء، ص ۸۴

مذکورہ بالا تعریفات میں سے ابن حجر عسقلانیؒ کا تعریف راجح معلوم ہوتی ہے،اس لیے کہ اس میں وہ سب داخل ہوجاتے ہیں جس نے پیغمبر سے روایت بیان کی ہو یا نہ کی ہو۔

خلاصہ

اسلامی ریاست کے بنیادی اکائیاں/ستون باہم مربوط اور متعاون ہونا بہت ضروری ہے۔ریاست کو استحکام دینے کے لیے تمام اداروں کا باہم متعاون اور مربوط ہونا ، اسلامی تعلیمات اور احکامات کا عین تقاضا ہے، جیسے پورا کرنے کے لیے تمام ادارے ذمہ دار ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے ایک حساس اور ذمہ دار معاشرے کو تخلیق کرنے کے لیے ذمہ دار لوگوں کو مقرر کرنے اور ذمہ داری دینے کا حکم دیا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا﴾[1]

ترجمہ: (مسلمانو) یقیناًاللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں تک پہنچاؤ۔

آج امت کا نوجوان بے شمار مسائل اور الجھنوں میں گھرا ہوا ہے۔ایک طرف غیر متوازن نظام تعلیم کے مسائل کا سامنا کر رہا ہے تو دوسری طرف اقتصادی مسائل سے دوچار ہے۔ایک طرف اگر وقت پر نکاح نہ ہونے کے مسائل ہیں تو دوسری طرف بے روزگاری کے مسائل نے پریشانیوں میں مبتلا کر رکھا ہے۔اسی طرح ناقص تعلیم و تربیت، حیاسوز مغربی فکر و تہذیب کے پیدا کردہ مسائل علاوہ ازیں نت نئے افکار کے پیدا کردہ مسائل اور الجھنوں کا انبار لگا ہوا ہے جن سے اُمت کا یہ اہم طبقہ دوچار ہے۔ اس سلسلے میں ان کو مطلوبہ رہنمائی نہیں مل رہی ہے تاکہ وہ ان مسائل سے باآسانی نبرد آزما ہو سکے۔

اس سلسلے میں ماں باپ، علما اور دانش وروں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مربیانہ کردار ادا کریں تاکہ نوجوان طبقہ مستقبل میں ملت اور سماج کی تعمیر اور اصلاح کے لیے مؤثر کردار ادا کر سکے۔اس حوالے سے اللہ کے رسول ﷺ کا وہ تربیتی منہج سامنے رکھنا چاہیے جس کی بدولت انھوں نے جوانوں کی ایک بہترین جماعت تیار کی تھی۔ جس نے بعد میں بڑے بڑے معرکہ سرانجام دیے۔ رسول ﷺ جوانوں کے رجحانات اور طبیعت کو مد نظر رکھتے ہوئے تربیت دیتے اور ذمہ داریاں سونپتے تھے۔آپ ﷺ کے ابتدائی ساتھیوں کی فہرست پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دس سال کا ہے جیسے حضرت علی کرّم اللہ وجہہ یا تیس سال کا جیسے حضرت عبدالرحمنؓ یا زیادہ سے زیادہ سینتیس سال کی عمر کے تھے حضرت ابو بکر صدیقؓ جو اسلام پر ثابت قدم رہے اور رسول اللہ، ﷺ کا ساتھ دیکر ایک

---

[1] سورہ النساء،۵/۵۵

ایسا عظیم انقلاب لائے جو صدیوں تک قائم رہا جس کے اثرات آج بھی قائم ہیں۔ انہی جوانوں نے عرب معاشرے کی حالت کو بدل دیا، وہ معاشرہ جو جہالت کی گہرائیوں میں پڑا ہوا تھا۔ اسے علم کی ترویج اعلی قیادت اور دفاع سے ایک مضبوط اور ترقی یافتہ ریاست میں بدل دیا۔

باب دوم:

جوان صحابہ کرام کی بطور گورنر تعلیمی اور بلدیاتی (Municipality) خدمات

تمہید: گورنر کی تقرر و شرائط

فصل اول: جوان گورنر صحابہ کرام کی تعلیمی خدمات

فصل دوم: جوان گورنر صحابہ کرام کی بلدیاتی (Municipality) خدمات

تمہید:

گورنر کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

ہر کام اور ہر ہنر کو ہر شخص نہیں جانتا اور نہ ہی ہر شخص میں وہ صلاحیت ہوتی ہے۔لہذا دنیا میں اہداف کے حصول کے لیے تخطیط، منصوبہ بندی اہلیت و قابلیت بروئے کار لا کرامت کی بہترین طریقے سے خدمت کی جاسکتی ہے۔اہداف کے حصول کے لیے اوامر کی تنفیذ ضروری ہوتی ہے اس سلسلے میں اسلام نے اولی الامر کی اطاعت واجب قرار دی ہے۔ جس کے لیے مناسب اور موزون اہل کاروں کا انتخاب بے حد ضروری ہے جس کو یہاں پر گورنر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ گورنر کے لیے عربی لغت میں تین قسم کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔والی، عامل اور امیر

علامہ ابن منظور لکھتے ہیں :

''الوَلَايةُ : الوِلَاية، بِالْكَسْرِ، السُّلْطَانُ،الامارة، والنِّقابة''

ترجمہ:(واو کے کسرہ کے ساتھ) بادشاہت،امارت اور کونسلر

''فالوَلَايةُ بِالْفَتْحِ فِي النَّسَبِ والنُّصْرة والعِتْق'' (۱)

ترجمہ:(واو کے فتح کے)ساتھ مدد اور عتق کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

امیر کے لغوی تحقیق کرتے ہوئے فارابی تحریر فرماتے ہیں:

''والاميرُ: ذو الامْرِ. وقد امَرَ فلانٌ وامُرَ ايضا بالضم، اى صار اميرا-والمصدر الامرة، بالكسر. والامارة: الولايةُ. يقال: فلانٌ امِّرَ وامِّرَ على، اذا كان واليا''(۲)

ترجمہ:امیر ؛امر سے ماخوذ ہے فلاں نے حکم دیا،(میم کے ضمہ کے ساتھ)،یعنی وہ حاکم بن گیا،اور اس کا مصدر الامرہ کسرہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے امارت اور ولایت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، کہا جاتا ہے فلاں کو امیر بنایا گیا اور امارت سونپی گئی، جب وہ حاکم بن جائے

الدکتور سعدی ابو حبیب عامل کے لغوی مفہوم کے بارے میں لکھتے ہیں :

---

(1) ابن منظور، جمال الدّین، محمد بن مکرم، لسان العرب، ی، و ۴۵۰/۱۵

(2) الفارابی، ابو نصر اسماعیل بن حماد، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ، تحقیق احمد عبد الغفور عطار، دار العلم للملایین، بیروت الطبعۃ الرابعۃ ۱۴۰۷ھ، ۱۹۸۷ء ص ۵۸۱/۲

"العامل من يعمل فی مهنة، او صنعة،"[1]

ترجمہ: عامل وہ ہوتا ہے جو کسی پیشہ کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔

گورنر کا اصطلاحی مفہوم

گورنر کو عامل بھی کہا جاتا ہے جس کے بارے میں الدکتور سعدی ابو حبیب رقم طراز ہیں:

" والعامِلُ: هوَ الَّذِی یتوَلّٰی امور الرَّجُلِ فِی مَالِہ ومِلْکِہٖ وعمَلِہٖ، وَمِنْہ قِیلَ لِلَّذِی یسْتَخْرِج الزَّکَاۃَ: عامِل." [2]

ترجمہ: عامل وہ ہوتا ہے جسکو کسی آدمی کے امور سپرد کیے جاتے ہیں۔ اس کے عمل ،ملکیت اور مال میں،اور اسی سے زکاہ لینے والا ہوتا ہے، عامل الزکاۃ

اور قرآن میں عامل بمعنی تحصیلدار آیا ہوا ہے:

﴿ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا ﴾(۳)

ترجمہ: صدقے صرف فقیروں کے لیے ہیں اور مسکینوں کے لیے اور ان کے وصول کرنے والوں کے لیے

لیکن یہاں پر عامل سے مراد گورنر ہے۔

الدکتور عبد العزیز بن ابرہیم [4] لکھتے ہیں: کہ ان کے استعمال میں تھوڑا سا فرق ہوتا ہے

"عامل اشیاء مخصوصہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے جیسے عامل الزکاہ وغیرہ اور امیر کا استعمال اس کے برعکس ہوتا ہے جیسے امیر الجیش یا امیر المؤمنین وغیرہ، اور والی کا استعمال عام ہے جیسے والی البلد یا والی الزکاۃ وغیرہ" [5]

خلاصہ میں عبد العزیز بن ابرہیم لکھتے ہیں:

"یہ تمام اصطلاحات ایک ہی مقصد کے لیے استعمال ہوتی ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں، خصوصا اس وقت جب اس سے مراد شہر کی امارت اور اور حکمرانی ہو اور خلیفہ کے نائب کے طور پر اس شہر کا انتظام سنبھالنا ہو۔" [6]

---

(1) سعدی، الدکتور، ابو جبیب، القاموس الفقھی لغۃ واصطلاحا، دار الفکر، دمشق، سوریہ، الطبعہ الثانیہ، ۱۴۰۸ھ، ۱۹۸۸ء، ۱/۲۶۲

(2) سعدی، الدکتور، ابو جبیب، القاموس الفقھی لغۃ واصطلاحا، ۱/۲۶۲

(3) سورہ التوبہ، ۱۰/۶۰

(4) آپ کا نام عبد العزیز بن ابراہیم ہے ۱۳۶۲ھ کو سعودی عرب کے شہر بلدیہ میں پیدا ہوئے، جامعہ الامام سعودی میں تاریخ اور اسلامی تہذیب کے استاد رہے ہیں ۳۸ سے زائد کتابوں کا مصنف ہیں (تفصیل کیلئے دیکھیے https://www.alukah.net/authors/view/home/3279/)

(5) العمری، دکتور، عبد العزیز بن ابراہیم، الولایۃ علی البلدان فی عصر الخلفاء الرشدین، دار اشبیلیا، الریاض، طبع اول، ۲۰۰۱ء ص ۱۹

(6) ایضا ص ۲۰

تمام تعریفات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مفہوم میں اتنا فرق نہیں ہے لیکن یہاں پر ان سب سے مراد گورنر ہے۔

گورنر کے تقرر کی شرائط

سرکاری عہدے اور مناصب اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں جن کے امین وہ عہدہ دار ن ہیں جن کے ہاتھ میں تنزلی اور ترقی کے اختیارات ہیں۔ انہیں یہ عہدے بطور امانت سپرد کے جاتے ہیں اس لیے ان حکام کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ وہ ان عہدوں کو ان کے اہلیت والے لوگوں کے سپرد کرے۔ اور ان لوگوں کے حوالے کردے جن میں وہ سارے شرائط موجود ہو۔ جو ائمہ نے بیان کی ہیں۔

علامہ ماوردی[1] فرماتے ہیں۔ گورنر کی اہلیت کے لیے ان سات شرطوں کا ہونا ضروری ہے:

1) عدالت اپنی تمام شرطوں کے ساتھ
2) علم، ایسا عالم ہو کہ وہ عام ہدایات اور غیر معمولی واقعات کے وقت اجتہاد کر سکے
3) صحت حواس و نطق
4) صحت اعضاء تاکہ وہ اسے حرکت سے نہ روکے، اور بہ آسانی اٹھنے بیٹھنے میں حارج نہ ہو
5) عقل و فراست جو رعیت کی نگہبانی اور مصالح کے روبکار لانے میں معین ہو
6) شجاعت و دلیری جس سے ملک کی حفاظت اور دشمن سے جہاد کیا جائے،
7) وزیر کو جنگی اور مالی معاملات سے بخوبی آگاہی ہونی چاہیے کیونکہ بعض مرتبہ یہ کام اسے خود کرنے پڑتے ہیں اور بعض مرتبہ وہ دوسروں سے ان کاموں کو انجام دلاتا ہے تو جب تک وہ خود ان معاملات سے باخبر نہ ہوگا وہ مناسب آدمی کا تقرر نہ کر سکے گا[2]

---

[1] آپ کا اسم گرامی علی بن محمد بن حبیب ابوالحسن الماوردی تھا۔ اپنے زمانے کے بلند پایہ فقیہ تھے۔ شافعی مذہب کے ائمہ میں سے تھے اور آپ کے کتب میں سے "ادب القاضی" و الاحکام السلطانیہ" بہت مشہور ہیں۔ ۳۵۰ھ میں وفات پائی۔ (دیکھیے۔ طبقات الفقہاء شیرازی، دار الرائد العربی، بیروت، الطبعۃ الاولی، ۱۹۷۰، ص ۱۰)

[2] الماوردی، ابوالحسن، علی بن محمد، الاحکام السلطانیہ، دار الحدیث القاہرہ ۲۰۰۰ء، ص ۱۹

مامون الرشید نے اپنے ایک وزیر کو خط لکھا جس میں انہوں نے بہت خوبصورت انداز میں وزیر کی صفات کو بیان کیا ہے:

" اِنِّي اَلْتَمَسْتُ لِاُمُورِي رَجُلًا جَامِعًا لِخِصَالِ الْخَيْرِ، ذَا عِفَّةٍ فِي خَلَائِقِهِ وَاسْتِقَامَةٍ فِي طَرَائِقِهِ، قَدْ هَذَّبَتْهُ الْآدَابُ وَاحْكَمَتْهُ التَّجَارِبُ، اِنِ اؤْتُمِنَ عَلَى الْاَسْرَارِ قَامَ بِهَا، وَاِنْ قُلِّدَ مُهِمَّاتِ الْاُمُورِ نَهَضَ فِيهَا، يُسْكِتُهُ الْحِلْمُ وَيُنْطِقُهُ الْعِلْمُ، وَتَكْفِيهِ اللَّحْظَةُ وَتُغْنِيهِ اللَّمْحَةُ، لَهُ صَوْلَةُ الْاُمَرَاءِ وَاَنَاةُ الْحُكَمَاءِ وَتَوَاضُعُ الْعُلَمَاءِ وَفَهْمُ الْفُقَهَاءِ، اِنْ اُحْسِنَ اِلَيْهِ شَكَرَ، وَاِنْ اُبْتُلِيَ بِالْاِسَاءَةِ صَبَرَ، لَا يَبِيعُ نَصِيبَ يَوْمِهِ بِحِرْمَانِ غَدِهِ، يَسْتَرِقُّ قُلُوبَ الرِّجَالِ بِخِلَابَةِ لِسَانِهِ وَحُسْنِ بَيَانِهِ"[1]

ترجمہ: میں اپنے حکومت کے امور ایک ایسے شخص کے سپرد کرنا چاہتا ہوں جس میں تمام خوبیاں موجود ہوں وہ عفیف اور وضع دار ہو مہذب و تجربہ کار ہو اسرار حکومت کا امین ہو مشکل سے مشکل کاموں میں مستعد ہو اس کا حکم اس کو خاموش کرے اور اسکا علم اسکو بولنے کا کہئے، صرف انکھ کے اشارے سے وہ بات سمجھ جائے اور ایک لمحے کی مدت ہی اس کے لیے کافی ہو اس میں امراء سا دبدبہ ہو، حکماء سی دور اندیشی ہو، علماء سی تواضع اور فقہاء کی سی سمجھ ہو اگر اس پر احسان کیا جائے تو وہ ممنون ہو اگر کسی تکلیف میں مبتلاء کیا جائے تو صبر کرے وہ آج کے فائدے کو کل کے نقصان وجہ سے ضائع نہ کرے وہ اپنی چرب زبانی اور فصاحت سے قلوب کو موہ لے۔

ان ہدایات کی روشنی میں آج کے گورنروں کے لیے مندرجہ ذیل اصول اور مناھج مستنبط ہوتے ہیں۔

سادگی کا حامل ہونا: گورنر اور منتظم کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ وہ بہت سادہ ہو۔ کیونکہ سادہ انسان دوسروں کے لیے مثال بن سکتا ہے۔ اس کی زندگی تکلفات اور اسائش سے خالی ہونی چاہیے۔

رحمت و شفقت کا حامل ہونا: ایک اچھے گورنر اور منتظم کے لیے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کے لیے رحمت ثابت ہو۔ اور عوام اس کی موجودگی میں خوشی کا اظہار کرے، اور وہ لوگوں کے مسائل حل کرنے کی کوشش کرے۔

باوقار ہونا: ایک اچھے گورنر کے لیے باوقار ہونا بھی بہت ضروری ہے جس آدمی کا وقار زیادہ ہوتا ہے۔ لوگ اس کی عزت بھی کرتے ہیں اور اسکا رعب اور دبدبہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔

صاحب بصیرت اور دور اندیش ہونا۔ ایک بہترین اور اچھے منتظم اور گورنر کی خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ دور اندیش اور صاحب بصیرت ہو۔

قوتِ فیصلہ کا حامل ہونا: ہر مسئلے کا مختلف زاویوں سے جائزہ لینا اور پھر مناسب ترین فیصلہ کرنا بھی ایک قابل منتظم کی خصوصیت ہوتی ہے۔ اس لیے منتظم اور گورنر میں قوتِ فیصلہ کا صفت ہونا چاہیے۔

---

[1] الماوردی ابوالحسن علی بن محمد، ص ۲۰

حسن بیان کا حامل ہونا: ایک اچھے گورنر کے لیے بہترین مقرر ہونا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ ایک اچھی تقریر جیسے شائستہ اور خوبصورت انداز میں بیان کی جائے تو وہ لوگوں کو مسحور کر لیتی ہے۔

المختصر! عہدہ اور منصب ایک ذمہ داری ہے محض اعزاز نہیں، اس لیے جس عہدے کے لیے تعیین یا انتخاب مقصود ہو اس کے لیے صاحبِ منصب میں صلاحیت اور اہلیت ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ اس میں کسی طرح کی خرابی یا کوتاہی کا اثر ایک فرد پر نہیں بلکہ پوری قوم اور جماعت پر پڑتا ہے۔ نااہل کو منصب پر فائز کرنے سے پورا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔

آج معاشرے میں جہاں کہیں بھی نظام حکومت کی ابتری نظر آتی ہے وہ سب ان روشن تعلیمات کے نظر انداز کر دینے کا نتیجہ ہے کہ علمی اور عملی قابلیت کو نظر انداز کر کے محض تعلقات اور سفارشوں کی بنیاد پر عہدے اور مناصب تقسیم کیے جاتے ہیں۔ اس کلچر نے اداروں کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے، جس سے ہر گزرتے دن کے ساتھ ملک ترقی کی بجائے خسارے کی طرف جا رہا ہے۔ اس لیے قابل اور اہل لوگوں کو یہ مناصب دیا جائے، تاکہ ملک اور قوم کے مسائل حل ہو سکے۔

فصل اول:

جوان گورنر صحابہ کی تعلیمی خدمات

علم ربّ ذو الجلال کی کی ایک عظیم تحفہ ہے۔ جیسے اس نے حکمت سے تعبیر کیا ہے۔ جس کے حصول کے لیے تگ ودو کرنا ہر مسلم پر فرض ہے۔ اگر کسی قوم یا معاشرے کا جوان پڑھا لکھا ہوں تو اس قوم کی تربیت اور ترقی میں کوئی روکاوٹ حائل نہیں ہو سکتی۔ تعلیم ہی جوانوں میں مثبت تبدیلی لاتی ہے۔ وہ ان کو ذمہ دار بناتی ہے وہ ان کو معاشرے کا اچھا فرد بننے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ تعلیم ان کی اخلاقی تعمیر کرتی ہے ان کو بہتر انسان بناتی ہے ان کو یہ سکھاتی ہے کہ کس طرح وہ اپنے مثبت کردار اور تعمیری سوچ کے ذریعے معاشرے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ کس طرح سے وہ دوسروں کے کام آ سکتے ہیں۔ کس طرح وہ ملک اور معاشرے کی بھلائی تعمیر و ترقی اور فروغ میں اپنا کردار ادا کرنے کی اہلیت کو ثابت کر سکتے ہیں۔

انسان اور دیگر مخلوقات میں فرق علم اور عمل کا ہی ہے کہ دیگر مخلوقات میں یہ اہلیت نہیں ہوتی کہ وہ اپنی معلومات میں اضافہ کریں۔ جبکہ انسان دیگر ذرائع کو استعمال کر کے اپنی معلومات میں کر سکتا ہے۔ علم ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو اچھے اور برے میں فرق سکھاتی ہے۔ اللہ تعالی نے اپنی نبی پہ وحی کا آغاز بھی علم کی آیات سے کیا اور فرمایا:

﴿اقْرَا بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِی خَلَقَ﴾[1]

ترجمہ: اے پیغمبر آپ اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجیے جس نے پیدا کیا،

یہ آیت نازل کر کے بتلا دیا ایک علم والا اور جاہل انسان برابر نہیں ہو سکتے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾[2]

ترجمہ: تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے اللہ ان کو درجوں میں بلند کرے گا، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

تعلیم و تعلم کے بارے میں عثمانؓ سے روایت ہے:

---

[1] سورہ العلق، ۱/۳۰

[2] سورہ مجادلہ، ۱۱/۲۸

((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ))[1]

ترجمہ: تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن مجید پڑھے اور پڑھائے۔

علم چونکہ خیر بھلائی ہے اس لیے آپ ﷺ نے دوسروں تک پہنچانے کا فریضہ اپنے صحابہ کرام کو سونپ دیتے ہوئے فرمایا:

((بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ ايَة))[۲]

ترجمہ: میرا پیغام لوگوں کو پہنچاؤ! خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہوں

اس وجہ سے صحابہ کرام جہاں بھی گئے وہاں علم کی روشنی پھیلادی۔

جوان گورنر صحابہ کرام کے نام درجہ ذیل ہیں۔ عتاب بن اسید، عثمان بن ابی العاص، عمرو بن حزام، زیاد بن لبید، ابوموسی اشعری، سعد بن ابی وقاص، مغیرہ بن شعبہ یعلی بن امیہ، سعد بن عامر، عمیر بن سعد رضوان اللہ علیم اجمعین جو مختلف شہروں اور علاقوں، میں متعین تھے ان معمارانِ ملت نے جو بے لوث خدمات دین کی لے سرانجام دیں ہیں اان کا مختصر تذکرہ صفحہ قرطاس کیا جارہاہے۔

گورنر مکہ: عتاب بن اسیدؓ

نام وکنیت: نام عتاب بن اسید

سلسلہ نسب : عتاب بْن اسید بْن ابی العیص بْن امیة بْن عبد شمس بن قصی بن کلاب بن مرہالقرشی الاموی[۳]

اسلام۔ فتح مکہ کے دن اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے[4]

وفات، ۱۳ھ جس دن حضرت ابو بکرؓ کی وفات ہوئی اسی دن آپ دار فانی سے رخصت ہوئے۔ آپؓ نے زندگی صرف ۲۶،۲۵ بہاریں دیکھی تھی۔[5]

---

[1] بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب ابواب فضائل القرآن، باب خیر کم من تعلم القرآن ۲۵۸/۲ حدیث ۵۰۲۷

[2] ایضا، ۴۱۵/۱، حدیث ۱۳۴۶۱

[3] ا بن الاثیر، ابوالحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابہ، دار الکتب العلمیۃ، طبعہ اولی، ۱۹۹۴ء، ۴۴۹/۳

[4] ابن حجر، ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، الطبعہ الاولی، ۱۴۱۵ھ ۳۵۶/۴

[5] ا بن الاثیر، ابوالحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابہ، ۴۴۹/۳

امارت:

فتح مکہ کے بعد جب آپ ﷺ حنین کے لیے جانے لگے تو عتابؓ کو امیر مکہ بنادیا، مکہ کی امارت پر سرفراز فرماتے ہوئے ان الفاظ میں عتاب کی عزت افزائی فرمائی! تم کو معلوم ہے، کہ کن لوگوں پر میں نے تم کو عامل بنایا ہے ،اہل اللہ پر! اگر مکہ والوں کے لیے اپ سے زیادہ کوئی موزوں شخص نظر آتا تو اسے بناتا۔[1]

مرویات

عتاب بن اسیدؓ نے آنحضرت ﷺ کے صحبت میں بہت کم وقت گزارا ہے لیکن ان کا شمار بھی ان خوش بخت صحابہ میں سے ہے جنہوں نے حضور پاک ﷺ سے احادیث نقل کی ہے۔ان کی مرویات کی تعداد دو ہیں۔

امارت کے لیے جو موزوں شخص ہو۔اسی کو امیر بنایا جائے ،اگرچہ وہ کم عمر ہو یا اس کے قربانیاں کم ہو، لیکن جو آدمی جس چیز کا اہل ہو اسی کو وہ حوالے کیا جائے۔جیسا کہ نبی پاک ﷺ نے عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا۔

حاکم طائف و بحرین: عثمان بن ابی العاصؓ

نام و کنیت: نام عثمان، کنیت ابو عبد اللہ

سلسلہ نسب: عثمان بن ابی العاص بن بشر بن عبد بن دہمان الثقفی[2]

اسلام: غزوہ طائف کے بعد وفد ثقیف[3] کے ساتھ مدینہ آئے ،اور یہ اس جماعت میں سب سے چھوٹے تھے ،اس موقعہ پر آنحضرت ﷺ کے دست حق پرست پر اسلام لیے آئے۔[4]

امارت۔عہد نبوی و صدیقی میں طائف اور دور فارقی میں بحرین و عمان پر گورنر رہے[5]

---

(1) ابن حجر، ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ۳۵۷/۴

(2) ایضا، ۵۷۳/۳

(3) ثقیف طائف کے مشہور قبیلوں میں سے ایک قبیلہ ہے۔ثقیف کا اصل نام قسی ہے سلسلہ نسب، قسی بن منبہ بن بکر ابن ھوازن بن منصور بن عکرمۃ خصفۃ بن قیس بن عیلان، ان کا وطن طائف ہے جو مکہ مکرمہ کے قریب واقع ہیں۔(دیکھیے جمل من انساب الاشراف، احمد بن یحیی بن جابر، دار الفکر، بیروت الطبعۃ الاولی، ۱۴۱۷ھ ۱۹۹۶ء ۲۵/۱ بن)

(4) ابن ھشام، محمد عبد الملک بن مترجم ،مولوی قطب الدین احمد ،ھشام، سیرت ابن ھشام ،اسلامی کتب خانہ لاہور ،بغیر سن طباعت ۱۹۸/۳

(5) ابن عبد البر ،ابو عمر یوسف بن عبد اللہ، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، دار الجیل، بیروت طبعہ اولی، ۱۴۱۲ھ ۱۹۹۲ء، ۱۰۳۵/۳

وفات۔ان کے وفات کا وقت صحیح طور پر معلوم نہیں ۔لیکن علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ کے دور سلطنت ۵۵ھ کے لگ بھگ وفات پائی۔[1]

امامت کرانا:

اگرچہ عثمان اسلام میں نئے داخل ہوئے تھے، لیکن ان میں تعلیم کی بڑی استعداد تھی ان کا تعلیمی ذوق و شوق دیکھ کر حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا تھا کہ یہ لڑکا ثقہ فی الاسلام اور تعلیم قرآن کا بڑا شایق ہے اس لیے آنحضرت ﷺ نے بنی ثقیف کی امارت اور امامت انہی کو تفویض فرمادی اور ہدایت فرمائی کہ لوگوں کی حالت کا اندازہ کرکے نماز پڑھانا نمازیوں میں کمزور بوڑھے بچے اور کاروباری ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔[2]

حدیث کی تعلیم:

عثمان تاخیر فی الاسلام اور کم سنی کے باوجود قبیلہ بھر میں علمی حیثیت سے ممتاز تھے ،اس لیے رسول ﷺ نے بنی ثقیف کا امام بنایا تھا۔انہیں صحبت نبوی سے استفادہ کا بہت کم موقعہ ملا ہے، لیکن ان کی مرویات کی تعداد انیتس تک پہنچتی ہے۔ان سے روایت کرنے والوں میں یزید بن حکم سعید بن مسیب، نافع بن جبیر بن مطعم وغیرہ شامل ہے۔[3]

فتنہ ارتداد میں وعظ:

حضرت ابو بکرؓ کے مدت خلافت میں جب ارتداد کا فتنہ اٹھا اور قبائل اس کا شکار ہونے لگے تو عثمان بن ابی العاص ؓ نے بنی ثقیف کو نہایت دانشمندی کے ساتھ اس فتنہ سے بچالیا سب کو جمع کرکے تقریر کی اور فرمایا:

"اے برادران ثقیف تم لوگ سب سے اخر میں اسلام میں داخل ہوئے تھے ،اس لیے سب سے پہلے اسلام سے نکلنے والے نہ بنو"[4]

آپؓ کے حیات وخدمات سے چند اصول مستنبط ہوتے ہیں:

ا۔لوگوں میں سے امام اس کو بنایا جائے جو قرآن حکیم کو زیادہ جانتا ہوں۔

---

(1) ابن حجر، ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد ، تہذیب التہذیب، مطبعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن، طبعہ اولی ۱۳۲۵ھ، ۱۲۸/۲

(2) ابن حجر، ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد ، الاصابۃ فی تمییز الصحابہ ۲۲۱/۴

(3) ابن حجر، ابوالفضل، احمد بن علی بن محمد بن احمد ، تہذیب التہذیب ۱۳۸/۷

(4) ابن عبد البر، ابو عمر، یوسف بن عبد اللہ، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ۶۹۶/۲

۲۔امام کو چاہیے کہ لوگوں کے حالت دیکھ کر نماز پڑھانے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے عثمان بن العاص کو فرمایا تھا۔

۳۔انتظامی افسروں میں باقی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ایک اچھا مقرر بھی ہونا چاہیے۔تاکہ بوقت ضرورت اپنے الفاظ اور تقریر سے لوگوں کو اپنے گرفت میں لے سکے، جیسا کہ ارتداد کے موقعہ پر عثمانؓ نے کیا تھا۔

امیر نجران: عمرو بن حزمؓ

نام وکنیت:، نام عمرو، کنیت ابو الضحاک

سلسلہ نسب:،عَمْرو بْن حزم بْن لوذان بْن عَمْرو بْن عبد بْن عوف بْن غنم بْن مَالِك بْن النجار الأنْصَارِي [1]

اسلام: ابتدائے اسلام میں اور ہجرت کے زمانہ تک کم سن تھے اس بناپر زمانہ اسلام کی صحیح تعیین نہیں ہو سکی۔

وفات۔ باختلاف روایت ۵۱ھ یا ۵۳ھ میں وفات پائی۔[2]

امارت

آپ ﷺ نے ان کو نجران [3] کا حاکم مقرر تھا،اس وقت ان کا سن عام روایت کے لحاظ سے ۱۷ سال کا تھا لیکن مولانا سعید انصاری لکھتے ہیں ''کہ غزوہ خندق ۵ھ میں واقع ہوا اس بناء پر ۱۰ھ میں ان کا سن کسی حال میں ۲۰ سال سے کم نہیں ہو سکتا''[4]

سنت وحدیث کی تعلیم دینا:

جب آپ ﷺ نے آپ کو حاکم بنا کر روانہ فرمایا اور ایک یادداشت لکھوا کر حوالہ کی جس میں فرائض ،سنن، صدقات اور بہت سے احکام تھے علامہ ابن الاثیرؒ لکھتے ہیں،

''استعمله رسول الله ﷺ نجران ليفققهم فى الدين ويعلم القران ويأخذ صدقاتهم '' [5]

ترجمہ: رسول ﷺ نے آپ کو نجران کا گورنر بنایا تا کہ لوگوں کو دین اور قرآن سیکھائے اور ان سے صدقات لیے۔

---

(1) ابن الاثیر، ابو الحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابہ، ۲۰۲/۴

(2) ابن عبد البر، ابو عمر، یوسف بن عبد اللہ، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ۱۱۷۳/۳

(3) نجران سعودی عرب کے صوبہ نجران کا شہر ہے جو کہ حدود یمن کے طرف واقع ہیں اور اس کے آبادی ستر ہزار ۷۰۰۰۰ کے لگ بھگ ہے، اور اس کے زیادہ تر باشندے قحطانی قبیلہ کے شاخ بنو یام سے تعلق رکھتے ہیں۔(مزید تفصیل کے لئے دیکھیے اطلس سیرت نبوی، دارالسلام ۱۴۲۸ھ، ص ۴۴۶)

(4) انصاری، مولنا سعید، سیر الصحابہ، دارالاشاعت کراچی ۲۰۰۴ء ۴۶۱/۳

(5) ابن الاثیر، ابو الحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابہ، ۲۰۲/۴

ان سے روایت کرنے والوں میں انکا بیٹا محمد، پوتے ابو بکر، نضر بن عبداللہ اور زیاد بن نعیم حضرمی شامل ہیں۔[1]

اتنی کم عمر میں اتنا بڑا عہدہ دینا آپؓ کی ذہانت اور قابلیت کی علامت ہے۔ اور اس بات پر بھی دال ہے کہ عہدہ دینے میں صاحبِ علم کو ترجیح دی جائے۔ چاہیے وہ عمر کے لحاظ سے کم ہو۔

حکومتی عہدہ و منصب دیتے وقت ان اصول کو تحریری شکل میں دیا جائے۔ جس کے مطابق اس نے اپنی ذمہ داری نبھانی ہے۔ تاکہ وہ اپنے حدود سے تجاوز نہ کرے۔ اور کسی امر کے بارے میں فیصلہ کرنا ہو تو اس کے سامنے خاکہ موجود ہو۔

گورنر کوفہ: سعد بن ابی وقاصؓ

نام و کنیت: نام سعد، کنیت ابو اسحاق

سلسہ نسب: سعد بن مالک بُن وہیب بُن عَبُد مناف بُن زہرۃ بُن کلاب بُن مرۃ بُن کعب بُن لؤی بُن غالب[2]

اسلام: حضرت سعد کی عمر مبارک سترہ[3] یا انیس سال تھی کہ دینِ اسلام قبول کیا۔ اسلام میں سب سے پہلے خون بہانے کا اعزاز آپ کو حاصل ہے۔[4]

امارت: خلافت فاروقی میں کوفہ پر حاکم رہے۔

وفات: حضرت معاویہؓ کے خلافت میں ۵۴ھ یا ۵۸ھ میں مقامِ عقیق[5] پر اپنے محل میں وفات پائی۔ زندگی کے ۷۴ بہاریں دیکھنے کے بعد اس فانی دنیا سے رخصت ہوئے۔[6]

---

(1) ابن الاثیر، ابوالحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابہ، ۲۰۲/۴

(2) ایضا، ۱۹۱/۲

(3) ابن سعد، ابو محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، دار الکتب العلمیہ، بیروت، الطبعۃ الاولی، ۱۴۱۰ھ ۱۹۹۰ء، ۱۰۳/۳

(4) ابن الاثیر، ابوالحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابہ، ۲۹۱/۲

(5) عقیق، مدینہ منورہ سے دو یا دس میل کے فاصلہ پر ایک مقام ہے جہاں پر کھجور اور قبائل عرب آباد ہیں۔ (دیکھیے الروض المعطار فی خبر الاقطار، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ، مؤسسۃ ناصر للثقافۃ، بیروت، ۱۹۸۰ء، ۳۱۶/۱)

(6) ابن عبدالبر، ابو عمر، یوسف بن عبداللہ، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ۲۶۰/۲

تعلیم وتعلم کا طریقہ:

ان کی تعلیم کا طریقہ باقاعدہ درس کی شکل میں نہیں ہوتا تھا بلکہ عام گفتگو کے دوران ہی اپنے حلقہ نشینوں سے غزوات اور رسول ﷺ کے اخلاق وعادات بیان کرتے تھے، اور اسی ضمن میں احادیث بھی بیان کرتے تھے، ان کے شاگرد بسر بن سعید[1] کا بیان ہے

''كنا نجالس سَعْد بن ابي وقاص وكان يتحدث حديث الناس، وكان يتساقط في ذلك الحَدِيْث عن رسول الله بذكر الجهاد و الاخلاق ''[2]

ترجمہ: ہم لوگ سعد بن ابی وقاصؓ کی مجلس میں بیٹھتے تھے، وہ عام لوگوں کی طرح باتیں کرتے تھے وعظ نہیں کرتے تھے ،البتہ درمیان میں رسول ﷺ کی حدیث بیان کرتے تھے اور جہاد واخلاق کا تذکرہ کرتے تھے۔

اولاد کو تعلیم دینا:

حضرت سعدؓ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک تھے عہد فاروقی میں فتوحات میں شاندار کارنامے سرانجام دیے۔

قاضی اطہر مبارک پوریؒ[3] لکھتے ہیں:

---

[1] آپ کا نام بسر بن سعید تھا۔ یہ حضرمین کے غلام تھے۔آپ حضرمین کے مکان میں رہتے تھے جو جدیلہ میں واقع تھا۔آپ بہت زیادہ تارک الدنیا واہل زہد میں سے تھے ثقہ وکثیر الحدیث اور متقی تھے،آپ نے عمر بن عبدالعزیز کے دور خلافت ۱۰۰ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔اس وقت آپ کی عمر ۷۸ سال تھی۔(دیکھیے،ابن سعد،ابو محمد بن سعد، طبقات ابن سعد،۲۱۵/۵)

[2] ابو بکر احمد بن ابی خیثمہ،تاریخ کبیر ،الفاروق الحدیثۃ للطباعۃ والنشر ،القاھر الطبعۃ الاولی،۱۴۲۷ھ،۲۰۰۶ء ۱۷۰/۲

[3] آپ کا نام عبد الحفیظ تھا قاضی اطہر مبارکپوری سے مشہور تھے۔ ۴رجب ۱۳۳۴ھ مطابق ۷ مئی ۱۹۱۶ء محلہ حیدرآباد قصبہ مبارکپور ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔آپ ہندوستان کے مشہور عالم اور مؤرخ تھے آپ کو" محسن ہند "کا لقب دیا گیا ہے۔آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں،آپ نے ۱۴ جولائی ۱۹۹۶ء کو وفات پائی،(مزید تفصیل کے لئے دیکھے، قاضی اطہر مبارک پوری ،اصلاح ہیلتھ کیر فاونڈیشن دہلی)

"اپنی اولاد کو خاص طور سے مغازی وجہاد کے واقعات سناتے، اور ان کی تعلیم کے ساتھ بہادری اور جرات و ہمت کی دعا سکھاتے تھے، صاحبزادے محمد بن سعد کا بیان ہے کہ ہمارے والد ہم لوگوں کو مغازی و سرایا کی تعلیم دیتے تھے اور کہتے تھے کہ اے بیٹو! یہ تمھارے اباؤ واجداد کا شرف ہے اسکو یاد رکھو اور ضایع نہ کرو"[1]

عمرو بن میمون[2] سے مروی ہے کہ حضرت سعدؓ اپنے لڑکوں کو اس طرح دعائیہ کلمات کی تعلیم دیتے تھے، جس طرح استاد لڑکوں کو لکھنے کی تعلیم دیتا ہے، اور کہتے تھے کہ رسول ﷺ نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

"اللَّهُمَّ اِنِّي اعُوذُ بِكَ مِنَ الجُبْنِ، وَاعُوذُ بِكَ انْ ارَدَّ اِلَى ارْذَلِ العُمُرِ، وَاعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا، وَاعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ القَبْرِ" (٣)

حدیث بیان کرنے میں احتیاط:

ایک مرتبہ چند لوگ آپ کی خدمت میں گئے اور کوئی بات معلوم کی، تو ان سے کہا:

"اِنِّي اخَافُ انْ احَدِّثَكُمْ وَاحِدًا، فَتَزِيدُوا عَلَيْهِ الْمِائَةَ" (٤)

ترجمہ: کہ میں ڈر رہا ہوں کہ تم لوگوں سے ایک حدیث بیان کرو، اور تم اس میں سے ایک سو حدیث کا اضافہ کردو۔

شاگرد:

حضرت سعدؓ حدیث کی روایت کرنے میں اگرچہ بہت احتیاط کیا کرتے تھے، اس کی باوجود صحابہ و تابعین کی ایک طائفہ نے ان سے حدیث نقل کی ہے۔ جیسے صحابہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت جابر بن سمرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین میں صاحبزادے ابراہیم، عامر، محمد، عائشہ، مصعب، ان کے علاوہ سائب بن یزید، علقمہ بن قیس، احنف بن قیس، عمرو بن میمون وغیرہ[5]

---

[1] مبارک پوری، قاضی اطہر، خیر القرون کے درس گاہیں، شیخ الہند اکیڈمی، دارالعلوم دیوبند طبع دوم ١٩٩٦ء ص ١٥٦

[2] آپ کا نام عمرو بن میمون تھا، کنیت ابو عبد اللہ تھا، آپ نے جاھلیۃ کا زمانہ بھی پایا تھا اور آپ ﷺ کے زمانہ میں مسلمان ہو گئے تھے۔ لیکن حضور ﷺ کی زیارت آپ کو نصیب نہیں ہوئی تھی۔ اور کوفہ کے کبار تابعین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ (دیکھیے جامع الاصول فی احادیث الرسول، مجد الدین ابو السعادات المبارک بن محمد، الطبعۃ الاولی مکتبۃ الحلوانی، بیروت ١٩٧٢ء، ٦١٨/١٢)

[3] بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب ما یتعوذ من الجبن ٥٠٢/١ حدیث، ٢٨٢٢

[4] ابن سعد، ابو محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، ١٤٤/٣

[5] ابن حجر، ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد، تہذیب التہذیب، ٤٨٣/٣

''الناس علی دین ملوکھم''[1] لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔ لوگ کے زندگی میں اکثر عادات اور اخلاق، صاحب اختیار اور بڑوں سے سیکھے ہوئے ہوتے ہیں، بڑے جیسا تکلم، رہن سہن، عادات واخلاق استعمال کرتے ہیں وہی ان کے چھوٹوں میں بھی سرایت کر جاتے ہیں۔ صاحب اختیار اور بزرگوں کو اپنا انداز تکلم رہن سہن کے علاوہ اخلاق کے معیار کو اعلی رکھنا ہی چھوٹوں کے لیے نیک شگون ہے جیسا کہ سعد بن وقاص رضی اللہ تعالی عنہ کے عمل سے بھی اس طرف نشان دہی معلوم ہوتی ہے۔

اولاد کو تعلیم وتربیت دینا یہ والدین کا فریضہ ہے۔ اس لیے والدین جتنے بھی مصروف ہو، لیکن اپنے بچوں کو وقت دینا ضروری ہے۔ بچوں کو خاص طور پر وہ دعائیں سکھائے جائے جو آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہیں.

حدیث مبارکہ کو بیان کرنے میں احتیاط سے کام لیا جائے، کہیں ایسا نہ ہو جو بات نبی ﷺ کے ساتھ منسلک کی جارہی ہو۔ وہ آپ ﷺ نے فرمائی نہ ہو۔ مبادہ کہ اس پر وہ چسپاں ہو جائیں جو آپ ﷺ نے ایسا بے احتیاطی اختیار کرنے والوں کے بارے میں فرمایا ہے۔

گورنر یمن وبصرہ: ابو موسی اشعری ؓ

نام وکنیت: نام عبد اللہ بن قیس کنیت ابو موسی ؓ

سلسلہ نسب: عبداللہ بن قیس بْن سلیم بْن حضار بْن حرب بْن عَامِر بْن عنز بْن بَكْر بْنُ عَامِر بْن عذر بْن وائل بْن ناجية بْن الجماهر بْنُ الاشعر بْن ادد بْن زَيْد بْن يشجب[2]

اسلام: یمن سے مکہ آئے اور اسلام قبول کر کے پھر واپس اپنے وطن کو چلے گئے، اور پھر وہاں سے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ مدینہ کے طرف ہجرت کی۔[3]

امارت: دور نبوی میں یمن اور خلافت فاروقی میں بصرہ اور کوفہ میں امیر رہے۔[4]

---

(1) ابو منصور، عبد الملک بن محمد، التمثیل والمحاضرۃ، محقق، عبد الفتاح محمد الحلو، الناشر، الدار العربیۃ للکتاب، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۰۱ھ، ۱۳۱/۱

(2) ابن الاثیر، ابو الحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابہ، ۳۶۳/۳

(3) ایضا

(4) ایضا

وفات: باختلاف روایت ۴۲ھ، ۴۴ھ، ۵۲ھ میں مکہ میں اس جہان فانی سے اخرت کی طرف چلے گئے۔ وفات کے وقت ۶۳ سال عمر تھی۔[1]

قرآن کی تعلیم دینا:

قرآن پاک اسلام کے تمام علوم کا سرچشمہ ہے اس کے ساتھ جناب عالی ابو موسیٰؓ کو غیر معمولی شغف و انہماک تھا، فرصت کا سارا وقت قرآن کی تلاوت اور اسکی تعلیم پر صرف ہوتا، یمن کے گورنری کے زمانہ میں معاذ بن جبلؓ اکثر ان سے ملنے آتے اور دیر تک علمی صحبت رہتی، ایک مرتبہ انہوں نے پوچھا، آپ قرآن کی کس طرح تلاوت کرتے ہیں، بولے رات دن میں جب بھی موقع مل جاتا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے پڑھ لیتا ہوں۔[2]

قرآن نہایت خوش الحانی سے پڑھتے تھے، اس قدر شریں اواز تھے کہ آپ ﷺ ان کے بارے میں فرماتے تھے کہ:

((انَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ قَيْسٍ اوْ الْاشْعَرِيَّ اعْطِيَ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ))[3]

ترجمہ: عبداللہ بن قیس یا اشعری کو آلِ داود علیہ السلام کے آوازوں میں سے ایک آواز عطا کی گئی ہے۔

ابو کنانہ قرشی[4] کا بیان ہے: کہ مغیرہ بن شعبہؓ کے بعد ابو موسیٰؓ بصرہ آئے ان کی آمد پر دو ماہ بھی نہیں گزرے۔ کہ ہم میں سے سات آدمیوں نے ان سے قرآن پڑھ کر ختم کیا۔ ان میں غنیم بن قیس کعبی[5] بھی تھے۔[6]

حدیث کا درس دینا:

قرآن کے ساتھ ان کو حدیث کے علم سے بھی وافر حصہ ملا تھا، حفظ حدیث کے اعتبار سے وہ اپنے معاصرین میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے کوفہ میں مستقل حلقہ درس تھا جس سے بڑے بڑے ارباب کمال پیدا ہوئے، جن میں

---

(1) ابن الاثیر، ابوالحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابۃ، ۳/۳۶۴

(2) بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب بعث ابی موسی و معاذ الی الیمن قبل الحجۃ، ۲/۱۰۰

(3) مسلم، مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح المسلم، کتاب فضائل القران، باب استحباب تحسین الصوت بالقران، ۱/۳۲۰ حدیث نمبر ۱۷۵۳

(4) آپ کا نام ابو کنانہ القرشی ہے۔ آپ کی حالت مجہول ہے دیکھیے: تھذیب التھذیب، ابن حجر، احمد بن علی، ۱۲/۲۱۳

(5) آپ کا نام غنیم بن قیس تھا، کنیت ابوالعنبر تھا، آپ نے نبی ﷺ کا زمانہ پایا تھا۔ لیکن آپ ﷺ کے زیارت نصیب نہیں ہوئی تھی۔ بیت المقدس کے مؤذن تھے۔ آپ نے مختلف صحابہ کرام سے روایت نقل کی ہے۔ ۹۰ھ میں آپ نے وفات پائی۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: "تھذیب التھذیب" ابن حجر، ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد، ۸/۲۵۱)

(6) ابن سعد، ابو محمد بن سعد، طبقات ابن سعد ۷/۱۲۳

سے کچھ کے نام یہ ہیں، ابوالاحوص، عوف بن مالک، ابوالاسود الدوئلی، سعید بن مسیب، وغیرہ۔ان کی تعداد مرویات ۳۶۰ تک پہنچتی ہے۔[1]

اشاعت علم:

علم کی اشاعت اوراس سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی وہ پوری کوشش کرتے تھے،ان کا اصول یہ تھا کہ جو کچھ کسی کو معلوم ہواس سے دوسروں کو فائدہ پہنچانااس کا فرض تھاایک مرتبہ خطبہ میں لوگوں سے خطاب کرکے کہا کہ "جس شخص کواللہ نے علم دیاوہ اسکو سکھائےاور یہ ہر گزنہ کہے کہ اسے علم نہیں ہے کیونکہ وہ تکلف کرنے والوں میں سے ہوگااور وہ دین سے خارج ہوگا،[2]

درس کا طریقہ:

ان کے درس کے طریقے مختلف تھے، مستقل حلقہ درس کے علاوہ کبھی کبھی وہ لوگوں کو جمع کرکے خطبہ دیتے،ایک مرتبہ خطبہ دیا:

"لوگوں! شرک سے بچنے کی کوشش کرو کہ یہ چیونٹی کی چال سے زیادہ غیر محسوس ہے"۔[3]

تعلیم میں نرمی:

حضرت ابوموسیٰؓ کے تعلیم دینے کا طریقہ نہایت نرم تھا،اگر کبھی کوئی شخص نادانی سے بھی کوئی اعتراض کرتا، تو خفا ہونے کے بجائے نہایت نرمی سے اس کو سمجھا دیتے۔

حطان بن عبداللہ الرقشیؒ[4] روایت کرتے ہیں:

"میں ایک مرتبہ ابوموسیٰؓ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا،وہ قعدہ میں تھے کہ کسی نے زور سے ایک فقرہ کہا جو مسنون دعاؤں سے نہ تھا،ابوموسی ختم کرچکے،تو پوچھا یہ کس نے کہا تھا؟لوگ خاموش رہے، پھر پوچھا فلاں

---

[1] ابوالحجاج،یوسف بن عبدالرحمن بن یوسف، تھذیب الکمال فی اسماءالرجال،مؤسسۃالرسالۃ-بیروت،الطبعۃالاولی،۱۴۰۰ھ ۱۹۸۰ء،۳۱۰/۱۰

[2] ابن سعد،ابومحمد بن سعد،طبقات ابن سعد ۲۶۰/۴

[3] ابن حنبل،احمد بن محمد بن حنبل،مسند احمد بن حنبل،۴۱/۴

[4] آپ کا نام حطان بن عبداللہ تھا۔آپ کا شمار ثقہ تابعین میں ہوتا ہے۔آپ نے مختلف صحابہ کرامؓ سے آحادیث نقل کی ہے۔آپ نے عراق میں عبدالملک کے خلافت میں وفات پائی ہے۔(دیکھیے،"الثقات "الدارمی،محمد بن حبان حاتم،طبعۃاولی،دائرۃالمعارف العثمانیۃ ،حیدرآباد۱۳۹۱ھ،۱۸۹/۴)

بات کس نے کہی تھی ؟ لوگ پھر چپ رہے تو بولے حطان شاید تم نے کہا ہو گا، انہوں نے کہا میں نے نہیں کہا مجھ کو پہلے ہی خطرہ تھا کہ آپ مجھ ہی پر ڈانٹ ڈپٹ کریں گے، اتنے میں ایک شخص نے اقرار کیا میں نے کہا اور اس سے میرا مقصد بدنیتی نہ تھی، بلکہ بھلائی تھی، ابو موسیٰؓ نے کسی قسم کی ترش روئی کے بغیر مسنون نماز کا پورا طریقہ بتادیا۔"[1]

آج کل قرآن کو صرف سمجھنے پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے جہاں اس کے بہت زیادہ فوائد ہیں۔ وہاں یہ نقصان بھی ہو رہا ہے کہ لوگوں کی توجہ قرآن کی تلاوت سے کم ہوتی جارہی ہے۔ دوسرا، یہ کہ آج کل قرات کے مقابلوں کے وجہ سے قرآن کو خوبصورت آواز میں پڑھنے کو برا سمجھنے لگے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حضرات قرآن کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ اس کو علامات قیامت میں شمار کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے خود آپ ﷺ کو اچھی آواز میں قرآن پڑھنا پسند تھا۔ قرآن پاک کو تجوید کے ساتھ تلاوت کرنے کا معمول بنانا چاہیے۔ قرآن میں جہاں تعلیم قرآن کی بات آئی ہے وہاں تلاوت کلام پاک کی بات بھی آئی ہے۔

جہاں تک ہو سکے جتنا علم آپ کے پاس ہے وہ لوگوں کو پہنچایا جائے۔ اور یہ علم کے خاصیت ہے کہ یہ پڑھانے اور سکھانے سے بڑھتی ہے۔ اور پختہ ہو جاتی ہے۔

درس وتدریس کا ایک روایتی طریقہ جو شروع سے چلا آرہا ہے کہ استاد کتاب سے پڑھا رہے ہوتے ہیں اور شاگردان کو سمجھ رہے ہیں۔ لیکن جہاں زندگی کی اور شعبوں میں جدت آئی ہے۔ وہاں پڑھانے کے انداز میں بھی جدت آئی ہے جیسے (TPI)[2] اور مائنڈ میپ۔ اس لیے جدید سے جدید طریقہ کو اختیار کیا جائے۔ تاکہ سبق کو آسان انداز اور کم وقت میں سمجھایا جاسکے۔ اور یہ ہی شان صحابہ کی بھی تھی۔ کہ آپ کا بنیادی مقصد لوگوں تک علم پہنچانا تھا۔ وہ جس طریقے سے بھی ہو۔

اور آج کے جدید دور میں لوگ کم وقت میں زیادہ سیکھنا چاہتے ہیں۔

آج کے اس دور میں تعلیم وتربیت میں سختی کا پہلو شامل ہوا ہے۔ دور حاضر میں اگر کوئی بچہ یا طالب علم غلطی کرے تو اسکو بہت سختی کے ساتھ ڈانٹا جاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ جیسے ان سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔ جس سے یہ نقصان ہوتا ہے کہ بچہ یا طالب علم شروع ہی سے جھوٹ کا عادی ہو جاتا ہے۔ اعتماد کی کمی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہ بری عادات پھر ان کے زندگی کا حصہ بن جاتی

---

[1] مسلم، مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح المسلم، کتاب الصلوۃ، باب التشہد فی الصلاہ، ۱/۲۱۱، حدیث نمبر ۹۰۴

[2] Total physical Interaction.

ہیں۔جو کہ بہت نقصان دہ بات ہے۔ تعلیم وتربیت ایک کٹھن مرحلہ ہے،اس لیے اگر کسی سے کوئی غلطی ہو جائے تو اس کو حکمت اور نرمی کے ساتھ سمجھا جائے۔ایسے طریقے سے اس کو سمجھایا جائے کہ جس سے اسکو احساس ہو جائے۔

گورنر،خولان[1]،وصنعاء[2]:یعلی بن امیہؓ

نام وکنیت: نام یعلی بن امیہ،کنیت ابو خالد،ابو صفوان

سلسلہ نسب: یعلی بن امیہ ابی عبیدۃ بن ہمام بن الحارث التمیمی الحنظلی[3]

اسلام: فتح مکہ کے موقعہ پر اپنے خاندان کے ساتھ اسلام میں داخل ہو گئے۔[4]

امارت: دور فاروقی میں صنعاء کے حاکم رہے۔[5]

وفات: ۳۸ھ میں جنگ صفین میں وفات پائی[6]

---

[1] خولان یمن کے صوبہ صنعاء کا ایک ضلع ہے جو خولان بن عمرو کے طرف منسوب ہے یہاں پر آگ کی پوجا کی جاتی تھی،دور عمر میں یہ فتح ہوا۔دیکھئے معجم البلدان،دار الصادر،بیروت الطبعۃ الثانیۃ،۱۹۹۵ء۲/۴۰۷)

[2] صنعاء یمن کا ایک خوبصورت شہر ہے۔اس کا نام اس کے بانی صنعاء بن ازال کے نام پر رکھا گیا جب اہل حبش نے اس پر قبضہ کیا تو انہوں نے دیکھا کہ یہ پتھروں سے بنایا گیا ہے تو وہ کہنے لگے ھذہ صنعۃ(یہ بڑی کاریگری ہے)اس وجہ سے اس کا نام صنعاء ہو گیا۔(دیکھیے معجم البلدان،ابو عبداللہ یاقوت الحموی،۳/۴۲۶۔)

صنعاء جمہوریہ یمن کا دار الحکومت ہے۔یہ سطح سمندر سے ۲۱۹۶ میٹر کی بلندی پر واقع ہے۔اس کی آبادی ۵ لاکھ سے زائد ہے،صنعاء صوبہ بھی ہے(دیکھیے،اطلس سیرت نبوی،الدکتور،شوقی ابو خلیل،ص۴۵۹)

[3] ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ،الاستیعاب فی معرفہ الاصحاب،۴/۱۵۸۵

[4] ایضا

[5] ایضا

[6] ابن حجر،ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد،الاصابہ فی تمییز الصحابہ،۶/۵۳۸

تاریخ کا آغاز:

ہجری تاریخ کے آغاز کے بارے میں ابو القاسم علی بن الحسنؒ[1] لکھتے ہیں:

"ان اول من ارخ الكتب يعلى بن امية وهو باليمن"[2]

ترجمہ: سب سے پہلے یعلی بن امیہ نے خطوط پر تاریخ لکھی، اس وقت یہ یمن میں تھے۔

اس لحاظ سے تاریخ اسلام میں سب سے پہلے تاریخ کے لکھنے کا سہرا، ان کے سر جاتا ہے۔

گورنر بصرہ: یزید بن ابی سفیانؓ

نام وکنیت: یزید، کنیت ابو خالد، لقب خیر۔

سلسلہ نسب: يزِيد بْن ابى سُفْيَان بْن حرب بْن اميه بن عبد شمس بن عبد مناف..[3]

اسلام: فتح مکہ میں اپنے خاندان کے ساتھ مشرف باسلام ہوئے۔[4]

عمر: جب حضرت ابو بکرؓ جہاد کے لیے رخصت کر رہے تھے تو اس وقت حضرت ابو بکرؓ نے الفاظ میں حوصلہ افزائی کی تھی۔

"يا يزِيدُ: انَّكَ شَابٌّ تُذْكَرُ بِخَيرٍ قَدْ رُئِى مِنْكَ"[5]

ترجمہ: اے یزید! بے شک آپ ایسے جوان ہیں۔ جسکا ایسی خیر کے ساتھ تذکرہ کیا جاتا ہے جو آپ سے محسوس بھی کیا جاتا ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت یہ جوان تھے۔

وفات: ۱۸ھ میں طاعون کے وباء میں ارضِ شام میں انتقال کر گئے۔[6]

---

[1] آپ کا نام حافظ ابو القاسم علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ، ابن عساکر لقب سے مشہور تھے، ۴۹۱ھ کو دمشق میں پیدائش ہوئی۔ آپ کا شمار شافعی فقہاء اور محدثین میں ہوتا ہے، کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ۱۱ رجب ۵۷۱ھ کو دمشق میں وفات پائی۔ (مزید تفصیل دیکھیے: تذکرۃ الحفاظ، شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان، الطبعۃ اولی، ۱۴۱۹ھ، ۱۹۹۸ء، ۸۲/۴)

[2] ابن عساکر، ابو القاسم علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ، تاریخ دمشق، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، ۱۴۱۵ھ، ۱۹۹۵ء، ۴۰/۱

[3] ابن الاثیر، ابو الحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابہ، ۱۵/۴ ۷

[4] ایضا

[5] الکاندھلوی، محمد یوسف بن محمد الیاس، حیاۃ الصحابہ، مؤسسۃ الرسالۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولی، ۱۴۰۲ھ، ۳۶۲/۲

[6] ابن حجر، ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۵۱۷/۶

معلمین کی طلب:

حضرت عمر بن خطّابؓ کے زمانے میں حضرت یزید بن ابی سفیانؓ نے انھیں خط لکھا کہ شام والے بہت زیادہ مسلمان ہو گئے ہیں، اور سارے شہران سے بھر گئے ہیں، اور انھیں ایسے آدمیوں کی شدید ضرورت ہے جو انھیں قرآن سکھائیں اور ان میں دین کی سمجھ پیدا کریں۔ اے امیر المؤمنین! سکھانے والے آدمی بھیج کر آپ میری مدد کریں۔ پھر حضرت عمرؓ نے ان پانچوں حضرات کو بلایا اور ان سے فرمایا: تمہارے شامی بھائیوں نے مجھ سے مدد مانگی ہے کہ میں ان کے پاس ایسے آدمی بھیجوں جو انھیں قرآن سکھائیں اور ان میں دین کی سمجھ پیدا کریں۔ اللہ آپ لوگوں پر رحم فرمائے! آپ لوگ اپنے میں سے تین آدمی اس کام کے لیے دے کر میری مدد کریں۔ اب اگر آپ لوگ چاہیں تو قرعہ اندازی کرلیں یا پھر جو اپنا نام از خود پیش کردے وہ چلا جائے۔ ان حضرات نے کہا: نہیں، قرعہ اندازی کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ حضرت ابو ایوبؓ تو بہت بوڑھے ہیں اور یہ حضرت ابی بن کعبؓ بیمار ہیں، چنانچہ حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبادہؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ ملکِ شام گئے۔ ان سے حضرت عمرؓ نے فرمایا: حِمص [1] شہر سے شروع کرو، کیونکہ تم لوگوں کو مختلف استعداد والا پاؤ گے۔ بعض ایسے بھی ہوں گے جو جلدی سیکھ جائیں گے۔ جب تمھیں کوئی ایسا آدمی نظر آئے تو دوسرے لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کردو (کہ وہ اس سے علم حاصل کریں)۔ جب تم حمص والوں کے بارے میں مطمئن ہو جاؤ تو پھر تم میں سے ایک وہاں ٹھہر جائے، اور ایک دِمشق چلا جائے اور ایک فلسطین۔ چنانچہ یہ حضرات حمص تشریف لے گئے اور وہاں ٹھہر کر انھیں سکھاتے رہے۔ جب ان کے بارے میں اطمینان ہو گیا تو حضرت عُبادہؓ وہاں ٹھہر گئے اور حضرت ابوالدرداءؓ دِمشق اور حضرت معاذ بن جبلؓ فلسطین چلے گئے۔ حضرت معاذؓ کا تو طاعونِ عمواس میں انتقال ہو گیا، بعد میں حضرت عبادہؓ فلسطین چلے گئے ان کا بھی وہاں ہی انتقال ہوا۔ البتہ حضرت ابوالدرداءؓ دِمشق ہی رہے اور ان کا وہاں ہی انتقال ہوا۔ [2]

---

[1] حمص: ملک شام کا ایک قدیم اور تاریخی شہر، دمشق سے ۳۰۰ کلومیٹر شمال کی جانب دریائے عاصی کے مشرقی کنارے پر واقع ہے۔ حمص کو حمص بن مہر عملیکی نے آباد کیا تھا اور اسی کے نام سے منسوب ہے۔ بہت بڑا تجارتی مرکز ہے۔ یہاں ریشمی اور سوتی کپڑے کے کارخانے ہیں۔ قدیم زمانے میں حمص سورج دیوتا کے مندر کی وجہ سے مشہور تھا۔ یہ شہر خلافت فاروقی ۱۴ھ ۶۳۵ء میں خالد بن ولید اور عبیدہ بن الجراح کے ہاتھوں سے فتح ہوا۔ (دیکھیے معجم البلدان شھاب الدین ابو عبداللہ، ۳۰۲/۲)

[2] الکاندھلوی، محمد یوسف بن محمد الیاس، حیاۃ الصحابہ، ۳۲/۲

حضرت یزید بن ابی سفیانؓ جب گورنر بنے اس کے بعد بہت کم وقت کے لیے وہ زندہ رہے۔ لیکن اس دوران بھی انہوں نے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا اور ہمیں ایک بہت بڑا سبق دے کر چلے گئے۔

لوگوں کو تعلیم دینا یہ حکومت وقت کا کام ہے اور خاص طور پر دینی تعلیم دینا بھی حکومت وقت کے ذمہ داری ہے۔ اور لوگوں میں دینی رجحان پیدا کرنا بھی حکومت کا کام ہے اور اس لیے حکومت کو چاہیے کہ وہ ایسے مواقع بھی فراہم کریں۔ کلاسوں کے درجہ بندی ذہنوں اور استعداد کے مطابق کی جائے۔ اس لیے کہ ذہنوں اور استعداد میں فرق ہوتا ہے اور اس چیز کی طرف اشارہ اس دور میں حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا۔

آج کل تعلیم کے حوالے سے انتظامی خرابی یہ بھی ہے کہ ایک ہی ضلع یا تحصیل پر تعلیمی حوالے سے ساری توجہ اس طرف دی جاتی ہے جس کے وجہ سے باقی اضلاع اور تحصلیں پسماندہ رہ جاتے ہیں۔ اس لیے حکومت وقت کو چاہیے کہ اگر ضلع اور تحصیل کی تعلیمی ضروریات پوری ہو جائے، اس کے بعد دوسرے اضلاع اور تحصیلوں کی طرف توجہ کی جائے۔ اس سے یہ ہوگا کہ جو دور دراز کے لوگ ہے جن کے پاس وسائل کم ہیں وہ بھی تعلیم کے زیور سے منور ہو جائینگے۔

فصل دوم:

جوان گورنر صحابہ کرام کی بلدیاتی (Municipality) خدمات

انسان مدنیت کے بغیر ایک دن بھی نہیں گزار سکتا، اس لیے اس کے تمام کام اور ضرورتیں معاشرے کے دیگر افراد کے ساتھ وابستہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ بلدیاتی کاموں کی ہر زمانے میں اور ہر طبقہ میں اہمیت تسلیم کی گئی ہے، گو آپ ﷺ کی بعثت کا اصل مقصد توحید کی دعوت اور اعلاء کلمۃ اللہ تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے بہترین بلدیاتی نظام اور خدمت خلق کا عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے اور اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے

((قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَغْرِسُ غَرْسًا اوْ یَزْرَعُ زَرْعًا فَیَاکُلُ مِنْہُ طَیْرٌ اوْ انْسَانٌ اوْ بَھِیمَۃٌ الَّا کَانَ لَہُ بِہِ صَدَقَۃٌ))[1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کوئی بھی مسلمان جو ایک درخت کا پودا لگائے یا کھیتی میں بیج بوئے، پھر اس میں سے پنچھی، انسان یا جانور جو بھی کھاتے ہیں وہ اس کی طرف سے صدقہ ہے۔

لیکن عام طور پر یہ تصور پایا جاتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے صرف اعلاء کلمۃ اللہ کا کام کیا ہے، فلاحی اور بلدیاتی کام نہیں کیے۔ حالانکہ اس دور میں جہاں پر جدید آلات نہیں تھے پھر بھی اس میدان میں وہ کارنامے سرانجام دیے ہیں۔ کہ آج بھی دنیا اس پر حیران ہے۔ اس لیے اس فصل میں جوان گورنر صحابہ کرام کی بلدیاتی خدمات کا تذکرہ کیا جائے گا جس سے آج متمدن اور مہذب دنیا مستفید ہو رہی ہے۔ اور آنے والے تمام انسانوں کے لیے بھی مشعل راہ رہے گا۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی بلدیاتی (Municipality) خدمات

سعد بن وقاصؓ کی زندگی کا اگر گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو آپؓ کی شخصیت صرف ایک جرنیل، مذہبی رہنما اور معلم اخلاق ہی کی نظر نہیں آتی، بلکہ ایک مفکر، منتظم اور منصوبہ سازی کی بھی نظر آتی ہے

مدائن کو مرکز بنانا: شہر انسانی تہذیب و تمدن کی جز بندی، ہیئت سازی اور ارتقاء میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ہر شہر کسی بھی ملک اور قوم کی پہچان اور تشخص کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ جدید اور قدیم دونوں ادوار میں کسی شہر کی اہمیت کی تحدید اور اس کا تعین کئی پہلوں سے کیا جاتا ہے۔

---

[1] بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الوکالہ، باب فضل الذرع والغرس اذا اکل منہ، ۱/۴۰۹، حدیث نمبر ۲۳۲۰

جب حضرت سعد رضی اللہ نے عراق کو فتح کر لیا تو اس کے بعد مدائن [1] کو اسکا دار الخلافہ بنادیا، اور عراق کے نظم و نسق میں مصروف ہو گئے۔ اور اس دوران حضرت عمرؓ کی ایماء پر مکمل عراق کی مردم شماری اور پیمائش کرائی۔ اور یہ کام حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور عثمان بن حنیفؓ کے ذریعے کرایا گیا۔ [2]

صاحب بلاذریؒ [3] لکھتے ہیں:

اراضی مفتوحہ کو ملک کے باشندوں کے ملکیت میں رہنے دیا۔ البتہ جس زمین کا کوئی وارث نہ تھا، اس کا نئے سرے سے بندوبست کیا، لگان اور جزیہ کے اصول بنائے۔ [4]

کسی بھی ملک اور شہر کے باشندوں کو بے دخل کرنے کے بجائے ان سے اس شہر کو آباد کرنا، اور زمین کو آباد کرنے سے ایک تو اس سے لوگوں کو روزگار کے مواقع مل جاتے ہیں دوسرا یہ کہ اس سے تعمیر و ترقی میں اہم کردار ادا ہوتا ہے۔

تعمیرِ کوفہ:

مدائن کی آب و ہوا حضرت سعدؓ اور ان کے ساتھیوں کو راس نہیں آئی. حضرت سعدؓ نے یہ محسوس کیا تو حضرت عمرؓ کو اس سے مطلع کیا حضرت عمرؓ کے طرف سے حکم آیا کہ عرب کی سرحد میں کوئی مناسب سرزمین تلاش کر کے ایک نیا شہر بسائیں، حضرت سعدؓ نے اس حکم کے مطابق کوفہ کے نام سے ایک وسیع شہر کی بنیاد ڈالی، اور اس کو اس طرز پہ تعمیر کیا کہ ایک تیر انداز کو کہا کہ چاروں طرف تیر پھینکو، وہاں سے آگے ہر قبیلے کو الگ الگ محلوں میں آباد کیا۔ [5]

---

[1] مدائن کا یونانی نام ٹیسی فون ((Ctesiphon) یہ بغداد سے تھوڑے فاصلہ پر جنوبی سمت میں دریا دجلہ کے قریب واقع تھا، چونکہ یہاں یکے بعد دیگرے کئی شہر آباد ہوئے تھے۔ اس لئے عربوں نے مدائن (مدینہ کی جمع بمعنی شہر) کہنا شروع کر دیا۔ ان دنوں مدائن کے مقام پر سلمان پاک نامی شہر آباد ہے، مزید تفصیل دیکھئے اٹلس فتوحات اسلامیہ، احمد عادل کمال، مکتبہ دار السلام لاہور، ۱۴۲۸ھ، ص ۸۱)

[2] البلاذری، احمد بن یحیی، فتوح البلدان واحکامہا، دار و مکتبۃ الھلال بیروت، ۱۹۸۸ء، ص ۳۱۴

[3] آپ کا نام احمد بن یحیی بلاذری تھا. بغداد میں پیدا ہوئے اور وہیں پر تعلیم حاصل کی۔ تیسری صدی کے مشہور مؤرخ، ادیب، شاعر اور جغرافیہ دان تھے اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں، ۲۸۷ھ میں وفات پائی ہیں۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھیے: معجم الادباء، شھاب الدین ابو عبداللہ یاقوت، دار الغرب الاسلامی، بیروت، الطبعۃ الاولی، ۱۴۱۴ھ ۱۹۹۳ء ۵۳۱/۲)

[4] ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ، الاستیعاب فی معرفہ الاصحاب، ۶۰۸/۲

[5] البلاذری، احمد بن یحیی، فتوح البلدان واحکامھا، ص ۳۱۵

یاقوت بن عبداللہ الرومیؒ لکھتے ہیں:

شہر کے درمیان ایک عظیم الشان جامع مسجد بنوائی، جس میں تقریبا (۴۰۰۰۰) چالیس ہزار نمازیوں کے گنجائش رکھی گئی[1]۔ مسجد کی قریب بیت المال کی عمارت بنوائی۔ اور اس کے ساتھ اپنا محل تعمیر کیا، جسکو مولانا شبلیؒ نے ایوان حکومت سے موسوم کیا ہے[2]

اور اس کے ساتھ ایک مہمان خانہ بھی تیار کیا گیا جس میں باہر کے آئے ہوئے مہمان قیام کرتے تھے اور ان کو بیت المال سے کھانا ملتا تھا۔[3]

محلوں کی مساجد:

ہر قبیلہ کے لیے الگ الگ مساجد تعمیر ہوئیں جو قبیلے آباد کئے گئے ان میں یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے[4] اور قبائل جو آباد کئے گئے ان کے نام حسب ذیل ہیں: سلیم، ثقیف، ہمدان، تیم اللات، تغلب، بنو اسد، نخع وکندہ از دمرنیہ، تمیم ومحارب اسد وعامر، بجالہ، جدیلہ، اخلاط، جہینہ، مذحج، ہوازن وغیرہ وغیرہ[5]

پختہ مکانات کی تعمیر:

عمارتیں اول گھاس کی بنی ہوئی تھی۔ ۱۷ھ میں اگ لگ گئی اور بہت سے مکانات جل گئے، سعد بن وقاصؓ نے حضرت عمرؓ سے اجازت طلب کی کہ پختہ عمارتیں بنائیں جائیں، حضرت عمرؓ نے منظور کیا، لیکن تاکید کی کہ کوئی شخص ایک مکان تین کمروں سے زیادہ نہ بنائیں۔[6]

---

[1] الرومی،، ابوعبداللہ شھاب الدین یاقوت بن عبداللہ، معجم البلدان دار صادر، بیروت، ۱۹۹۵، ۴۹۱/۴

[2] شبلی نعمانی، الفاروق، المیزان لاہور، ۲۰۰۱ء

[3] بلاذری، احمد بن یحیی، فتوح البلدان واحکامھا، ص ۳۱۵

[4] الرومی، شھاب الدین، ابوعبداللہ یاقوت بن عبداللہ، معجم البلدان، ۱۹۹۵، ۴۹۲/۴

[5] الطبری، ابوجعفر، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، دارالاشاعت کراچی ۲۰۰۳ء، ۶۷/۳

[6] ایضا، ۶۶/۳

سڑکوں اور گلیوں کی تعمیر:

حضرت عمر رضی اللہ کی تحریر کے مطابق ۴۰،۴۰ ہاتھ شارع عام اور اس کے علاوہ سڑکوں کو ۳۰،۳۰ ہاتھ، ۲۰،۲۰ ہاتھ چوڑی، اور گلیاں ۷،۷ ہاتھ چوڑی رکھی گئی۔[1]

نہر سعد:

پانی انسانی زندگی میں کس قدر اہم ہے اسکا اندازہ اس آیت سے لگایا جاسکتا ہے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾[2] ترجمہ: اور ہر زندہ چیز کو ہم نے پانی سے پیدا کیا۔

اس علاقے میں پانی کی قلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ نہر سعد کے لیے پہلے انبار والوں نے شہنشاہ فارس سے درخواست کی تھی۔ جب اسلام کا زمانہ آیا تو انہوں نے سعدؓ سے خواہش ظاہر کی سعدؓ نے سعد بن عمرؓ کو مامور کیا انہوں نے بڑے اہتمام سے کام کرایا، لیکن کچھ دور تک پہنچ کر پہاڑ اس میں حائل آگیا اور وہی چھوڑ دی گئی پھر حجاج نے اپنے زمانے میں پہاڑ کاٹ کر بقیہ کام پورا کیا تاہم نہر سعد کے نام سے مشہور ہوئی۔[3]

متفرق انتظامات:

کوفہ دراصل ایک فوجی چھاؤنی تھی، جہاں تقریبا ایک لاکھ نبرد ازما سپاہی بسائے گئے تھے، انکو ان کے درجہ (رینک) کے مطابق تنخواہیں دی جاتی تھیں، تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا دس دس سپاہیوں پر ایک افسر ہوتا تھا جو امراء الاعشاء کہلاتے تھے، تنخواہیں ان کو دی جاتی تھی اور وہ اپنے ماتحت سپاہیوں میں تقسیم کرتے تھے، ایک دفعہ امرائے اعشار نے تنخواہوں کی تقسیم میں بے اعتدالی کی، اور اس سے فوج میں برہمی کے آثار نمایاں ہوئے، حضرت سعدؓ نے فورا دربار خلافت کو اس واقعہ سے مطلع کیا اور فرمان خلافت کے مطابق دوبارہ نہایت صحت و تحقیق کے ساتھ لوگوں کے عہدے اور روزینے مقرر کیے اور اس دفعہ دس کے بجائے سات سپاہیوں پر ایک ایک افسر مقرر کیا۔[4]

اگرچہ وہ زمانہ اتنا ترقی یافتہ نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی وہ کارنامے سرانجام دئے جس سے ان کے وسعت نظر اور انتظامی معاملات میں گہرائی نظر آتی ہے۔

---

[1] ایضا

[2] سورہ الانبیاء، ۳۰/۱۷

[3] بلاذری، احمد بن یحیی، البلدان فتوحھا واحکامھا، ص ۳۱۸

[4] انصاری، مولانا سعید، سیر الصحابہ، ۱۱۸/۲

مردم شماری کرانااور زمین کے پیمائش کرانااس زمانے میں اس لیے کرایا جاتا تھا تاکہ لوگوں کے درمیان زکاۃ اور مال غنیمت برابری کے ساتھ تقسیم کیا جائے۔اور کوئی رہ نہ جائے۔لیکن آج کے زمانے میں اس کے اور بہت زیادہ فوائد ہوتے ہیں ماہرین کا کہنا ہے کہ ملک اور قوم کے ترقی کا انحصار مردم شماری پر ہوتا ہے اس کے ذریعے سے معاشی ،تعلیمی،سماجی منصوبہ بندی میں مدد ملتی ہے۔ہر پانچ سال بعد مردم شماری کو لازم کیا جائے تاکہ جو بھی نئی حکومت آجائے اس کے سامنے صحیح تعداد آجائے اور وہ اس کے مطابق اپنی پالیسیاں بنائے۔اور زمین کے بارے میں پیمائش اس طور پر کی جائے۔کہ اس میں ملکیت اور غیر ملکیت والی زرعی زمین اور غیر زرعی زمین علیحدہ ہو جائے۔اور زرعی زمین پر آبادی کو ممنوع قرار دیا جائے زمین کی پیمائش سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ ریاست اور ملک کا کل رقبہ کتنا ہے اور پھر اس میں قابل کاشت زمین کتنی ہے اور بنجر کتنی۔لوگوں کے ملکیت میں کتنی زمین ہے اور لاوارث زمین کتنی ہے تا کہ اس کو کسی کے ملکیت میں قابل استعمال بنایا جائے۔

جو لوگ جہاں پر رہتے ہیں ان کی طبیعت بھی اس علاقے کی ہوا،اور ماحول کے مطابق ہوتی ہیں۔اس لیے اگر کہیں پر وہ ہجرت کر کے چلے جائیں تو ان کی طبیعت کے مطابق ہوا نہ ہو تو وہ بیمار پڑ جاتے ہیں۔اس لیے نئے شہر کو ایسی جگہ پر بسایا جائے جہاں پر لوگوں کی طبیعت کے مطابق آب وہوا ہو۔جیسا کہ حضرت سعدؓ نے کوفہ شہر کو آباد کیا تھا۔

آبادی دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔اور لوگوں کا رجحان شہروں کی طرف زیادہ ہے جس کہ وجہ سے شہری آبادی گنجلک ہوتی جارہی ہے۔شہروں کی ایک خاص حد مقرر کیا جائے ۔جب بھی اس سے آبادی بڑھنے لگے۔نیا شہر بسانے کی کوشش کی جائے۔

کوفہ شہر کے خوبصورت منصوبہ بندی اور نقشہ سے ایک بہترین بلدیاتی نظام کا تصور ذہن میں آتا ہے۔جہاں پورا شہر مرکز اور ایوان حکومت/صدارت سے پیوستہ نظر آتا ہے لوگ آسانی سے بیت المال تک رسائی رکھتے ہوں گے۔مسجد جو مسلمانوں کی سماجی اور تعلیمی مرکز ہوتا ہے یہ لوگ باآسانی وہاں جمع ہوں گے۔اور تعلیمی و دیگر سرگرمیوں میں شریک رہے ہوں گے۔

نئے شہر کو بسانے کے لیے کچھ اصول بھی شہر کوفہ سے ملتے ہیں:

⟸ شہر کے درمیان کو شہر کا مرکز بنایا جائے اور وہاں پر سارے حکومتی دفاتر اور ایک جامع مسجد ہونی چاہیے تاکہ سب لوگوں سے ایک جیسے فاصلہ پر ہو۔اور لوگوں کو کام کرنے میں آسانی ہو۔

⟸ شہر کو محلوں میں تقسیم کیا جائے۔اور ہر محلہ کے لیے مسجد اور ایک چھوٹی سی مارکیٹ قائم کی جائے تاکہ گھر کی ضروریات وہاں سے پوری ہو سکے۔

⟸ گھروں کے لیے ایک خاص حد مقرر کی جائے کہ اس سے بڑا گھر بنانے کے اجازت نہ ہو.تاکہ کم سے کم قابل کاشت زمین گھر کے احاطہ میں آئے۔گھر کی تعمیر اس طور پر ہو کہ اس میں ضروریات ساری ہو،آسائشات نہ ہو۔

⟸ مین روڈ،سائیڈ روڈ اور گلی محلوں کے روڈ کی ایک خاص حد مقرر کی جائے،کہ اس سے کم نہ ہو خاص طور محلے کے روڈ کے لیے اتنی حد ضرور مقرر کیا جائے جس میں ایک گاڑی آسانی کے ساتھ گزر سکے۔

⟸ بارڈر پر فوج تعینات ہو اور ان کا کام سرحدوں کے ی حفاظت کرنا ہو۔ان کے معاش کے لیے باقاعدہ تنخواہ دی جاتی ہو۔اور ساتھ ساتھ علاج اور بچوں کا تعلیم و تربیت بھی حکومت کے طرف سے ہو،تاکہ وہ آزادانہ اپنی خدمات سرانجام دے سکیں۔

ابو موسی اشعریؓ کی بلدیاتی(Municipality)خدمات

حضرت ابو موسی اشعریؓ عظیم صفات سے لبریز تھے،آپ جب جنگ پر مجبور کر دیے جاتے تو جرات مند جنگجو اور چٹان صفت بہادر ثابت ہوتے۔اور دوسری طرف آپ ایسے ذہین و فطین اور محتاط فقیہ تھے کہ الجھے ہوئے معاملات کو سلجھانے میں آپؓ کا فہم و فراست بلندیوں کو چھوتا دکھائی دیتا۔

حضرت حسن بصریؒ آپؓ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"مَا قَدِمَهَا رَاكِبٌ خَيْرٌ لأَهْلِهَا مِنْ أَبِي مُوْسَى"[1]

ترجمہ:اہل بصرہ کے لیے اس سے بہتر کوئی آنے والا نہیں آیا۔

پختہ عمارات کی تعمیر:

بصرہ میں کوفہ کی طرح ایک جدید شہر بسایا گیا جب ابو موسی اشعریؓ اس کا گورنر بن گئے تو انہوں نے مسجد ،اور دارالامارہ کی پختہ عمارتیں بنوائیں،اور مسجد کے احاطہ میں اضافہ بھی کیا۔[2]

---

(1) سیر اعلام النبلاء،شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد،۴۵/۴

(2) بلاذری،احمد بن یحیی،البلدان فتوحھا واحکامھا،ص ۳۹۲

بصرہ میں نئے اضلاع کی شمولیت:

بصرہ کی کثرت آبادی کے لحاظ سے اس صوبے کا رقبہ نہایت مختصر تھا، اس بنا پر اہل بصرہ نے حضرت ابو موسی اشعریؓ کی وساطت سے دربار خلافت میں یہ درخواست پیش کی کہ خوزستان کے مفتوحہ علاقے سے رامہرمز، ابذاج اور ماہ یاماسپندان کے اضلاع بصرہ سے ملحق کر دیئے جائیں۔ حضرت عبد اللہ بن قیسؓ کی درخواست پر یہ اضلاع بصرہ سے ملحق کر دیئے گئے۔[(1)]

تعمیر نہر ابی موسی:

بصرہ میں لوگوں کو پانی کی قلت تھی جب حضرت عمرؓ کے پاس یہ شکایت پہنچی، تو حکم آیا دریائے دجلہ سے نہر کاٹ کر لائی جائے، وہ شہر سے تقریبا دس میل دور تھی۔ لیکن اس کی ایک شاخ صرف چھ میل پر واقع تھی، حضرت ابو موسیؓ نے خود مستعد ہو کر اس شاخ سے شہر بصرہ تک ایک نہر بنوائی، جو نہر ابی موسی کے نام سے مشہور ہے۔[(2)]

گلیوں کی صفائی:

جب حضرت عمر بن خطابؓ نے آپ کو بصرہ کا حاکم بنا کر بھیجا تو آپ نے مکین بصرہ کو جمع کیا اور خطاب کرتے ہوئے کہا "امیر المومنین عمرؓ نے مجھے تمھاری طرف بھیجا ہے کہ میں تمہیں تمہارے رب کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت سکھاؤں اور تمہارے لیے راستوں کو صاف ستھرا کروں"[(3)] لوگوں نے جب یہ بات سنی تو تعجب اور حیرانی میں ڈوب گئے کہ راستوں کی صفائی ستھرائی اہل بصرہ کے لیے ایک نئی اور عجیب و غریب شے تھی۔

آج کل دنیا میں بلدیاتی محکمہ کے کئی کام ہوتے ہیں۔ ان میں ایک صفائی ستھرائی اور انتظام و انصرام شامل ہوتا ہے۔ لیکن آپ ﷺ کے شاگرد صحابہ کرامؓ کے ذہن ۱۴۴۱ھ سے پہلے جس قدر جدید ترین دنیا کے لوگ تھے۔ ان کے کارناموں سے واضح ہوتا ہے۔

آج کل ملک پاکستان میں اس حوالے سے بھی اعتراضات ہوتے ہیں۔ کہ رقبہ اور آبادی کے اعتبار سے تقسیم صحیح نہیں ہے۔ اس لیے صوبوں اور اضلاع کی تقسیم آبادی اور رقبہ کی اعتبار سے کرنا چاہیے اور جہاں پر آبادی زیادہ ہو، وہاں اگر

---

(1) الطبری، ابو جعفر، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک،، ۹۴/۳

(2) بلاذری، احمد بن یحیی، البلدان فتوحھا واحکامھا، ص ۴۰۱

(3) ارشاد الرحمن، نقوش صحابہ، دار التذکیر غزنی سٹریٹ لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۵۶۸

رقبہ کم ہو تو مضافات کو اس ضلع کا حصہ قرار دیا جائے، تاکہ وہاں کے باشندوں کے ی ضروریات پوری ہو جائیں۔ جیسا کہ حضرت ابو موسی اشعریؓ نے کیا تھا۔

پانی ربُّ العلمین کی ایک بہت بڑی عطیہ ہے جوں جوں زمانہ ترقی کرتا جارہا ہے توں توں پانی کا مسئلہ شدید تر ہوتا جارہا ہے پانی پوری دنیا کے لیے ایک مسئلہ بنا ہوا ہے اور یہاں تک کہاں جارہاں ہے کہ آئندہ جنگیں پانی پر ہو گی۔اس لیے پانی کے استعمال میں احتیاط ہونی چاہیے۔اور لوگوں کو اس مسئلہ سے باخبر کرنا چاہیے تاکہ فرد سے لیکر ادارے اور ریاست اپنی ذمہ داری کا کردار ادا کرے۔اور ہنگامی طور پر سکول کالجز،اور یونیورسٹیز میں پانی کے مسئلہ پر سیمنارز اور ورکشاپس منعقد کیا جائے۔اور سکول کے نصاب کا حصہ ہونا چاہیے

ٹیوب ویلوں کی وجہ سے پانی کی سطح نیچے جارہی ہے۔اور آج کل سولر ٹیوب ویل کی وجہ سے دن بھر پانی بہتا رہتا ہے جس کے وجہ سے بہت زیادہ پانی ضائع ہوتا ہے اس لیے اس کے قریب بڑی بڑی ٹینکیاں بنائی جائیں وہاں پر پانی سٹور کیا جائے۔اور ان کے استعمال کے لیے اوقات مقرر کی جائیں۔

دوسری یہ کہ حکومت کو چاہیے کہ چھوٹے چھوٹے ڈیم بنادے تاکہ پانی کی سطح اوپر آجائے۔اور ان سے لوگوں کے لیے صاف پانی کا انتظام کیا جائے۔اور ہر گھر تک صاف پانی کا پائپ پہنچایا جائے۔

بڑے بڑے ڈیم تعمیر کرنا چاہیے تاکہ اس سے بجلی اور کھیتوں کی سیر ابی کا انتظام نہروں کے ذریعے کیا جائے.اور لوگوں کے لیے پینے کے پانی کا انتظام بھی کیا جائے۔اور ساتھ ساتھ صفائی کا بہترین نظام بھی حفظان صحت کے لیے ضروری ہے۔حدیث مبارکہ میں ہے:

((الطُّهُورُ شَطْرُ الْايمَانِ)) [1]

ترجمہ: صفائی نصف ایمان ہے.

جو معاشرہ جتنا ترقی یافتہ ہوتا ہے ان میں صفائی اتنی زیادہ ہوتی ہے۔لیکن افسوس کے ساتھ ہمارے ہاں صفائی کو کماحقہ اہمیت نہیں دی جاتی جس کے وجہ سے آج کل ہمارے گلیاں سڑک اور خاص طور پر بازار گندگی کا ڈھیر لگتا ہے اور متعدد قسم کے مرضوں کا سبب بنتے ہیں۔اور دن بدن بڑھتی جارہی ہیں اس لیے اس کی روک تھام کے لیے بھرپور اقدامات ہونے چاہیے۔اور خاص طور پر عہدہ دار لوگوں کو صفائی کی مہم کے لیے خود آگے آنا چاہیے اور ہر روز اپنے دفتر،افس وغیر کی صفائی کرنی چاہیے تاکہ عوام میں صفائی کا شعور پیدا ہو جائے۔

---

[1] امام مسلم، مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح المسلم، کتاب الطھارہ، باب فضل الوضوء، ۲۰۳/۱، حدیث نمبر ۲۲۳

شاپر اور پلاسٹک پر پابندی ہونی چاہیے۔

صفائی کے اہمیت پر سکولز، کالجز، مساجد مارکیٹوں اور بازاروں میں ورکشاپس، سیمنار اور تقاریر ہونی چاہیئں۔

دکان، سکولز، مدارس، کالجز اور گھر کے ہر کمرے کے لیے ایک کوڑادان لازمی کرنا چاہیے۔اور اس طرح ہر سکول ،کالج، مارکیٹ اور گھر کے لیے ایک یا دو بڑے کوڑادان ہونے چاہیئں۔

روزانہ کے بنیاد پر ۱۵ سے ۳۰ منٹ تک ہر جگہ صفائی ہونی چاہیے۔اور اس پیدا ہونے والے کوڑا کرکٹ کو بڑے کوڑادانوں میں ڈالنا چاہیے۔

روزانہ کے بنیاد پر وہ کوڑے دان خالی ہونے چاہیئں۔چیک اینڈ بیلنس کا انتظام بھی ہونا چاہیے۔اس کو یومیہ میونسپل اتھارٹی کے طرف سے چیک ہونا چاہیے۔جو اس پر عمل نہیں کرتا اس پر بھاری جرمانہ ہونا چاہیے۔

گورنر بصرہ و کوفہ: مغیرۃ بن شعبہؓ کی بلدیاتی (Municipality) خدمات

نام و نسب: نام مغیرہ کنیت ابو عبداللہ نسب نامہ: مغیرہ بن شعبہ بن ابی عامر بن مسعود بن معتب بن مالک بن کعب بن عمرو بن سعد بن عوف بن قیس الثقفی،[1]

اسلام: 5ھ غزوہ خندق کے سال مشرف باسلام ہوئے، اور اسی زمانہ میں ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔[2]

امارت: خلافت فاروقی میں بصرہ اور کوفہ کے امیر رہے۔[3]

وفات: ۵۰ھ میں کوفہ میں طاعون کی وباء پھیلی، اسی میں انتقال کر گئے وفات کے وقت ۷۰ سال کی عمر تھی[4]

دفتر کی ایجاد:

بصرہ آباد ہونے کے بعد حضرت عمر بن خطابؓ نے آپؓ کو یہاں کا گورنر متعین کیا، انہوں نے اپنے عہد حکومت میں باقاعدہ ایک دفتر کھولا، جہاں سے سپاہیوں کی تنخواہیں اور وظیفہ لینے والے اور اور وثیقہ پانے والوں کے وظیفے ملتے تھے، اس سے پہلے کوئی دفتر نہ تھا اس کی ایجاد کا سہرا حضرت مغیرہؓ کے سر ہے۔[5]

---

[1] ابن الاثیر، ابوالحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابہ ۲۳۸/۵

[2] ابن عبدالبر، ابو عمر، یوسف بن عبداللہ، الاستیعاب فی معرفہ الاصحاب، ۱۴۴۵/۴

[3] ابن حجر، ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۱۵۸/۶

[4] ابن عبدالبر، ابو عمر، یوسف بن عبداللہ، الاستیعاب فی معرفہ الاصحاب، ۱۴۵/۴

[5] ابن الاثیر، ابوالحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابہ، ۲۳۸/۵

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی یہ خصوصیت تھی ان کے سامنے کوئی دنیاوی مسئلہ آجاتا تو اس کو حل کرنے کے خود کوشش کرتے۔اس کاوشوں کے وجہ سے اس زمانے میں نت نئے ایجادات ہوتے تھے۔جیسا کہ دفتر کا ایجاد ہونا وغیرہ۔لیکن آج کے مسلمان نے غیر مسلموں پر تکیہ کیا ہوا ہے جس کے وجہ سے آج کے زمانے میں نت نئے ایجادات کا سہرا غیر مسلموں کے سر جاتا ہے۔

مسلم ممالک میں سے ہر ملک اپنے فنڈ میں سے کچھ فیصد حصہ تحقیق کے لیے مقرر کرنا چاہیے اور اس کے لیے باقاعدہ ادارے بنانے چاہئیں۔اور مسلم سائنسدانوں کی ہر قسم کی مدد کرنی چاہیے.

مسلم ممالک کا اپنا بین الاقوامی سطح پر ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے، جس میں مسلم ممالک کے قابل ترین لوگ اپنی خدمات سرانجام دے سکیں۔

گورنر حمص: سعید بن عامرؓ کی بلدیاتی (Municipality) خدمات

نام و نسب: نام سعید، سلسلہ نسب یہ ہے سعید بن عامر بن حذیم بن سلامان بن ربیعۃ بن سعد بن جمح القریشی الجمحی. [1]

اسلام؛ غزوہ خیبر سے قبل مشرف باسلام ہوئے، اسلام لانے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔[2]

امارت۔ خلافت فاروقی میں حمص پر گورنر رہے۔[3]

وفات؛ سن وفات میں اختلاف ہے کچھ کے نزد ۱۹ھ اور کچھ کے نزد ۲۱ھ ہے، وفات کی وقت چالیس سال کی عمر تھی۔[4]

مساجد کی تعمیر:

جب جناب فاروق اعظمؓ نے سعید بن عامرؓ کو حمص گورنر بنادیا ان کی مدت حکمرانی تقریباً چھ ماہ رہی ہے لیکن اس دوران جزیرہ میں کئی مساجد بنائیں۔[5]

---

[1] ابن الاثیر، ابوالحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابہ، ۴۸۳/۲

[2] ایضا

[3] ایضا

[4] ایضا

[5] العمری، دکتور، عبدالعزیز بن ابراہیم، الولاۃ علی البلدان، ۱۳۲

گورنر حمص: عمیر بن سعدؓ کی بلدیاتی(Municipality)خدمات

نام ولقب؛نام عُمَيرُ بْنُ سَعْدٍ ،لقب،نسیج وحدہ ، [۱]

سلسلہ نسب:سعدبْن عُبَيد بن النُّعمان بْن قَيس بْن عَمْرو بْن زَيد بْن امية بْن زَيد بْن مالك بن عوف بْن عَمْرو بْن عوف

قبولِ اسلام:ان کی زمانہ اسلام کا وقت معلوم نہیں مولانا سعید انصاری لکھتے ہیں کہ حضرت جلاسؓ[2]مسلمان ہو گئے ۔یہ بھی غالباًاس زمانے میں اسلام لائے۔[3]

امارت:سعید بن عامرؓ کے وفات کے بعدان کو حمص کی گورنری سونپی تھی۔

وفات: حمص میں مستقل رہایش اختیار کرلی تھی،ابن سعد کے مطابق خلافت معاویہ میں یہیں فوت ہوئے۔[4]

مساجد کی تعمیر: دکتور عبد العزیز بن ابراہیم لکھتے ہیں کہ انہوں نے مفتوحہ علاقوں میں مساجد بنائے تھے۔[5]

خلاصہ

اسلامی تعلیمات کو وسیع پیمانے پر رائج کرنے اور تعلیم قرآن وحدیث میں عظیم ملی وشرعی فرائض کی ادائیگی میں جدوجہد کرنے والوں میں سب سے اعلیٰ،ارفع اور قائدانہ مقام طبقۂ صحابہ کا ہے اوراس میں خاص طور پر جوان صحابہ کرام کا کردار ہے۔لہذا اس سلسلے میں جوان گورنر صحابہ کرام نے مساجد بنانا،امامت کرنا،قرآن اور حدیث رسول کی تعلیم دینا اور اس کے ساتھ ساتھ اسلامی تاریخ کی ابتدا اور دفتر ایجاد کرنے جیسی خدمات سرانجام دیں۔،اس بناء پر اشاعت اسلام میں جوان صحابہ رضوان اللہ اجمعین کا تعلیمی تاریخی حیثیت رکھتا ہے جس کے بغیر اسلامی تاریخ کی معنویت مبہم بلکہ موہوم ہو جاتی ہے۔

---

(1) ابن الاثیر،ابوالحسن علی بن ابی الکرم،اسد الغابہ،۲۸۰/۴

(2) آپ کا نام الجلاس بن سوید،الصامت الانصاریؓ ہے،پہلے منافق تھے پھر انہوں نے توبہ کی۔عمیر بن سعدؓ کے ساتھ ان کا واقعہ کتب تفسیر میں موجود ہے۔عمیر بن سعد کی ماں ان کی نکاح میں تھیں۔اور عمیرؓ ان کے تربیت میں تھے۔(دیکھیے:اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ابن الاثیر،ابوالحسن علی بن ابی الکرم،۵۴۸/۱)

(3) انصاری،مولانا سعید،سیر الصحابہ،۴۶۵/۳

(4) ابن الاثیر،ابوالحسن علی بن ابی الکرم،اسد الغابہ،۲۸۰/۴

(5) العمری،دکتور،عبد العزیز بن ابراہیم،الولاۃ علی البلدان،۱۳

اسی طرح بلدیاتی خدمات اور رفاہ عامہ وقت کی ضرورت اور بہت بڑی عبادت ہے۔ کسی انسان کے دکھ درد کو بانٹنا حصولِ جنت کا ذریعہ ہے اس لیے جب ہم جوان صحابہ کرام کی بلدیاتی خدمات پر نظر دوڑاتے ہیں آپ حضرات نے اس میدان میں بھی وہ کارنامے سرانجام دیے ہیں جو آج کے جوانوں کے لیے نمونہ اور قابل تقلید ہیں۔ان اس لیے جوان صحابہ کرام کی بلدیاتی خدمات میں نئے شہروں کو آباد کرنا، بیت المال قائم کرنا، سڑکیں بنوانا، ان کی حدود مقرر کرنا، نہریں بنوانا، پکے گھر بنوانا، اور ظائف مقرر کرنا وغیرہ کام شامل ہیں۔

باب سوم:

قاضی کی شرائط اور عدالتی فیصلے

تمہید: قاضی معنی، مفہوم اہلیت اور خصوصیت

فصل اول: قاضی کی تقرر کی شرائط اور فرائض

فصل دوم: جوان صحابہ کرام کے عدالتی فیصلے

تمہید:

قضاء: معنی ومفہوم

قضاء کالغوی معنی:

ابن منظور لکھتے ہیں:

القَضاء: الحُكْمُ، واصله قَضاي وَالجَمْعُ الاقْضِيةُ،"[1]

ترجمہ: قضاء بمعنی فیصلہ۔اوراس کا اصل قضای ہے،اوراس سے جمع اقضیہ استعمال ہوتا ہے۔

قران مجید میں لفظ قضاء مختلف معانی کے لیے استعمال ہوا ہے اور ان میں جو مضمون مشترک ہے وہ کسی چیز کو مکمل طور پر ختم کر دینے کے معنی میں آتا ہے۔

۱:وَالْقَضَاءُ بِمَعْنَى الْعَمَلِ، .(کر گزرنا)اللہ تعالی کا فرمان ہے : ﴿فَاقْضِ مَا انْتَ قَاضٍ﴾[2]

ترجمہ:اب تمہیں جو کچھ کرنا ہو، کرلو۔

۲: قضاء بمعنی الحکم (فیصلہ کرنا)اللہ تعالی کا ارشاد ہے:﴿ انَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ ﴾[3]

ترجمہ:ان کا فیصلہ تمہارا پروردگار قیامت کے دن کرے گا۔

۳: قضاء بمعنی الخلق (پیدا کرنا)ارشاد ربانی ہے:﴿فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فی يومين﴾[4]

ترجمہ: چناچہ اس نے دودن میں اپنے فیصلے کے تحت ان کے سات اسمان بنادیئے۔

۴:قضاء بمعنی الحتم ،والامر (حکم دینا)اوراس سے اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَقَضَى رَبُّكَ الَّا تَعْبُدُوا الَّا ايَّاهُ﴾[5]

ترجمہ:اور تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو

---

[1] ابن منظور، جمال الدین محمد، لسان العرب، ی،ق، ۱۸۶/۱۵

[2] سورہ طہ، ۷۲/۱۶

[3] سورہ یونس، ۹۳/۱۱

[4] سورہ فصلت، ۱۲/۲۴

[5] سورہ بنی اسرائیل، ۲۳/۱۵

۵: قضاء بمعنی الفراغ (فارغ ہو جانا) اللہ تعالی فرماتا ہے ﴿قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِيَانِ﴾ [1]

ترجمہ: جس معاملے میں تم پوچھ رہے تھے، اس کا فیصلہ (اسی طرح) ہو چکا ہے۔

۶: قضاء بمعنی الارادہ (ارداہ کرنا) اللہ تعالی کا فرمان ہے۔ ﴿ فَاذَا قَضَى امْرًا﴾ [2]

ترجمہ: اور جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرلیتا ہے

اور معانی کے لیے بھی لفظ قضاء لغت میں استعمال ہوا ہیں جسکو علامہ وحید الزمان نے ذکر کئے ہیں [3]

7: قضاء بمعنی الاداء: ادا کرنا، "قضی فلان دینہ "ترجمہ: فلان نے اپنا قرض ادا کر دیا

۸: قَضَی نَحْبَہٗ مَاتَ: عمر پوری کرنا، مر جانا

۹: "قَضٰی الصَّلٰوۃ "، "نماز ادا کرنا"، "نماز کی قضا کرنا"، "وقت گزر جانے کے بعد ادا کرنا"۔

۱۰: "قَضٰی الحج والدین" حج یا قرض ادا کرنا"۔

۱۱: "قَضٰی عبرتہ" انسو خشک کرنا (یعنی انسوا تنے بہانا کہ وہ باقی نہ رہیں)

۱۲: "قَضٰی الشئ" کوئی چیز بنانا اس کی صفات و کیفیات خاص اندازہ سے مقرر کرنا

۱۳: "قَضٰی حَاجَتَہٗ "ضرورت پوری کرنا (یعنی اپنا مقصد پالینا)۔

۱۴: "قَضٰی اجلہ" مقررہ حد یا وقت کو پہنچنا

قضاء کا اصطلاحی معنی

علاء الدین حصکفیؒ [4] قضاء کے تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فَصْلُ الْخُصُومَاتِ وَقَطْعُ الْمُنَازَعَاتِ" [5]

---

[1] سورہ یوسف، ۴۱/۱۲

[2] سورہ غافر، ۶۸/۴۰

[3] وحید الدین قاسمی، القاموس الوحید، ص ۱۳۲۷

[4] آپ کا نام محمد بن علی المعروف علاؤالدین حصکفی تھا۔ آپ کی پیدائش ۱۰۲۵ھ بمطابق ۱۶۱۶ء دمشق میں ہوئی، آپ حنفی فقہ واصول کے ماہر تھے فن تفسیر حدیث اور نحو میں ید طولی رکھتے تھے احناف کے بہت بڑے مفتی اور فقیہ ہیں۔ دمشق میں حنفیہ کے افتاء کا کام انہی کے سپرد تھا۔ (دیکھیے موسوعہ فقہیہ، وزارت اوقاف کویت، ۱۴۲۷ھ، ۳۴۷/۱)

[5] حصکفی، علاء الدین، الدر المختار، مع حاشیہ ابن عابدین، دار الفکر، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۱۲ھ ۱۹۹۲ء ۳۵۲/۵

ترجمہ: مقدمات کا نبٹانا اور جھگڑوں کا ختم کرنا ہے۔

محمد بن قاسم التونسی[1] قضاء کی تعریف بیان کرتے ہیں:

"صِفَةٌ حُكْمِيةٌ تُوجِبُ لِمَوْصُوفِها نُفُوذَ حُكْمِهِ الشَّرْعِى وَلَوْ بِتَعْدِيلٍ اوْ تَجْرِيحٍ لَا فِى عُمُومِ مَصَالِحِ الْمُسْلِمِينَ"[2]

ترجمہ: قضاء ایک ایسی اعتباری صفت ہے جو اپنے موصوف کے حق میں اس کے شرعی احکام کے نافذ العمل ہونے کو لازم کر دیتی ہے، چاہیے یہ حکم کسی کو عدل قرار دینے کے بارے میں ہو یا مجروح قرار دینے کے بارے میں نیز اس صفت کا تعلق مسلمانوں کے عمومی (یعنی ریاستی) مصالح نہ ہو۔

محمد بن محمد الحطاب[3] قضاء کی تعریف تحریر فرماتے ہیں:

"امْرُ الْقَاضِى بِحُكْمٍ شَرْعِى عَلَى طَرِيقِ الْالْزَامِ."[4]

ترجمہ: شریعت کی روشنی میں کسی کام کو لازم قرار دینا قاضی کے حکم سے قضاء کہلاتا ہے۔

ابن فرحون[5] المالکیؒ قضاء کی تعریف کے بارے میں رقم طراز ہے:

"الْقَضَاءُ مَعْنَاهُ الدُّخُولُ بَيْنَ الْخَالِقِ وَالْخَلْقِ لِيُؤَدِّيَ فِيهِمْ اوَامِرَهُ وَاحْكَامَهُ بِوَاسِطَةِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ"[6]

ترجمہ: قضاء سے مراد کتاب وسنت کے ذریعہ سے خالق و مخلوق کے مابین اوامر و احکام کو ادا کرنا

---

(1) آپ کا نام ابو عبداللہ محمد بن قاسم، المعروف ابن الرصاع تھا. آپ کی پیدائش تیونس میں ہوئی۔ آپ تیونس میں قاضی تھے، زندگی کے اخری حصہ میں جامع مسجد زیتونہ میں افتاء، فقہ اور عربی کے تعلیم دیتے تھے ۸۹۴ھ میں وفات پائی۔ (دیکھیے، دیوان الاسلام، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ: الاولی، ۱۴۱۱ھ ۱۹۹۰ء، ۳۵۱/۲)

(2) ابن الرصاع، ابو عبداللہ محمد بن قاسم، شرح حدود ابن عرفہ، المکتبۃ العلمیۃ، الطبعۃ الاولی، ۱۳۵۰ھ، ص ۴۳۳

(3) آپ کا نام شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن محمد تھا الحطاب سے معروف تھے۔ آپ مکہ میں پیدا ہوئے وہیں پر شہرت پائی، طرابلس میں وفات پائی علماء متصوفین میں سے ہیں فقہ مالکی کے امام ہے اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ دیکھیے موسوعہ فقہیہ، ۳۴۷/۱)

(4) الحطاب، محمد بن محمد، مواہب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، دار الفکر، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۱۲ھ، ۱۹۹۲ء، 6/۷۶

(5) ابراہیم بن علی بن محمد، ابن فرحون، مدینہ میں پیدا ہوئے اور یہیں پرورش پائی۔ آپ مدینہ کے قاضی اور فقہ مالکی کے امام تھے۔ آپ فقہ، اصول فقہ، میراث اور قضاء میں مہارت رکھتے تھے۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ (دیکھیے: الفکر السامی فی تاریخ الفقہ الاسلامی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولی ۱۴۱۶ھ ۱۹۹۵ء، ۳۲۱/۲)

(6) ابن فرحون، ابراہیم بن علی بن محمد، تبصرۃ الحکام فی اصول الاقضیۃ ومناہج الاحکام، مکتبۃ الکلیات الازہریۃ، الطبعۃ الاولی، ۱۴۰۶ھ ۱۹۸۶ء، ۱۲/۱

شمس الدین الشربینیؒ[1] قضاء کے تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''الْخُصُومَةُ بَيْنَ خَصْمَيْنِ فَأَكْثَرَ بِحُكْمِ اللهِ تَعَالَى''[2]

ترجمہ: دو یا زیادہ متنازعہ فریقوں کے مابین اللہ تعالی کے حکم کے مطابق جھگڑا ختم کرا دینے کو قضاء کہتے ہے۔

علامہ عزاء الدین عبد السلامؒ[3]، قضاء کے تعریف کے بارے میں لکھتے ہیں:

''هُوَ اظْهَارُ حُكْمِ الشَّرْعِ فِي الْوَاقِعَةِ فِيمَنْ يَجِبُ عَلَيْهِ امْضَاؤُهُ فِيهِ''[4]

ترجمہ: کسی واقعہ میں اس شخص کے لیے حکم شرعی کو واضح کرنا جس پر اس معاملہ میں اس حکم شرعی پر عمل کرنا فرض ہو جائے۔

فتاوی عالمگیری میں قضاء کا مفہوم یہ ہے:

''قَوْلٌ مُلْزِمٌ يصْدُرُ عَنْ وِلَايةٍ عَامَّةٍ''[5]

ترجمہ: جس فرد کو اقتدار حاصل ہو اس کے طرف سے صادر کیا ہوا وہ قول جو کسی چیز کو لازم کردے اس کو قضاء سے تعبیر کرتے ہیں۔

علاء الدین کاسانیؒ[6] قضاء کے تعریف کے بارے میں رقم طراز ہے:

---

[1] آپ کا اسم گرامی محمد بن احمد الشربینی تھا۔ آپ قاہرہ میں پیدا ہوئے، فقہ شافعی کے امام تھے فقہ اور لغت میں ید طولی رکھتے تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ دیکھیے الاعلام للزرکلی، خیر الدین بن محمود بن محمد، دار العلم للملایین، الطبعة الخامسة عشرة ۲۰۰۲ء ۲۲۶/۶)

[2] الشربینی، محمد بن احمد، مغنی المحتاج الی معرفة معانی الفاظ المنہاج، دار الکتب العلمیة الطبعة الاولی، ۱۴۱۵ھ ۱۹۹۴ء، ۳۷۲/۴

[3] آپ کا نام عبد العزیز بن عبد السلام ہے آپ شام کے شہر "دمشق" میں پیدا ہوئے، آپ کو قاضی، فقیہ، مجتہد، اصولی مفسر آمر بالمعروف اور نہی عن المنکر صاحب تصانیف ہونے کا شرف حاصل ہیں۔ آپ ۶۶۰ھ میں اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔ (دیکھیے: تاریخ الاسلام و وفیات المشاهیر والاعلام، شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد، دار الغرب الاسلامی، طبعہ اولی ۲۰۰۳ء، ۹۳۳/۱۴)

[4] الشربینی، محمد بن احمد، مغنی المحتاج الی معرفة معانی الفاظ المنہاج، ۳۷۲/۴

[5] الفتاوی الہندیة، دار الفکر، الطبعة الثانیة، ۱۳۱۰ھ، ۱۴۱/۳

[6] آپ کا اسم گرامی علاء الدین کاسانی تھا لقب بکر بن مسعود تھا ائمہ احناف میں سے تھے آپ کو ملک العلماء کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ آپ کے مشہور تصانیف میں سے بدائع الصنائع ہے۔ ۵۵۷ھ میں وفات پائی ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھیے: بغیة الطلب فی تاریخ حلب، دار الفکر بدون سن طباعت، ۴۳۴۷/۱۰)

"وَالْقَضَاءُ هُوَ: الْحُكْمُ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ، وَالْحُكْمُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ"[1]

ترجمہ: قضاء کے معنی ہے مخلوق کے درمیان حق کے مطابق تصفیہ کرنااور اس قانون کے مطابق فیصلہ کرنا جو اللہ نے نازل کیا ہے

شیخ علاءالدین طرابلسیؒ[2] قضاء کی تعریف تحریر فرماتے ہیں۔

"الْاِخْبَارُ عَنْ حُکْمٍ شَرْعِی عَلَی سَبِیلِ الْاِلْزَامِ"[3]

ترجمہ: شرعی فیصلہ سنانااس طور پر کہ اس کانافذ کرنالازم ہوجائے.

علامہ ابن عابدینؒ[4] فرماتے ہیں:

"الفصل بين الناس فى الخصومات، حسما للتداعى، وقطعا للنزاع بالاحكام الشرعية المتلقاة من الكتاب والسنة" [۵]

ترجمہ: کتاب وسنت سے ماخوذ احکام شرعیہ کے ذریعے لوگوں کے مقدمات کے درمیان فیصلہ کرنا تاکہ ان کے جھگڑے اور نزاع جڑ سے ختم ہوجائے۔

قرین قیاس سے علامہ ابن عابدینؒ کی تعریف راجح معلوم ہوتی ہے تعریف ایسی ہونی چاہیے جو جامع بھی ہو اور مانع بھی، جامع تو اس طور پر کہ قضاء کا بنیادی مقصد جھگڑوں اور تنازعات کو ختم کرنا ہے وہ سارے اس میں شامل ہیں اور مانع اس طور پر کہ ان تنازعات کو صرف شریعت کے طریقے سے ختم کرنا ہے باقی طریقوں کی ممانعت ہیں۔

---

(1) کاسانی، علاءالدین ابو بکر مسعود، بدائع الصنائع، طبع بیروت ۱۹۷۴ء، ۷/۲

(2) آپ کا نام علاءالدین، علی بن خلیل اطرابلسی تھا فقہائے احناف میں سے تھے۔ اور قدس میں قاضی تھے۔ ۸۸۴ھ میں وفات پائی ہے آپ کی مشہور تصنیف ، معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الاحکام ہے۔ (دیکھیے: کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، مصطفی بن عبداللہ، ۱۷۴۵/۲)

(3) طرابلسی، شیخ علاءالدین، معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الاحکام، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۱۰ء، ص ۶

(4) آپ کا نام محمد امین بن عمر تھا اور ابن عابدین کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ ۱۱۹۸ھ کو دمشق میں پیدا ہوئے۔ ائمہ احناف میں سے تھے۔ آپ کی تصانیف میں " ردالمحتار علی الدر المختار (حاشیہ ابن عابدین) و الرحیق المختوم "اور "مجموعہ رسائل "بہت مشہور ہیں۔ آپ نے ۱۲۵۲ء میں وفات پائی۔ (دیکھیے: الاعلام للزرکلی، خیر الدین بن محمود، ۴۲/۶)

(5) شامی ابن عابدین، محمد امین بن عمر، ردالمحتار علی الدر المختار، مطبعہ مصطفی الحلبی القاہرہ طبعہ ثانیہ ۴۵۹/۴

قاضی کی تعریف:

قاضی کی تعریف کے بارے میں مجلہ میں ہے:

"الْقَاضِي هُوَ الذَّاتُ الَّذِي نُصِّبَ وَعُيِّنَ مِنْ قِبَلِ السُّلْطَانِ"[1]

ترجمہ: قاضی وہ ہوتا ہے جو مقرر کیا گیا ہو بادشاہ کی جانب سے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"وَإِذَا اجْتَمَعَ أَهْلُ بَلْدَةٍ عَلَى رَجُلٍ وَجَعَلُوهُ قَاضِيًا يَقْضِي فِيمَا بَيْنَهُمْ لَا يَصِيرُ قَاضِيًا"[2]

ترجمہ: اگر ایک علاقے کے لوگ ایک آدمی پر اتفاق کریں اور اس کو فیصلے کرنے کے لیے قاضی بنادیں تو وہ شرعی طور پر قاضی نہیں ہو سکتا۔

الغرض! ان تعریفات کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قاضی وہ ہوتا ہے جو حکومت وقت کی طرف سے تنازعات ،اختلافات اور جھگڑوں کو ختم کرنے کے لیے مقرر کیا جاتا ہے۔

---

[1] مجلۃ الاحکام العدلیۃ، الناشر: نور محمد، کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ، کراچی، مادہ ۱۷۸۵، ص ۳۶۴

[2] الفتاوی الہندیہ، دار الفکر، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۳۱۰ھ، ۳/۳۱۵

فصل اول:

قاضی کی شرائط اور اس کے فرائض

محکمہ قضاء وعدل کسی بھی ریاست کا اہم شعبہ اور ستون ہوتا ہے جو تنازعات کو فیصل کرنے کی اہم ذمہ داری سے عہدہ براء ہونے کے کام سرانجام دیتا ہے اس اہم فریضے کو ادا کرنے والے کا نام اسلام میں قاضی ہے۔ جو ہر ایک کا کام نہیں بلکہ اس کام کے لیے خاص لوگوں میں سے ایک اہم اور سب سے ہوشیار اور عالی شخص کو منتخب کیا جاتا ہے۔ قضاء ایک بہت اہم عہدہ اور منصب ہے، اس کا احترام ہر معاشرے اور قوم میں کیا جاتا ہے، دین اسلام میں اسکی جو اہمیت ہے وہ اس بات سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ یہ ان عہدوں میں سے ہے جس پر رشک کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((لَا حَسَدَ اِلَّا فِي اثْنَيْنِ: رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا، فَسَلَّطَهُ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ حِكْمَةً، فَهُوَ يَقْضِي بِهَا، وَيُعَلِّمُهَا النَّاسَ))[1]

ترجمہ: صرف دو چیزیں ایسی ہیں جن پر رشک کیا جاسکتا ہے ایک تو یہ کہ کسی انسان کو اللہ رب العزت نے مال اور دولت کے نعمت سے نوازا ہو اور اسے اس مال و دولت کو حق کے راستہ میں خرچ کرنے کی توفیق بھی عطاء فرمائی ہو۔ دوسرے وہ فرد جسے اللہ جلّ جلالہ نے علم و حکمت سے نوازا ہو اور وہ اس کے موافق تصفیے بھی کرتا ہو اور عمل بھی کرتا ہو۔

جس ملک میں عدل اور انصاف نہیں ہوتا وہ ملک قائم نہیں رہتا۔ اس عدل وانصاف کے وجہ سے زمین و اسمان قائم ہے۔ اس لیے جو عہدہ جتنا اہم اور بڑا ہوتا ہے اس کے لیے شروط اور فرائض بھی اتنی زیادہ ہوتے ہیں۔

---

[1] ابن حنبل، احمد بن محمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، مسند عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ۵۳۰/۳، حدیث نمبر ۳۶۵۱

شرط کی تعریف

محمد بن ابی بکر الرازیؒ[1] شرط کی لغوی تحقیق بیان کرتے ہیں:

'' (الشَّرْطُ) مَعْرُوفٌ وَجَمْعُهُ (شُرُوطٌ) وَكَذَا (الشَّرِيطَةُ) وَجَمْعُهَا (شَرَائِطُ) وَقَدْ (شَرَطَ) عَلَيْهِ كَذَا مِنْ بَابِ ضَرَبَ وَنَصَرَ وَ (اشْتَرَطَ) أَيْضًا. وَ (الشَّرَطُ) بِفَتْحَتَيْنِ الْعَلَامَةُ. وَ (أَشْرَاطُ) السَّاعَةِ عَلَامَاتُهَا '' [۲]

ترجمہ: شرط کی جمع شروط، شریطہ اور شرائط آتے ہیں اور یہ باب ضرب اور نصر سے آتا ہے اور (راء کی فتحہ کے ساتھ) شرط علامت کو کہتے ہیں۔ اور اس کی جمع اشراط ہے، قیامت کی علامات

وحید الزمان قاسمی شرط کی تعریف تحریر فرماتے ہیں:

''لشرط: لزوم پابندی کی بیع وغیرہ میں لگائی جانے والی قید، جس کی پابندی کی جائے، فقہ اسلامی میں وہ قید جس کے بغیر کوئی چیز مکمل نہ ہو لیکن اس کی حقیقت سے خارج ہو''[3]

صاحب الوجیز نے اس کی اصطلاحی تعریف یہ فرمائی ہے:

''وَالشَّرْطُ مَا يَلْزَمُ مِنْ عَدَمِهِ الْعَدَمُ وَلَا يَلْزَمُ مِنْ وُجُودِهِ وُجُودٌ وَلَا عَدَمٌ'' [4]

ترجمہ: جس کے عدم ہونے سے دوسرا بھی نہ پایا جائے لیکن اس کے پایا جانے سے دوسرے کا پایا جانا لازم نہ ہو

آسان الفاظ میں جس چیز اور عمل کے لیے جو چیز شرط قرار دیا وہ اس کے ذات میں داخل نہ ہوں بلکہ ذات سے باہر ہو۔

قاضی کی تقرری کی شرائط

امام ماوردیؒ فرماتے ہیں کہ عہدہ قضاء پر اسی شخص کا تقرر جائز ہے جس میں اس کی تمام شرائط موجود ہو تا کہ اس کو قاضی بنانا اور اس کا احکام نافذ کرنا صحیح ہو وہ شرائط سات ہیں جو پہلے اجمالاً ذکر کی جاتی ہیں:

---

[1] آپ کا نام محمد بن ابی بکر تھا، الرازی کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ کا تعلق ایران کے علاقے رئے سے تھا، فقہائے احناف میں سے تھے، تفسیر، ادب اور لغۃ میں مہارت رکھتے تھے۔ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں آپ نے ٦٦٦ھ میں وفات پائی۔ (دیکھیے الاعلام للزرکلی، خیر الدین بن محمود بن محمد، ٦/٥٥)

[2] الرازی زین الدین محمد بن ابی بکر، مختار الصحاح، المکتبہ العصریہ، الدار النموذجیہ، بیروت، الطبعہ الخامسہ، ١٤٢٠ھ، ١٩٩٩ء، باب ش ر، ط، ١/١٦٣

[3] وحید الدین قاسمی، القاموس الوحید، مراجعۃ و تقدیم عمید الزمان قاسمی، ١/٧٥٥

[4] الدکتور، محمد صدقی بن احمد بن محمد، الوجیز فی ایضاح قواعد الفقہ الکلیۃ، مؤسسہ الرسالہ، بیروت، الطبعۃ الرابعۃ، ١٤١٦ھ، ١٩٩٦ء ١/٣٩١

(1) مرد ہونا

(2) عقل مند ہونا

(3) آزاد ہونا (حریت)

(4) اسلام

(5) عدالت

(6) علوم شرعیہ کے اصول سے واقفیت تامہ اور فروع میں اعلی مہارت رکھتا ہو۔ عند الجمهور، اجتہاد کی صلاحیت رکھنا

(7) قوت سامعہ اور باصرہ کا ٹھیک ہونا۔[1]

(1) مرد ہونا

قاضی کے عہدہ کیلیے صرف مرد ہونے کے شرط کی بارے میں فقہاء اسلام کے درمیان اختلاف ہے۔
جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

جمہور کا نقطہ نظر:

قاضی کے عہدہ کیلیے مرد ہونا شرط ہے۔ اور عورت کسی صورت میں قاضی نہیں بن سکتی۔ چنانچہ عورت کسی بھی معاملہ میں قاضی نہیں مقرر کی جاسکتی ہے، چاہے وہ معاملات صرف مردوں کے درمیان واقع ہوتے ہیں یا وہ عورتوں کے درمیان واقع ہوتے ہوں۔ اسی طرح عورت کو حدود و قصاص واموال اور دیگر کسی بھی معاملہ میں قاضی مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ جمہور فقہاء اسلام کا یہی نقطہ نظر ہے۔[2]
اور اپنے اس نقطہ نظر کی تائید میں مختلف قسم کے دلائل پیش کرتے ہیں۔

---

[1] الماوردی، ابوالحسن، علی بن محمد، الاحکام السلطانیہ، ص ۱۱۰

[2] الکاسانی علاء الدین، ابو بکر بن مسعود بن احمد، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۰۶ھ ۱۹۸۶ء، ۳/۷. ابن فرحون، ابراهیم بن علی بن محمد تبصرۃ الحکام فی اصول الاقضیۃ و مناھج الاحکام، مکتبۃ الکلیات الازھریۃ، الطبعۃ الاولی، ۱۴۰۶ھ ۱۹۸۶ء، ۱/۲۶، الرعینی شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن محمد، مواھب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، دار الفکر، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۱۲ھ ۱۹۹۲ء، ص ۲۳

قرآن کریم سے استدلال: اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾[1]

اس آیت کریمہ میں مرد کو عورت پر فضیلت دی گئی ہے اور یہ آیت کریمہ حاکم ہونے کی اس صفت کو مرد کے لیے مختص کرتی ہے چنانچہ اگر عورت کو قضاء کا منصب حاصل کرنا جائز قرار دے دیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ظاہر ہو گا کہ عورت کو مرد پر برتری ہو جائیگی۔ جو اس نص کے خلاف ہے۔

حدیث سے استدلال: آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَمَّا بَلَغَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انَّ اهْلَ فَارِسَ، قَدْ مَلَّكُوا عَلَيْهِمْ بِنْتَ كِسْرَى، قَالَ "لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا امْرَهُمُ امْرَاةً))[2]

ترجمہ: حضور ﷺ کو جب یہ معلوم ہوا کہ اہل فارس نے کسری کی بیٹی کو حاکم مقرر کیا ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ قوم کبھی بھی فلاح نہیں پا سکتی جس نے عورت کو اپنے امور کا نگران بنایا۔

اس طرح ایک اور حدیث کو بھی استدلال کے طور پر پیش کرتے ہے:

((انَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" القُضَاةُ ثَلَاثَةٌ: قَاضِيَانِ فِي النَّارِ، وَقَاضٍ فِي الجَنَّةِ، رَجُلٌ قَضَى بِغَيْرِ الحَقِّ فَعَلِمَ ذَاكَ فَذَاكَ فِي النَّارِ، وَقَاضٍ لَا يَعْلَمُ فَاهْلَكَ حُقُوقَ النَّاسِ فَهُوَ فِي النَّارِ، وَقَاضٍ قَضَى بِالحَقِّ فَذَلِكَ فِي الجَنَّة))[3]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" قاضی" تین "قسم کے ہیں، جن میں ایک جنتی اور دو جہنمی ہیں۔ وہ شخص جس نے جانتے بوجھتے ہوئے حق کے خلاف فیصلہ کیا وہ جہنمی ہے۔ اسی طرح وہ شخص جس نے علم نہ رکھنے کے باوجود لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا اور لوگوں کے حقوق ضائع کیئے وہ بھی جہنمی ہے اور وہ فرد جس نے حق کے ساتھ فیصلہ کیا وہ جنتی ہے.

یہاں پر قاضی کے لیے لفظ "رجل" استعمال ہوا ہے جو مرد کے لیے اسعمال ہوتا ہے اس لیے اس لفظ کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے اس سے یہ ثمرہ نکلتا ہے کہ عورت قاضی نہیں بن سکتی۔

---

[1] سورہ نساء: ۳۴/۵

[2] بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب کتاب النبی ﷺ الی کسری و قیصر، ۱۱۸/۲، حدیث نمبر ۴۴۲۵

[3] ابو داود، سلیمان بن اشعث، سنن ابو داود، کتاب الاقضیۃ، باب فی القاضی یخطی، ۱۵۰/۲، حدیث نمبر ۳۵۷۳

اجماع سے استدلال: خلفاء راشدین اور اس کے بعد اسلامی ریاست کا سربراہ بنے والوں نے ہر دور میں متعدد افراد کو قاضی مقرر کیا لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی عورت کو بھی یہ عہدہ سونپا گیا ہو اور اگر عورت کو قاضی مقرر کرنا جائز ہوتا تو خلفائے راشدین عورتوں میں سے کسی کو قاضی مقرر کرتے۔[1]

عقلی استدلال: قاضی کو اپنی خدمات انجام دینے کے لیے مردوں کی محفلوں سے سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسے مخاصم گروہوں کے اقوال سنے پڑتے ہیں۔ چنانچہ عورت مردوں کی مجلس میں نہیں آجاسکتی۔ شرعا اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ غیر محرم مردوں کو دیکھے اور نہ ہی کسی غیر محرم مرد کے لیے عورت کو دیکھنا جائز ہے[2]

ان ہی وجوہات کے بناء پر جمہور فقہاء فرماتے ہیں: کہ عورت کو قاضی نہیں بنایا جاسکتا

احناف کا نقطہ نظر

برھان الدین علی ابی بکرؒ[3] تحریر فرماتے ہیں: ''حدود و قصاص سے تعلق رکھنے والے امور کے علاوہ دیگر تمام امور میں عورت کو قاضی مقرر کیا جاسکتا ہے''[4]

استدلال: عورت حدود اور قصاص کے علاوہ دیگر تمام معاملات میں گواہی دینے کی اہل ہے اس لیے جن معاملات میں عورت شہادت کی اہل ہے تو وہ ان معاملات میں قضاء کی بھی اہل ہو گی۔ اس لیے ان معاملات میں عورت کو قاضی کا منصب دیا جاسکتا ہے۔[5]

---

[1] ابن فرحون، ابراھیم بن علی بن محمد، تبصرۃ الحکام فی اصول الاقضیۃ و مناھج الاحکام، ص ۲۶

[2] ایضا

[3] آپ کا اسم گرامی علی بن ابی بکر اور کنیت ابوالحسن تھا۔ ۵۳۰ھ کو پیدا ہوئے اور ۵۹۳ھ کو وفات پائی ہے۔ آپ ائمہ احناف کے اکابر فقہاء میں سے تھے۔ آپ حافظ، مفسر محقق اور ادیب تھے آپ کا شمار مجتہدین میں ہوتا تھا آپ کے وجہ شہرت 'الھدایہ فی شرح البدایہ ہے۔ (دیکھیے: معجم المطبوعات العربیۃ والمعربۃ، یوسف بن الیان بن موسی، مطبعۃ سرکیس مصر ۱۳۴۶ھ ۱۹۲۸ء، ۱۷۳۹/۲)

[4] ابوالحسن برھان الدین، علی بن ابی بکر، الھدایۃ فی شرح بدایہ المبتدی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۲۹۰/۳

[5] ایضا، ۲۹۰/۳

ابن جریر طبریؒ اور ابن حزم ظاہریؒ(1) کا نقطہ نظر

عورت تمام معاملات میں قضاء کا عہدہ سنبھال سکتی ہے۔اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے .(2)

امام ابن حزم کے دلائل۔قرآن سے استدلال: ارشاد ربانی ہے:

﴿ انَّ اللّٰہَ یَامُرُکُمْ انْ تُؤَدُّوا الْامَانَاتِ الٰی اھْلِھَا وَاذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ انْ تَحْکُمُوا بِالْعَدْلِ﴾(3)

امام ابن حزم اس آیت سے اپنے موقف پر استدلال فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ آیت عام ہے اور عورت و مرد آزاد و غلام سب اس کے مخاطب ہیں اور دین کے احکام سب کے لیئے ایک جیسے ہیں ماسوائے اس کے کہ کسی کے لیے تخصیص وارد ہوئی ہو لیکن شریعت میں ایسی کوئی نص نہیں ملتی جس میں عورت کو اس آیت کے حکم سے مستثنی کیا گیا ہو لہذا عورت کو بھی قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے۔(4)

اس حدیث نبوی کے بارے میں کہ ''وہ قوم کامیابی نہیں پا سکتی جس نے خاتون کو اپنے امور کا نگہبان بنایا ہے''فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد عورت کو خلافت کا منصب سپرد کرنے سے منع کرتا ہے اور یہ صرف خلافت یا سربراہ مملکت کے ساتھ خاص ہے۔قضاء کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہے۔(5)

ایک اور حدیث مبارکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((والمراة راعية على بيت بَعلها وولده وهي مَسؤولة عنهم))(6)

ترجمہ: عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی نگہبان ہے اور وہ اپنی رعیت کے متعلق جوابدہ ہے۔

---

(1) آپ کا نام علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی اور کنیت ابو محمد تھی۔ بہت بڑے محدث اور ائمہ اسلام میں سے تھے۔۔اپ شریعت میں قیاس کو حجت نہیں مانتے تھے اور قران و سنت کے ظاہری احکام کی توجیہ و تعلیل کے قائل نہیں تھے۔اس لیے ظاہری مذہب کے ائمہ میں سے تھے۔آپ کی تصانیف میں ''الاصول الاحکام'' و ''الناسخ والمنسوخ'' مشہور ہیں۔آپ نے ۵۳۶ھ میں اندلس میں وفات پائی۔ (دیکھیے: معجم الادباء، ارشاد الاریب الی معرفۃ الادیب، شھاب الدین ابو عبداللہ، دار الغرب الاسلامی، بیروت الطبعۃ الاولی، ۱۴۱۴ھ ۱۹۹۳ء، ۱۶۵۰/۴)

(2) ظاہری، ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم، المحلی بالاثار، دار الکتاب العلمیہ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۲۰۰۲ء، ۵۲۷/۸

(3) سورہ النساء، ۵۸/۵

(4) ظاہری ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم، المحلی بالاثار، ۵۲۸/۸

(5) الصنعانی، محمد بن اسماعیل بن صلاح، سبل السلام، دار الحدیث طبعہ ثانیہ ۱۴۲۸ھ، کتاب الاقضیہ ۵۵۳/۲

(6) ابو داود، سلیمان بن اشعث، سنن ابو داود، کتاب الخراج والفیئ والامارہ، باب فی یلزم من امر الرعایہ، ۲/ ۵۸، حدیث ۲۹۲۸

امام ابن حزم کے نزدیک اس حدیث میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ عورت سربراہ ریاست کے علاوہ تمام مناصب کی اہلیت رکھتی ہے اور سربراہ مملکت بھی صرف اس لیئے نہیں بن سکتی کہ حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔[1]

عمر بن خطابؓ کے فعل سے بھی استدلال کرتے ہیں: عورت کو قاضی مقرر کرنے کو جائز قرار دینے کے حق میں حضرت عمرؓ کے اس فعل کو بھی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ فاروق اعظمؓ نے الشفاء نامی عورت کو بازار کی نگرانی پر مقرر کیا تھا اور چونکہ عورت کو بازار کی نگرانی پر مقرر کرنا اور قاضی بنانا دونوں ولایت سے متعلق ہے۔ اس لیے حضرت عمرؓ کے اس فعل سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ عورت کو قاضی بنایا جاسکتا ہے۔[2]

جمہور کے طرف سے امام ابن حزمؒ کے دلائل کا جواب

پہلی دلیل کا جواب: امام ابن حزم ظاہری نے جس آیت کریمہ سے عورت کو قضاء کا منصب سپرد کرنے کے بارے میں استدلال کیا ہے جمہور فقہاء اسلام اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس میں کوئی تردد نہیں کہ اس آیت کریمہ کا حکم عام ہے لیکن حضور ﷺ کی یہ ارشاد مبارک ((لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا امْرَهُمُ امْرَاةً)) آیت کے حکم عام کی تخصیص کرتی ہے اور یہ عورت کو قضاء کا منصب سپرد نہ کرنے پر دلیل ہے۔[3]

دوسری دلیل کا جواب: جمہور فقہاء اسلام امام ابن حزم کی طرف سے مذکورہ حدیث کو خلافت کے منصب کے لیے مخصوص کرنے اور اس سے یہ استدلال لینا کے عورت صرف سربراہ مملکت نہیں بن سکتی جب کہ اسے قاضی بنایا جا سکتا ہے اور یہ حدیث قضا کا منصب سپرد کرنے میں مانع نہیں ہوتی' اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ حدیث مبارکہ میں ولاء کا لفظ استعمال ہوا ہے اور ولایت عام بھی ہو سکتی ہے اور خاص بھی۔ عام ولایت سربراہ ریاست کی ہے اور خاص میں قضاء شامل ہے اور اس حدیث کی رو سے عورت کو عام و خاص دونوں ولایات سپرد نہیں کی جاسکتیں۔

اسی طرح امام ابن حزم کا یہ قول کہ مذکورہ حدیث عورت کے سربراہ ریاست بنانے سے ممانعت کے بارے میں وارد ہوئی ہے درست نہیں بلکہ یہ ہر طرح کی ولایت سے منع کرتی ہے۔

تیسری دلیل کا جواب: جمہور فقہاء اسلام حضرت عمرؓ سے مروی اس واقعہ کی صحت کے منکر ہیں اور حضرت عمرؓ سے اس کی نسبت کو تسلیم نہیں کرتے۔

---

(1) ظاھری، ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم، المحلی بالاثار، ۵۲۸/۸

(2) ایضا

(3) گیلانی، سید، نظیر الحسن، اسلام میں قاضی کے منصب کے لئے مطلوب شرائط، مجلہ، فکر و نظر، اسلام آباد ۳۴/۱، ص ۱۸

علامہ ابو بکر ابن العربیؒ[1] اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں یہ واقعہ صحیح نہیں اور حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہے لہذا اس کو بطور استدلال پیش کرنا درست نہیں۔[2]

علامہ ابن جریر طبری کا استدلال: عورت مفتیہ بن سکتی ہے۔ تو وہ قاضی بھی بن سکتی ہے[3]

جمہور کے طرف سے جواب

علامہ ابن جریر الطبری کی اس دلیل کا جمہور فقہاء اسلام نے یہ جواب دیا ہیں: کہ قضاء اور افتاء میں بہت بڑا فرق ہے۔ چنانچہ افتاء میں مفتی کے فتوی کی کوئی الزامی حیثیت نہیں ہوتی اور یہ مستفتی کی اپنی مرضی ہے کہ وہ مفتی کا فتوی قبول کرے اور اس کے مطابق عمل کرے اور یا اسے قبول نہ کرے اور رد کردے۔ جب کہ قضاء میں قاضی کا فیصلہ الزامی حیثیت رکھتا ہے اور ہر دو فریقین اس فیصلہ کی پابندی پر مجبور ہوتے ہیں۔ اس طرح عورت کے افتاء کی اہلیت کو اس کے قضاء کے عہدہ پر قیاس کرنا درست نہیں۔

علامہ ابوالحسن الماوردیؒ فرماتے ہیں: جہاں تک عورت کے فتوے اور گواہی کے لیے اس کی اہلیت کا تعلق ہے تو یہ اس لیے کہ ان امور میں کوئی ولایت نہیں، اس لیے علم حاصل کرنے میں عورت کے لیے کوئی ممانعت نہیں۔ لیکن جہاں تک ان امور کا تعلق ہے جو کے ولایت سے متعلق ہیں تو وہ عورت کے سپرد نہیں ہو سکتے۔[4]

دلائل کے اعتبار سے احناف کا قول راجح معلوم ہوتا ہے۔ کہ عورت کو حدود اور قصاص کے علاوہ ہر قسم کے مسائل میں قضاء کا عہدہ دینا درست ہے۔ اس لیے کہ جن امور میں وہ شہادت کے اہل ہے ان امور میں وہ قاضی بھی بن سکتیں ہیں۔ اور جن امور میں انکی گواہی قبول نہیں، ان امور میں وہ قاضی بھی نہیں ہو سکتیں۔

---

[1] آپ کا نام محمد بن عبد اللہ تھا۔ اشبیلیہ میں پیدا ہوئے اور ابو بکر بن العربی سے مشہور ہوئے۔ آپ بہت بڑے عالم مفسر محدث فقیہ اصولی اور مورخ تھے۔ آپ کا شمار مالکی مذہب کے ائمہ میں ہوتا ہے۔ کافی عرصہ تک اشبیلہ کے قاضی رہے۔ ۵۴۳ھ میں وفات پائی (دیکھیے: سیر اعلام النبلاء المؤلف: شمس الدین ابو عبد اللہ دار الحدیث، القاہرۃ، ۱۴۲۷ھ ۲۰۰۶ء، ۴۲/۱۵)

[2] ابن عربی، محمد بن عبد اللہ، احکام القران، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۲۴ھ ۲۰۰۳ء، ۴۸۲/۳

[3] الزحیلی، وھبۃ بن مصطفی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دار الفکر، دمشق، شام بغیر سن طباعت، ۵۹۳۷/۸

[4] الماوردی، ابوالحسن، علی بن محمد، ادب القاضی، ۶۲۸/۱

(2) عقل مند ہونا

عقل وہ چیز ہے جس کے وجہ انسان دوسری مخلوقات سے ممتاز ہوتا ہے اور اس عقل کی بناء پر انسان کو اشرف المخلوقات کے لقب سے نوازا گیا ہے عقل کی وجہ سے انسان شرعی احکام کا مکلف ہوتا ہے۔ اس لیے شریعت نے ہر عہدہ اور منصب کے لیے عاقل کی شرط لگائی ہے۔

ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قاضی کے عہدہ پر تقرری کے لیے عقل شرط ہے۔[1]

اس لیے کسی غیر عاقل یا پاگل و مجنون کو قاضی مقرر نہیں کیا جا سکتا۔

ائمہ اربعہ قاضی کے عہدہ پر تقرری کے لیے مطلوب مرد میں عقل کی شرط پائے جانے کے لیے جو دلائل پیش کرتے ہیں۔ وہ درجہ ذیل ہیں:

حدیث سے استدلال:

((رُفِعَ القلمُ عن ثلاثةٍ: عن النائم حتى يستيقظَ، وعن المبتَلَى حتى يبرا، وعن الصَّبيِّ حتى يَكْبَرَ))[٢]

ترجمہ: تین اشخاص شرعاً مواخذہ سے بری الذمہ ہیں سویا ہوا جب تک کہ وہ نیند سے بیدار نہ ہو جائے، مجنون، جب تک کہ وہ تندرست نہ ہو جائے۔ اور پھر بچہ جب تک کہ وہ بڑا، اور بالغ نہ ہو جائے۔

ایک مجنون شخص اپنی ذات کے بارے میں بھی کسی امر پر تصرف کا اختیار نہیں رکھتا اور جو شخص اپنی ذات کے بارے میں تصرف کا اختیار نہیں رکھتا تو دوسروں کے معاملات میں تصرف کس طرح کر سکتا ہے؟

شریعت اسلام نے جو عبادات بھی فرض کی ہیں اور جو معاملات بھی مسلمانوں کے لیئے جائز قرار دیئے ہیں ان سب کے لیے عقل شرط ہے۔

ابوالبرکات احمد بن الدردیرؒ[3] لکھتے ہیں:

---

(1) بدائع الصنائع۔ ۳/۷، تبصرہ الحکام، ۴۳/۱، المغنی ۱۳/۱۴

(2) ابوداود، سلیمان بن اشعث، سنن ابوداود، کتاب الحدود، باب فی المجنون یسرق اویصیب، ۲۵۶/۲، حدیث نمبر ۴۳۹۸

(3) آپ کا اسم گرامی ابوالبرکات احمد بن محمد تھا اور الدردیر کے نام سے مشہور تھے۔ ۱۱۲۷ھ کو مصر میں پیدا ہوئے اور جامعہ الازھر میں تعلیم حاصل کی آپ کا شمار فقہائے مالکیہ میں سے ہوتا ہے۔ آپ کی مشہور کتاب "اقرب المسالک لمذھب الامام مالک" اور "الشرح الصغیر" کے نام سے اس کا شرح بھی خود لکھی ہے۔ ۱۲۰۱ھ کو قاہرہ میں اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ (دیکھیے، "المدخل الی دراسة المذاھب الفقھیة، محمد عبدالوھاب، دار السلام، القاھرة الطبعة الثانیة، ۱۴۲۲ھ ۲۰۰۱ء، ۱۵۶/۱)

قاضی کے لیے سمجھ دار ہونا لازمی ہے کوئی بے وقوف اور غافل، غائب دماغ فرد قاضی نہیں ہو سکتا، ایسا مرد کسی فریق کے چکنی چپڑی اقوال سے دھوکا کھا سکتا ہے اور اسے یہ پتہ ہی نہیں چل سکے گا کہ کہاں اقرار کرانا ہے اور کہا کس ٹولی نے انکار کیا ہے اور کون سا فریق ناموافق باتیں کر رہا ہے۔ [1]

عقل مند ہونا ہر عہدہ کے لیے شرط ہے تو قضاء کے عہدہ کے لیے یہ شرط لازمی ہو گی۔

(۳) آزاد ہونا (حریت)

آزادی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اسلام میں آزادی کو جو اہمیت حاصل ہے وہ اس سے پتہ چلتی ہے کہ ہر حکومتی منصب اور عہدے کے لیے آزادی کی شرط بھی ضروری ہے۔

ائمہ اربعہ کا مسلک

ائمہ اربعہ کے نزد قاضی کے عہدہ پر تقرری کے لیے آزاد ہونا شرط ہے، غلام قاضی نہیں بن سکتا، [2]

ائمہ اربعہ کا استدلال: قضاء ولایت کی ایک قسم ہے جب کہ غلام اپنے آپ پر بھی مکمل ولایت نہیں رکھتا، اس لیے کہ وہ اپنے مالک کی خدمت کے لیے پابند ہوتا ہے اور نہ تو اپنی ذات کے معاملے میں کسی تصرف کا اختیار رکھتا ہے اور نہ ہی اپنے اوقات کے بارے میں اسے آزادی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ جو شخص اپنے ذاتی معاملات کے بارے میں تصرف کا کوئی اختیار نہیں رکھتا وہ دوسروں کے بارے میں تصرف کا اہل نہیں ہو سکتا، اور پھر شہادت معاملہ میں گواہی کے قبول ہونے کے لیے گواہ کا آزاد ہونا شرط ہے اور غلام کی شہادت شرعا قابل قبول نہیں ہوتی اور غلام شہادت کا اہل نہیں تو قضا کے وعہدہ کا اہل کس طرح ہو سکتا ہے۔ جب کہ قضاء کا عہدہ شہادت کی ادائیگی کی بنسبت زیادہ اہم ہے۔ [3]

علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں:

''غلام خواہ مدبر ہو یا مکاتب اور کوئی بھی ایسا شخص جس میں غلامی کا کوئی اونی جز تک بھی موجود ہو قاضی مقرر نہیں کیا جا سکتا اور اگر کسی ایسے شخص کو قضاء کا منصب سونپا گیا تو اس کی یہ ولایت باطل اور اس کا ہر تصفیہ مردود ہو گا اس لیے کہ خود غلام اپنے مالک کی ولایت میں ہوتا ہے۔ چنانچہ دوسروں پر اسے ولایت سپرد کرنا

---

[1] ابوالبرکات، احمد بن محمد، الشرح الصغیر طبع قاہرہ، ۱۹۷۴ء، ۴/۱۷۷۔۱۸۸

[2] ادب القاضی للماوردی ۱/۲۲۹، مواہب الجلیل ۶/۸۷، معین الحکام ص ۱۴، المغنی لابن قدامہ ۹/۳۹

[3] ایضا

درست نہیں ہو سکتا اور شریعت میں جب اس کی شہادت قابل قبول نہیں تو اسے قضاء کے لیے بھی مقرر کرنا درست نہیں ہو سکتا۔"(1)

قاضی شریحؒ، ابن سیرینؒ اور ابن حزمؒ کا نقطہ نظر

قاضی کے عہدہ پر تقرری کے لیے کسی شخص کا آزاد ہونا شرط نہیں۔ چنانچہ غلام کو بھی قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے۔ بعض حنابلہ بھی اس کی تائید کرتے ہوئے غلام کے قضاء کے عہدہ پر تقرری کے لیے اس کے آقا کی اجازت اور رضامندی سے اس کو مشروط کرتے ہیں (2) .

اپنے قول کی موافقت جو دلائل پیش کرتے ہیں وہ درجہ ذیل ہے:

قرآن کریم سے استدل: .اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾(3)

اس آیت کریمہ میں رب کائنات نے عدل کرنے کے ساتھ تصفیہ کرنے کا جو حکم دیا ہے وہ صرف آزاد اشخاص کے لیے مخصوص نہیں بلکہ یہ حکم عام ہے اور اس میں آزاد و غلام دونوں شامل ہیں اور اس حیثیت سے ان میں کوئی فرق نہیں اس لیے مذکورہ آیت کی رو سے جس طرح ایک آزاد مرد قاضی بن سکتا ہے، اسی طرح ایک غلام بھی قاضی بنایا جا سکتا ہے اور قرآن کریم میں ایسی کوئی نص نہیں جو غلام کو اس عہدہ سے الگ کرتی ہو۔

احادیث سے استدلال: آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً، فَجَاءَتْنَا امْرَأَةٌ سَوْدَاءُ، فَقَالَتْ: أَرْضَعْتُكُمَا، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: تَزَوَّجْتُ فُلَانَةَ بِنْتَ فُلَانٍ، فَجَاءَتْنَا امْرَأَةٌ سَوْدَاءُ، فَقَالَتْ لِي: إِنِّي قَدْ أَرْضَعْتُكُمَا وَهِيَ كَاذِبَةٌ، فَأَعْرَضَ عَنِّي، فَأَتَيْتُهُ مِنْ قِبَلِ وَجْهِهِ، قُلْتُ: إِنَّهَا كَاذِبَةٌ، قَالَ: كَيْفَ بِهَا وَقَدْ زَعَمَتْ أَنَّهَا قَدْ أَرْضَعَتْكُمَا؟ دَعْهَا عَنْكَ)) (4)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن الحارث کہتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے نکاح کیا تو ایک کالی عورت نے آکر مجھے آگاہ کیا کہ اس نے ہم دونوں کو اپنا دودھ پلایا ہے۔ چنانچہ میں نے جناب احمد مصطفی ﷺ کی دربار میں حاضر

---

(1) الماوردی، ابوالحسن، علی بن محمد ادب القاضی 1/۲۲۹

(2) العسقلانی، ابوالفضل، احمد بن علی ابن حجر، فتح الباری شرح صحیح البخاری ۲۲۸/۵

(3) سورہ نساء، ۵۷/۵

(4) بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب شھادہ المرضعہ، ۲/۱۷۲، حدیث نمبر ۵۱۰۴

ہو کر یہ عرض کی کہ میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا ہے اور ایک کالی عورت نے مجھے آگاہ کیا کہ اس عورت نے ہم دونوں کو دودھ پلایا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹی ہے آپ ﷺ نے یہ بات سن کر اپنا چہرہ دوسری جانب پھیر لیا۔ میں نے آپ کے چہرہ مبارک کے رخ سے ہو کر دوبارہ یہی گزارش کی کہ وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹی ہے تو آپ ﷺ نے زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے کہ یہ نکاح کیسے ہو سکتا ہے جب کہ اس نے یہ آگاہ کر دیا ہے کہ تم دونوں نے اس کا دودھ پیا ہے لہذا اسے چھوڑ دو۔

چنانچہ اس حدیث مبارکہ کے مطابق خاتم الکونین ﷺ نے عورت (جو کہ لونڈی تھی) کی گواہی کو قابل اعتبار سمجھا اور اس کی شہادت کے تحت حضرت عقبہ بن حارث کو اپنی بیوی چھوڑنے کا حکم دیا۔ اگر لونڈی کی شہادت قابل قبول نہ ہوتی تو آپ ﷺ یہ حکم بھی نہ دیتے اور اگر لونڈی کی شہادت قبول ہو سکتی ہے تو غلام کی شہادت بطریق اولی قبول ہونی چاہئے اور اگر غلام شہادت کا اہل ہو سکتا ہے تو قضاء کا بھی اہل ہو گا۔[1]

صحابہ کے عمل سے استدلال: حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ابو حذیفہ کے غلام سالمؓ مسجد قبا میں مہاجرین اولین اور کبار صحابہ رسول کی امامت کرواتے تھے اور آپ کی اقتدا میں نماز ادا کرنے والے جلیل القدر صحابی رسول میں ابو بکر، عمر، ابو سلمہ، زید اور عامر بن ربیعہ شامل تھے۔

اس حدیث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سالم جو ایک غلام تھے نماز کی امامت کرواتے تھے اور ان کی اقتدا میں نماز ادا کرنے والوں میں جلیل القدر صحابہ بھی شامل تھے۔ چنانچہ اگر غلام نماز کا دینی فریضہ سرانجام دینے کے لیے امامت کا اہل ہو سکتا ہے تو وہ دنیاوی معاملات میں بھی فیصلہ کی اہلیت رکھنے کی بنیاد پر قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے۔[2]

دلائل سے ائمہ اربعہ کی رائے زیادہ قابل ترجیح لگتی ہے کہ غلام قضاء کی عہدہ کا اہل نہیں ہے اس لیے کہ وہ رائے دینے میں آزاد نہیں ہے،۔ اور وہ اپنے اوپر اختیار نہیں رکھتا تو وہ دوسروں پر اپنا فیصلہ کس طرح نافذ کرے گا۔

(4) اسلام (مسلمان ہونا)

اسلام کا بنیادی مؤقف ہے کہ یہ غلبہ چاہتا ہے اور یہ تب ہو گا جب اس کے ماننے والے کا غلبہ ہو۔ اس لیے اسلام نے ہر عہدہ اور منصب کے لیے مسلمان ہونے کی شرط لگائی ہے۔

---

(1) العسقلانی، احمد بن علی بن حجر، فتح الباری شرح صحیح البخاری، ۵/۲۲۸

(2) ایضا

ائمہ اربعہ کا نقطہ نظر:

ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلمانوں کے درمیان قضاء کے عہدہ پر تقرری کے لیے قاضی کا مسلمان ہونا شرط ہے۔ چنانچہ مسلمانوں پر کسی کافر کو قاضی مقرر نہیں کیا جا سکتا۔[1]

اپنے اس نقطہ نظر کی تائید میں جو دلائل پیش کرتے ہیں:

قرآن کریم سے استدلال: ارشاد باری ہے:

﴿وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا﴾[2]

ترجمہ: اور اللہ رب العزت ہر گز کافروں کو مومنوں پر راہ نہیں دے گا

اسلام میں قضاء سے بڑی اور کوئی سبیل نہیں ہو سکتی اس لیے آیت کریمہ کی روشنی میں کسی غیر مسلم کی مسلمانوں پر ولایت وحکمرانی جائز نہیں ہو گی۔ اسیلے کسی غیر مسلم کو مسلمانوں پر قاضی مقرر نہیں کیا جا سکے گا۔[3]

حدیث سے استدلال: آپ ﷺ نے فرمایا:

((الاسْلَامُ يَعْلُو وَلَا يَعْلَى))[4]

ترجمہ: اسلام کو فوقیت حاصل ہے اور اس پر کسی کو بالادستی حاصل نہیں ہو سکتی۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی فوقیت اور بالادستی کا فرماتے ہوئے مذہب اسلام پر کسی دوسرے مذہب کی بالادستی سے منع فرمایا ہے۔ چونکہ قضاء کا عہدہ ایک اہم عہدہ ہے جس کا حامل شخص کو دوسروں پر بالادستی حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے کسی کافر کو مسلمانوں پر قاضی مقرر کرنا اس کی بالادستی کو تسلیم کرنا ہو گا جو شرعا جائز نہیں.

مسلمانوں میں سے فاسق جو اسلامی شریعت کا پابند ہوتا ہے۔ اگرچہ غیر مسلم کی بنسبت بہت بہتر ہوتا ہے باوجود اس کے کسی فاسق کو قاضی بنانا جائز نہیں۔ چنانچہ اگر مسلمانوں میں شمار ہونے والا ایک فاسق

---

(1) بدائع الصنائع ۳/۷۱ مواہب الجلیل ۶/۸۷، تبصرۃ الحکام ۱/۲۳، المغنی لابن قدامہ ۹/۳۹

(2) سورہ نساء، ۱۴۱/۵

(3) بدائع الصنائع ۳/۷۱، مواہب الجلیل ۶/۸۷، تبصرۃ الحکام ۱/۲۳، المغنی لابن قدامہ ۹/۳۹

(4) بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب اذا سلم الصبی فمات ھل یصلی علیہ، ۱/۲۶۱ حدیث نمبر ۱۳۵۳

شخص اس عہدہ کا اہل نہیں ہو سکتا۔ تو غیر مسلم جو کہ سرے سے اسلام کا ہی منکر ہے، قاضی کا عہدہ کیسے حاصل کر سکتا ہے۔[1]

اسلام میں شہادت کی ادائیگی کے لیے گواہ کا مسلمان ہونا شرط ہے اور قضاء کا عہدہ شہادت سے زیادہ معتبر اور اہم ہے۔ چنانچہ اگر اسلام میں گواہی دینے والے کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے تو قاضی کے لیے مسلمان ہونا بطریق اولی شرط ہو گا۔[2]

قرین قیاس سے ائمہ اربعہ کا مسلک قابل ترجیح لگتا ہے اس لیے کہ اسلام میں قضاء کا مقصد احکام شریعت کی روشنی میں لوگوں کے باہمی تنازعات کا خاتمہ اور مسائل کو ختم کر کے حقدار کو اس کا حق دلانا اور مظلوم کی مدد کرنا ہے۔ جب کہ غیر مسلم اللہ تعالی کے احکام کا منکر اور اسلامی شریعت کے احکام سے ناواقف ہوتا ہے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اسلامی شریعت کے احکام سے نابلد اور اللہ جلّ جلالہ کے قانون کے منکر ایک شخص کو مسلمانوں پر قضاء کا منصب سونپا جائے۔

غیر مسلموں کا قاضی

ائمہ اربعہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کیا کوئی غیر مسلم مرد اسلامی ریاست میں رہنے والے کافروں پر قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے یا کہ نہیں ؟۔

ائمہ اربعہ کا اس مسئلے میں دو مختلف مؤقف ہیں، جن کو وضاحت کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے:

امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا مؤقف:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک غیر مسلم مرد کا اسلامی ریاست کے اندر رہنے والے کافروں پر بھی بحیثیت قاضی تقرر نہیں کیا جا سکتا۔[3]

ائمہ ثلاثہ اپنے اس نقطہ نظر کی تائید میں جو دلائل پیش کرتے ہیں۔ وہ درجہ ذیل ہے:

قرآن کریم سے استدلال: ربُّ العلمین کا فرمان ہے:

---

(1) العسقلانی احمد بن علی بن حجر، فتح الباری شرح صحیح البخاری، ۲۱۸/۳

(2) ایضا

(3) مغنی المحتاج، ۳۷۶/۴، المحلی ۵۰۹/۱۰

﴿حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾[1]

ترجمہ: یہاں تک کہ وہ جزیہ دے اس حال میں کہ وہ چھوٹے بن کر رہے۔

اس آیت کریمہ میں رب ذوالجلال نے اسلامی ریاست کے اندر رہنے والے کافروں سے جزیہ وصول کرنے اور ان کے اسلامی ریاست میں مسلمانوں کے مقابلہ میں کم تر حیثیت میں رہنے کا حکم دیا ہے۔ اگر کسی غیر مسلم کو قاضی مقرر کیا جائے تو اس کے عہدہ کا تقاضا ہو گا کہ ایسے شخص کا علم قابل اطاعت اور فیصلہ قابل تسلیم ہو۔ جب کہ یہ بات قرآن کریم کی مذکورہ آیت کی رو سے جائز نہیں اس لیے کسی کافر کو اسلامی ریاست میں بسنے والے غیر مسلموں پر بھی قاضی مقرر کیا جانا جائز نہیں ہو سکتا۔[2]

ابن عباسؓ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

((الاسْلامُ يعْلُو وَلا يعْلَى))[3]

اس مذکورہ حدیث میں حضور نبی کریم ﷺ نے اسلام اور مسلمانوں ہی کے لیے حاکمیت کو مختص فرمایا ہے۔ اگر قاضی کا عہدہ کسی کافر کو سونپا گیا تو یہ امر اسلامی ریاست کے اندر اس کی حاکمیت کا سبب ہو گا۔ اور حدیث رسول کی روشنی میں کسی غیر مسلم کو مسلمانوں پر بالادستی حاصل نہیں ہو گی، خواہ اسے یہ بالادستی اپنے ہم جنس کافروں پر ہی کیوں نہ حاصل ہو۔[4]

عقلی استدلال: اسلامی ریاست میں قضاۃ کے تقرر کا مقصد خدا تعالی کے نازل شدہ احکامات کی روشنی میں لوگوں کے درمیان واقع ہونے والے جھگڑوں کا فیصلہ کرنا تنازعات کو ختم کرنا مظلوم کی داد رسی کرنا اور اصل حقدار کو اس کا مطلوبہ حق دلانا ہے، جب کہ ایک غیر مسلم شریعت اسلام کے احکامات کا منکر اور شرعی احکامات سے جاہل ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسے شخص سے یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ خداوند ذوالجلال کے نافذ شدہ قانون اور شریعت اسلامی کی رو سے لوگوں کے درمیان فیصلہ کر سکے۔[5]

---

(1) سورہ التوبہ، ۲۹/۱۰

(2) مغنی المحتاج، ۳۷۶/۴، المحلی ۵۰۹/۱۰

(3) بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی فمات ھل یصلی علیہ، ۲۶۱/۱ حدیث نمبر ۱۳۵۳

(4) العسقلانی احمد بن علی بن حجر، فتح الباری شرح صحیح البخاری، ۲۱۸/۳

(5) ایضا

احناف کا مسلک:

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: کسی کافر کو اسلامی ریاست کے اندر بسنے والے غیر مسلموں پر قاضی مقرر کرنا جائز ہے۔[1] ائمہ احناف اپنے نقطہ نظر کے تائید میں جو دلائل پیش کرتے ہیں وہ درجہ ذیل ہے:

قرآن کریم سے استدلال: اللہ جلّ جلالہ کا فرمان ہے:

﴿يَا ايُّهَا الَّذِينَ امَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ اوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾[۲]

ترجمہ: اے ایمان والو! یہودیوں اور نصرانیوں کو یار و مددگار نہ بناؤ یہ خود ہی ایک دوسرے کے یار و مددگار ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں رب ذوالجلال نے مسلمانوں کو یہود و نصاری کے ساتھ دوستی رکھنے سے اور انہیں اپنا ولی بنانے سے منع فرمایا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمادیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے دوست اور ولی ہیں۔ اسی لیے اسلامی ریاست میں کسی غیر مسلم کو اس کے ہم جنس کافروں پر قاضی مقرر کرنا جائز اور درست ہوگا۔[3]

عقلی استدلال: غیر مسلم آپس میں عدول ہیں۔ اسی لیے کافروں کی ایک دوسرے پر گواہی قبول کی جاتی ہے اور اس گواہی کی رو سے فیصلہ بھی درست ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر غیر مسلموں کی ایک دوسرے کے لیے گواہی قبول کرنا جائز ہے تو انہیں ایک دوسرے پر قاضی مقرر کرنا بھی درست اور جائز ہوگا اس لیے کہ جو شخص شہادت کی اہلیت رکھتا ہے وہ قضا کا بھی اہل ہوتا ہے۔[4]

عرف سے استدلال: اسلامی ریاست کے اندر رہنے والے کافروں پر ان کے اپنوں میں سے حاکم مقرر کرنے کا طریقہ کار ہمیشہ سے چلا آرہا ہے اور اس عرف جاری کی رو سے غیر مسلم شہریوں پر انہی میں سے حاکم مقرر کرنا درست اور جائز ہوگا۔[5]

قرین قیاس سے احناف کا مذہب ہی قابل ترجیح لگتا ہے۔ اس لیے کہ کافر اگر مسلمانوں کے لیے عدول نہیں تو وہ آپس میں ایک دوسرے کے لیے تو عدول ہیں۔ ایک دوسرے پر ان کی گواہی جائز اور درست ہے۔ اس طرح وہ اپنے معاملات کو طے کرنے کے لیے قضاء کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں اور ایک غیر مسلم شخص اس بات کا اہل ہے کہ اپنے ہم جنس غیر مسلموں پر قاضی مقرر ہو۔ اور جہاں تک اس استدلال کا تعلق ہے کہ غیر مسلم اسلامی شریعت کے احکامات سے ناواقف ہوتے ہیں اس لیئے ان سے اللہ کے نازل کردہ علم کے مطابق فیصلہ کرنے کی توقع نہیں کی جاسکتی تو

---

(1) شامی، ابن عابدین، محمد امین بن عمر، ردالمحتار علی الدر المختار، ۲۵۵/۵

(2) سورہ مائدہ، ۵۱/۶

(3) کاسانی، علاء الدین ابو بکر مسعود، بدائع الصنائع، ۳/۷

(4) ایضا

(5) ایضا

یہ استدلال بھی درست نہیں، اس لیے کہ شریعت اسلام کے احکامات واضح ہیں اور قاضی کے منصب پر مقرر ہونے والے غیر مسلم کے لیے اسلامی شریعت کے ان احکامات کا علم حاصل کرنا کوئی مشکل امر نہیں جو اس کی عدالت میں پیش ہونے والے معاملات سے متعلق ہوں۔

(۵) عدالت

عدالت ایک ایسی صفت ہے جس انسان میں یہ ہو وہ اسلامی ریاست میں ہر عہدہ کے لیے قابل ترجیح ہوگا۔ اور اس کا ہر قول اور عمل قابل قبول ہوگا۔

امام ماوردی عدالت کے مفہوم کے وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"کہ اس سے متصف انسان ہمیشہ سچ بولنے والا ہو۔ جو چیز اس کے سپرد کی جائے اس کا امین ہو گناہوں سے بچتا ہو کسی ایسے معاملے میں ملوث نہ ہوتا ہو جو اس کی شخصیت سے متعلق کسی شبہ اور اس کے چال چلن سے متعلق کسی شک کا سبب بنے۔ غصے کی حالت میں آپے سے باہر ہونے والا نہ ہو اور نہ ہی خوشی کی حالت میں حد سے تجاوز کر جانے والا ہو غرضیکہ اس کی شخصیت میں خیر کا پہلو ہر لحاظ سے زیادہ ہو "[1]

قضاء کے عہدہ کی اہلیت کے لیے عدالت کی مذکورہ شرط کے وجود کے بارے میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ائمہ اربعہ کا نقطہ نظر:

ائمہ اربعہ کے نزدیک قاضی کے عہدہ پر تقرری کے خواہشمند میں عدالت کی صفت کا پایا جانا شرط ہے۔ اس لیے کسی ایسے فرد کو قاضی مقرر نہیں کیا جا سکتا جو فاسق ہو۔[2]

قرآن کریم سے استدلال: اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾[3]

ترجمہ: اے مومنو! اگر لے آئے تمہارے پاس کوئی شریر آدمی کوئی خبر، تو خوب تحقیق کر لیا کرو، مبادا ایسا نہ ہو کہ تم نادانی سے کچھ لوگوں کو ایذا پہنچا دو، اور پھر اپنے کیے پر پچھتاؤ۔

---

[1] الماوردی، ابوالحسن، علی بن محمد، ادب القاضی ۱/۳۶۴

[2] ادب القاضی للماوردی، ۱/۳۶۴، تبصرہ الحکام ۱/۲۳، المغنی ۹/۳۹، الانصاف ۱۱/۱۵۸

[3] سورہ حجرات، ۶/۲۷

اس آیت کریمہ میں رب العزت نے کسی فاسق کا قول قبول کرنے سے منع فرمایاہے اور اگر فاسق کا قول قابل قبول تو اس کے حکم کا نافذ ہونا بطریق اولی منع ہو گا اور اسے قاضی مقرر نہیں کیا جاسکے گا۔[1]

ایک اور جگہ پر فرمان باری ہے:

﴿ وَلَا تَرْكَنُوا اِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾[2]

ترجمہ: اور (مسلمانو) ان ظالم لوگوں کی طرف ذرا بھی نہ جھکنا، کہیں دوزخ کی آگ تمہیں بھی آن پکڑے

چنانچہ اس آیت کریمہ میں مالک الملک نے ظالموں سے تعلق رکھنے اور ان کے اعمال وافعال سے راضی ہونے سے منع فرمایاہے اور کسی چیز سے ممانعت اس کے فساد کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ ان کے ظلم کی وجہ سے ان کے اقوال وافعال بھی فاسد ہو گئے اور اسی میں ان کی قضاء بھی شامل ہے۔[3]

حدیث سے استدلال: فرمان نبوی ﷺ ہے:

((قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:اَدِّ الْاَمَانَةَ اِلَى مَنِ ائْتَمَنَكَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ))[٤]

ترجمہ: کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''جو تمہارے پاس امانت رکھے اسے امانت لوٹاؤ، اور جو تمہارے ساتھ خیانت کرے اس کے ساتھ (بھی) خیانت نہ کرو

ابن قدامہ ؒ[5] فرماتے ہیں: وہ آدمی جس میں عدالت کا وصف نہیں ان صفات کا حامل نہیں ہو سکتا جو سرور کائنات نے اس حدیث میں بیان فرمائی ہیں اور جو شخص امانت واپس نہ کر سکتا ہو وہ امانت کا بوجھ بھی کبھی نہیں اٹھا سکتا اور چونکہ قضاء ایک ایسی امانت ہے جس میں قاضی لوگوں کے جان ومال اور عزت وآبرو کا امین ہوتا ہے۔ اس لیے یہ امانت کسی ایسے آدمی کے سپرد کرنا جائز نہ ہو گا جو عدالت کی صفت سے خالی ہو۔[6]

---

[1] ادب القاضی للماوردی، ۳۶۴/۱، تبصرۃ الحکام ۲۳/۱، المغنی ۳۹/۹، الانصاف، ۱۵۸/۱۱

[2] سورہ ہود، ۱۱۳/۱۲

[3] الماوردی، ابوالحسن، علی بن محمد، ادب القاضی ۳۶۴/۱

[4] ترمذی، محمد بن عیسٰی، السنن ترمذی، ابواب البیوع، ۳۱۷/۱ حدیث نمبر ۱۲۶۴

[5] آپ کا نام عبداللہ بن احمد بن محمد تھا، ابن قدامہ سے مشہور تھے، فلسطین کے علاقہ "جماعیل، ۵۴۲ھ میں پیدا ہوئے۔ دمشق میں تعلیم حاصل کی۔ آپ کا شمار حنابلہ مذہب کے ائمہ میں سے ہوتا ہے آپ کے مشہور تصنیف، المغنی علی مختصر الخرقی ہے۔ ۶۲۰ھ کو دمشق میں وفات پائی۔ (دیکھیے: الاعلام للزرکلی، ۶۷/۴)

[6] ابو محمد موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، المغنی لابن قدامہ، ۴۰/۹

عقلی استدلال: وہ شخص جس میں عدالت کا وصف نہیں پایا جاتا اس چیز کا بھی اہل نہیں کہ وہ گواہی دے سکے اور اگر وہ غیر عادل ہونے کی وجہ سے شرعاً گواہی دینے کا بھی اہل نہیں تو وہ قضاء کا عہدہ سنبھالنے کا تو کسی صورت میں اہل نہیں ہو سکتا اس لیے کہ قضاء کا درجہ شہادت سے بلند ہے۔ علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں: جب رب ذوالجلال نے شہادت کی ادائیگی کے لیے عدالت کے وصف کو شرعاً شرط قرار دیا ہے تو قضاء کے منصب کی اہلیت کے لیئے اس وصف کا وجود بطریق اولیٰ ضروری ہوگا۔ [1]

علامہ ابن عابدینؒ کا نقطہ نظر

علامہ ابن عابدینؒ کے نزدیک قاضی کے عہدہ پر تقرری کے لیے خواہش رکھنے والے شخص کے لیے عدالت کے وصف کا پایا جانا اس کی تقرری کے لیے شرط نہیں۔ البتہ وہ آدمی دوسروں کے مقابلہ میں افضل اور قضاء کا عہدہ حاصل کرنے کا زیادہ مستحق ہے جس میں عدالت کا وصف موجود ہو۔ تاہم آپ کے نزدیک اگر کسی ایسے فرد کا بطور قاضی تقرر کیا جائے جس میں عدالت کا وصف موجود نہ ہو تو اس کی تقرری بھی درست اور اس کا حکم بھی قابل نفاذ ہوگا۔ [2]

وہ فرماتے ہیں .: اگر اس وصف کا یعنی قضاء کے عہدہ کی اہلیت کے لیے عدالت کا ہونا شرط قرار دیا جائے تو خصوصاً ہمارے دور میں قضاء کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔ اس لیے فاسق کو بھی قاضی بنانا درست ہے۔ [3]

عصر حاضر میں عدالت کے مکمل شرائط کا کسی قاضی میں پایا جانا مشکل ہے لیکن آج کے زمانے میں عدالت کا مفہوم اس پر صادر آئے گا جس میں عدالت کی شرائط زیادہ سے زیادہ پائی جائیں اس لیے قرین قیاس سے علامہ ابن عابدینؒ کا قول قابل ترجیح لگتا ہے، اس لیے کہ آج کل کے مسلمانوں میں عدالت کا پایا جانا ایک مشکل معاملہ ہے اور اگر اس کو لازم کیا جائے تو اس سے آج کے مسلمان مشکل میں پڑ سکتے ہیں۔ اس لیے جس میں عدالت کی مکمل شرائط نہ بھی ہوں تو اس کو بھی قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے۔ اور اس میں ترجیح اس کو دی جائے جس میں عدالت کی شرائط زیادہ ہو۔

---

[1] الماوردی ابوالحسن، علی بن محمد، ادب القاضی، ۶۳۵/۱

[2] ابن عابدین، محمد امین بن عمر، رد المختار علی الدر المختار ۳۵۶/۵

[3] ایضا

(٦)اجتہاد

اجتہاد کا لغوی تعریف، علامہ ابوالحبیب لکھتے ہیں:

"اخْذُ النَّفْسِ بِبَذْلِ الطَّاقَةِ وَتحَمُّلِ الْمَشَقَّةِ" (١)

ترجمہ: اجتہاد کے لغوی معنی ہیں۔ کسی کام کی انجام دہی میں تکلیف و مشقت اٹھاتے ہوئے اپنی پوری کوشش صرف کرنا

اصطلاحی مفہوم

علامہ زبیدیؒ فرماتے ہیں:

" بَذْلُ الوُسْع فِي طَلَبِ الأَمر، وَالْمرَاد بِهِ رَدُّ القَضِيَّة مِن طَرِيق القِيَاسِ إِلى الكِتَاب والسُّنَّة"(2)

ترجمہ: کسی چیز کی طلب میں اپنی پوری قوت صرف کردینے کے ہے ،ور اس سے مراد ہے کسی قضیہ (مسئلہ) کو قیاس کے طریقے سے کتاب وسنّت کی طرف لوٹانا۔

قضاء کے عہدہ کی اہلیت کے لیے اجتہاد کی شرط کے وجوب کے بارے میں فقہاءاسلام کے نقطہ نظر میں اختلاف ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

ائمہ شوافع وحنابلہ کا نقطہ نظر

قضاء کے منصب کی اہلیت کے لیے اجتہاد شرط ہے۔ چنانچہ کسی ایسے فرد کو قاضی کے طورپر مقرر نہیں کیا جاسکتا جو مقلد ہو اور اجتہاد کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔ (3)

اپنے اس نقطہ نظر کے تائید میں جو نصوص پیش کرتے ہیں۔ وہ درجہ ذیل ہے۔

قرآن کریم سے استدلال: اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿فَانْ تَنَازَعْتُمْ فِی شَیءٍ فَرُدُّوہ الَی اللّٰہ وَالرَّسُولِ﴾ (4)

---

(1) الدکتور ابو حبیب، القاموس الفقھی لغۃ واصطلاحا، دار الفکر۔ دمشق، الطبعۃ الثانیۃ ١٤٠٨ھ ١٩٨٨ء ص ٧١

(2) الزبیدی، ابو الفیض، محمد بن محمد بن عبد الرزّاق الحسینی، تاج العروس من جواھر القاموس، دار الھدایۃ، کویت طبعہ اولی ١٤٢٢ھ، ٢٠٠١ء، ٢/ ٣٣٠

(3) المغنی المحتاج ٤/ ٣٧٥، الشرح الصغیر ٤/ ١٩١

(4) سورہ النساء، ٥/ ٥٩

ترجمہ: پس اگر تم اپس میں جھگڑنے لگو کسی چیز کے متعلق تو اس کو لوٹادو اللہ جلّ جلالہ کی طرف اور رسول کی طرف۔

اس آیت مبارکہ میں رب کائنات نے کسی بھی اختلاف اور جھگڑے کی صورت میں اللہ اور اس کے پیارے محبوب کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے جس کے معنی اللہ تعالی کی کتاب اور سنت رسول کی طرف رجوع کرنے کے ہیں اور اس کی روشنی میں تمام مسائل کا حل اور فیصلہ کرنے کے ہیں۔ اللہ کی کتاب اور رسول کریم کی طرف وہی شخص رجوع کر سکتا ہے جو اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہو۔ جہاں تک مقلد کا تعلق ہے وہ اپنے امام کی رائے کا پابند ہوتا ہے اور اپنے پاس پیش ہونے والے معاملہ میں وہ اپنے امام کے مذہب کے موافق تصفیہ کرتا ہے اور چونکہ اس آیت میں کسی بھی تنازعہ کی صورت میں کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ مجتہد کا ہی کام ہے۔ اس لیے اس آیت کریمہ کی رو سے کسی ایسے مرد کو قاضی مقرر نہیں کیا جا سکتا جو مقلد ہو۔[1]

حدیث سے استدلال: آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((انَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " القُضَاةُ ثَلَاثَةٌ: قَاضِيَانِ فِي النَّارِ، وَقَاضٍ فِي الجَنَّةِ، رَجُلٌ قَضَى بِغَيْرِ الحَقِّ فَعَلِمَ ذَاكَ فَذَاكَ فِي النَّارِ، وَقَاضٍ لَا يَعْلَمُ فَأَهْلَكَ حُقُوقَ النَّاسِ فَهُوَ فِي النَّارِ، وَقَاضٍ قَضَى بِالحَقِّ فَذَلِكَ فِي الجَنَّةِ))[2]

ترجمہ: سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ قضاۃ تین قسم کے ہوتے ہیں، جن میں دو جہنمی اور ایک جنتی ہے۔ جس شخص نے جان بوجھ کر حق کے خلاف فیصلہ کیا وہ جہنمی ہے اور جس نے علم کے بغیر تصفیہ کر کے لوگوں کے حق ضائع کئے وہ بھی جہنمی ہے۔ جس نے سچ اور حق کے ساتھ فیصلہ کیا وہ جنتی ہے۔

چنانچہ اس حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے ایسے آدمی کو جہنم کی وعید سنائی ہے جو علم کے بغیر تصفیہ کر کے لوگوں کے حقوق ضائع کرتا ہے اور مقلد شخص کیونکہ اپنے امام کی رائے اور اس کی رائے کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اس لیے اسے خود اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ وہ دوسرے کے جس قول کے مطابق فیصلہ کر رہا ہے اس کی اپنی کیا حیثیت ہے۔ آیا وہ درست بھی ہے کہ نہیں۔ اس لیے مذکورہ حدیث کی روشنی میں کسی ایسے فرد کو قضاء کا منصب سپرد کرنا جائز نہیں ہوگا جو خود استنباط کا ملکہ نہ رکھتا ہو اور مقلد غیر ہو۔[3]

---

(1) شمس الدین محمد بن ابی العباس، نھایۃ المحتاج الی شرح المنہاج، دار لکتب العلمیہ، بیروت، الطبعہ الثالثہ ۱۴۲۴ھ، ۲۰۰۲ء، ۲۳۸/۱

(2) الترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی بن سَوْرۃ، سنن ترمذی، باب ماجاء عن رسول ﷺ فی القضاء، ۵۸۲/۱، حدیث نمبر ۱۳۲۲

(3) الخطیب، شمس الدین، محمد بن احمد، مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنہاج، دار لکتب العلمیہ، بیروت، الطبعۃ الاولی، ۱۴۱۵ھ ۳۷۵/۴

عقلی استدلال: مفتی کے لیے مجتہد ہوناضروری ہے۔ حالانکہ مفتی کا فتوی الزامی حیثیت کا حامل نہیں ہوتا جب کہ قاضی کا فیصلہ الزامی حیثیت رکھتا ہے اور اگر مفتی کے لیے اجتہاد کی صلاحیت شرط ہے تو قاضی کے لیے جس کا علم ان کی نسبت زیادہ حیثیت رکھتا ہے اور لوگوں کی جان و مال اور عزت وابرو جس کے حکم سے متعلق ہوتے ہیں ؛ اجتہاد کی شرط کا ہونالازمی ہے۔[1]

احناف کا نقطہ نظر

قضاء کے عہدہ کی اہلیت کے لیے اجتہاد شرط نہیں۔ اس لیے کسی مقلد کو بھی قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی مجتہد دستیاب ہو تو اس کو قضاء کے عہدہ پر تقرری کے لیے مقلد پر ترجیح دی جائے گی۔[2]

مالکیہ کا نقطہ نظر

مالکیہ کے اجتہاد کے بارے میں دو قول ہے۔

پہلا قول: مالکیہ کا ایک قول بھی تقریبا یہی ہے جو ائمہ احناف کا قول ہے۔ وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں: کہ آج کل مجتہد کا ملنا مشکل ہوتا ہے اور اگر قاضی کے لیے اجتہاد کی شرط ضروری قرار دی جائے اور مقلد کے لیے یہ عہدہ حاصل کرنا حرام قرار دیا جائے۔ تو موجودہ زمانہ میں شاید ہی کوئی ایسا آدمی مل سکے جو قضاء کے عہدہ کا اہل ہو ۔ اس لیے یہ شرط معاشرہ میں فتنہ وفساد کے پھیلنے لوگوں کے حقوق ضائع ہونے اور احکام شریعت کے تعطل کا شکار ہونے کا باعث بنتا ہے۔ اس لیے قاضی کے لیے اجتہاد کی شرط لازمی نہیں اور مقلد کو بھی یہ عہدہ سونپا جا سکتا ہے۔[3]

قول ثانی: بعض مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگرچہ قاضی کے لیئے مجتہد ہونا شرط ہے یہ شرط اس صورت میں قابل عمل ہے جبکہ ایسے لوگوں کا وجود ممکن ہو۔ اس لیے اگر اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والے موجود نہ ہوں تو مقلدین میں سے سب سے بہتر کو قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے۔[4]

اور یہ دلیل بطور حجت پیش کرتے ہیں: کہ اگر اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والا کوئی شخص دستیاب نہ ہو اور کسی مقلد کو قاضی مقرر کرنا درست نہ ہو تو اس سے یہ عہدہ خالی رہے گا اور شریعت کا وہ مقصد پورا نہیں ہو سکے گا جو اللہ تعالی نے نظام قضاء کی مشروعیت میں رکھا ہے لہذا اجتہاد کی شرط اگرچہ ضروری ہے لیکن یہ شرط اس صورت میں

---

[1] الماوردی ابوالحسن، علی بن محمد، ادب القاضی، ۱/۶۳۹

[2] کاسانی، علاء الدین ابو بکر مسعود، بدائع الصنائع 3/7

[3] ابن فرحون، ابراھیم بن علی بن محمد، تبصرۃ الحکام فی اصول الاقضیہ و مناھج الاحکام ۱/۲۵، ۲۴

[4] ایضا

قابل عمل ہے جب کہ ایسے لوگوں کا وجود ہو جو استنباط کی صلاحیت رکھتے ہوں، لیکن اگر ایسے آدمیوں کا ملنا مشکل ہو تو پھر مقلد کو بھی قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے۔[1]

قرین قیاس سے کہ احناف اور مالکیہ کا مذہب قابل ترجیح لگتا ہے۔اس لیے کہ آج کل مجتہد کا ملنا مشکل ہے، اور اجتہاد کی شرط کو لازمی قرار دینے سے امت مسلمہ مشکل میں پڑھ سکتی ہے، اس لیے کہ اجتہاد کے صلاحیت والے لوگ ملتے نہیں ہے، اور اگر مل بھی جائیں تو وہ بہت کم ہونگے، جس سے نظام قضاء کا دروازہ بند ہو سکتا ہے اس لیے اگر مجتہد نہ ہو تو مقلد کو بھی قاضی بنایا جا سکتا ہے۔

(۷) انکھ (قوت بصارت) کا ٹھیک ہونا

ائمہ اربعہ کا نقطہ نظر:

ائمہ اربعہ کے نزدیک قضاء کے عہدہ کی اہلیت کے لیے آنکھوں کا ٹھیک ہونا بھی شرط ہے۔اس لیے کسی ایسے شخص کو قضاء کا عہدہ دینا درست نہیں ہو گا جو بینائی سے محروم ہو۔[2]

اور اس پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں: اس کی علت یہ ہے کہ بینائی سے محروم شخص اس چیز کی قدرت نہیں رکھتا کہ وہ مدعی اور مدعی علی میں تمیز کر سکے۔ نہ ہی وہ اقرار کرنے والے اور جس کے حق میں اقرار کیا جائے اس کی پہچان کر سکتا ہے اور نہ ہی گواہوں اور فریقین میں فرق کر سکتا ہے۔[3]

امام ابن حزم ظاہریؒ کا موقف:

امام ابن حزم الظاہریؒ اور حنابلہ کے ہاں ایک مرجوح قول کے مطابق قضاء کے عہدہ کی اہلیت کے لیے بینائی کا ہونا شرط نہیں۔[4] اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں: جس طرح بینائی سے محروم شخص کی گواہی قابل قبول ہے اسی طرح اس کو قاضی مقرر کرنا بھی درست اور جائز ہے۔

قرین قیاس سے قضاء کے عہدہ کی اہلیت کے لیے ائمہ اربعہ کی طرف سے قاضی کی بینائی کے سلامت ہونے کی شرط کا قول ہی قابل ترجیح لگتا ہے اس لیے کہ قضاء کا عہدہ اسلامی مملکت کے اہم ترین عہدہ ہے وہ شخص پوری طرح

---

[1] اابن فرحون، ابراھیم بن علی بن محمد، تبصرۃ الحکام فی اصول الاقضیہ و مناھج الاحکام ۱/۲۵، ۲۴

[2] بدائع الصنائع، ۷/۱۳، ۱۴، ادب القاضی للماوردی ۱/۶۲۳، المقدسی ۹/۴۰

[3] ایضا

[4] ابن فرحون، ابراھیم بن علی بن محمد، تبصرۃ الحکام فی اصول الاقضیہ و مناھج الاحکام، ۱/۲۷

عدل ادا نہیں کر سکتا جو بینائی کی قوت سے محروم ہو۔ اس لیے قاضی کے لیے انکھوں کی بینائی کی شرط کے وجوب کے بارے میں ائمہ اربعہ کا مذہب ہی قابل ترجیح ہے۔

(۸) کان کا ٹھیک ہونا (قوت سامعہ)

ائمہ اربعہ کا مسلک: ائمہ اربعہ کے نزدیک قاضی کے لیے کان ((قوت سامعہ) کا ٹھیک ہونا بھی شرط ہے۔[1]

اور اس پر یہ دلیل دیتے ہیں: کہ قاضی لوگوں کے درمیان پیدا ہونے والے جھگڑوں کا فیصلہ ہر دو فریقین اور گواہوں وغیرہ کے بیانات سن کر ہی کر سکتا ہے اور اسی طرح وہ سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنے کے قابل ہو سکتا ہے۔ اور مقر و منکر کی پہچان کر سکتا ہے۔ چنانچہ کسی ایسے آدمی کو قاضی مقرر کرنا جائز نہیں ہو گا جو سماع کی قوت نہ رکھتا ہو اور اگر کوئی اس منصب پر فائز ہونے کے بعد کبھی قوت سماع سے محروم ہو گیا تو وہ عہدہ کا اہل نہیں رہے گا۔[2]

امام ماوردیؒ لکھتے ہیں: کہ اگر ایک شخص مکمل طور پر سننے کی صلاحیت سے محروم نہیں بلکہ اونچی اواز سے سن سکتا ہے یا کسی آلے کے ذریعے وہ آواز سننے پر قادر ہے تو ایسی صورت میں اس آدمی کو قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ مذکورہ صورت میں بھی صحیح سننے والے ہی کو ترجیح دی جائے گی۔[3]

مالکیہ فقہاء کے نزدیک قاضی کی قوت سماعت کا ٹھیک ہونا اگرچہ شرط ہے لیکن اگر اس کو کوئی بیماری لاحق ہو جائے اور وہ سننے کی صلاحیت سے محروم ہو جائے۔ اسکو معزول کیا جائے گا، لیکن معزول ہونے سے قبل جو فیصلہ کرے گا وہ قابل نفاذ ہو گا۔[4]
جب کے دیگر مذاہب کے فقہاء کے نزدیک قوت سماعت سے معذور شخص کو معزول ہونے کی صورت میں اس کی طرف سے کئے گئے فیصلے بھی کالعدم تصور ہونگے اور انہیں نافذ نہیں کیا جائے گا۔[5]

---

[1] بدائع الصنائع، ۷/۱، ۱۴ادب القاضی للماوردی ۱/ ۶۲۳، المقدسی ۹/ ۴۰

[2] ایضا

[3] الماوردی ابوالحسن، علی بن محمد، ادب القاضی ۱/ ۶۲۳

[4] ابولبرکات احمد بن محمد، الشرح الصغیر ۴/ ۱۷۸، ۱۷۷

[5] ایضا

(۹)زبان کاٹھیک ہونا

ائمہ اربعہ کاموقف:

ائمہ اربعہ کے نزدیک کے نزدیک قاضی کے عہدہ کی اہلیت کے لیے بولنے پر قدرت رکھنا شرط ہے۔ چنانچہ کسی ایسے شخص کو جو بول نہیں سکتا ہو، گونگا ہو۔ قاضی مقرر نہیں کیا جاسکتا خواہ وہ اشارے کے ذریعے اپنا مدعا بیان کرنے پر کتنا ہی قادر کیوں نہ ہو۔[1] اور اس پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں: کہ اس کی علت یہ ہے کہ گونگے شخص اپنی عدالت میں پیش ہونے والے معاملات میں فریقین کے مقدمہ پر جرح نہیں کر سکتا اور نہ ہی خود فیصلے کے الفاظ کی ادائیگی کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں ایسے شخص کا اشارہ بھی ہر کوئی نہیں سمجھ سکتا اور نہ ہی اشارے سے اس کا صحیح مفہوم متعین کرنا ہر ایک کے بس کی بات ہے۔[2]

بعض ائمہ شوافع کا نقطہ نظر

ابو اسحاق ابراہیم شیرازیؒ[3] لکھتے ہیں: فقہاء شافعیہ میں سے بعض کے نزدیک گونگے شخص کو اس صورت میں قاضی مقرر کیا جاسکتا ہے کہ اس کا اشارہ سمجھا جا سکتا ہو۔ اور وہ دوسروں کا اشارہ بھی سمجھنے اور اس سے مقصود تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔[4]

دلائل سے ائمہ اربعہ کا مذہب ہی قابل ترجیح لگتا ہے، اس لیے کہ بولنے کی صلاحیت نہ رکھنے والا ایسے نقص کا شکار ہوتا ہے جس کی موجودگی میں نہ صرف انصاف کے تقاضے مکمل طور پر پورے نہیں ہو سکتے بلکہ وہ قاضی کی شخصیت پر بھی اثر انداز ہوتا ہے اور اس کی عدالت کے رعب و دبدبہ میں کمی کا باعث بن سکتا ہے. اس لیے ائمہ اربعہ کا مذہب ہی راجح ہے۔

---

[1] ابولبرکات احمد بن محمد، الشرح الصغیر ۱۷۸/۴، ۱۷۷

[2] ایضا

[3] آپ کا نام ابرہیم بن علی تھا، شیرازی سے مشہور تھے۔ آپ کی پیدائش ایران کے شہر "فیروزآباد" میں ۳۹۳ھ میں ہوئی۔ آپ مناظرہ میں ید طولی رکھتے تھے۔ نظام الملک نے دجلہ کے کنارے آپ کے لئے مدرسہ نظامیہ بنایا تھا جس میں آپ درس دیا کرتے تھے۔ آپ کے تصانیف میں سے "طبقات الفقہاء" اور "المہذب" مشہور ہیں۔ آپ نے بغداد میں ۴۷۶ھ کو وفات پائی۔ (دیکھیے طبقات الفقھاء، ترجمۃ المؤلف، ابو اسحاق ابراھیم بن علی الشیرازی، دار الرائد العربی، بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولی، ۱۹۷۰ء)

[4] ابو اسحاق ابراہیم بن علی، المہذب فی فقہ مذہب الامام الشافعی ۳۹۰/۴

قاضی کے فرائض

اسلام نے ہر شعبہ کے لیے کچھ حقوق اور فرائض مقرر کئے ہیں۔ان حقوق اور فرائض کا لحاظ رکھتے ہوئے وہ شعبہ معاشرے کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے اگر ان حقوق اور فرائض سے تجاوز کیا جائے تو یہیں سے معاشرے کے اندر بدامنی اور انتشار پیدا ہو جاتا ہے اور دوسرے کے حقوق کا استحصال ہو جاتا ہے۔اس لیے ان حقوق اور فرائض کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے۔اسلامی قانون میں محکمہ عدلیہ ایک بہت اہم شعبہ قرار دیا گیا ہے جس کے لیے اختیارات بھی بہت وسیع اور فرائض بھی زیادہ ہیں ان فرائض کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

فرض کی لغوی تعریف

علامہ زبیدیؒ لکھتے ہیں:

"الْفَرْض: الْعَلامَة، قِيلَ: وَمِنْه فرض الصَّلَاة وَغَيرهَا انَّمَا هُوَ اللَّازِم للْعَبد كلزوم الْعَلامَة۔"[1]

ترجمہ: فرض بمعنی علامت اور اس سے ماخوذ ہے نماز کا فرض ہونا اور یہ علامت کے لازم ہونے کی طرح بندے کے لیے لازم ہوتا ہے

وحید الدین قاسمی فرض کے معانی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"الفرض۔ لکڑی وغیرہ میں بنایا ہوا چول، سوراخ ج: فراض وفروص، بندوں پر اللہ تعالیٰ کا فرض کیا ہوا عمل یا قانون، انسان کا خود پر لازم کیا ہوا عمل یا ضابط و پابندی، کسی مسئلہ یا قضیہ کے حل کے لیے بطور دلیل واستشہاد فرض کیا ہوا نظریہ (مفروضہ)، سرکاری عطیہ یا تنخواہ، بے پر اور بے پھل تیر، ڈھال ج: فروض۔"[2]

مولوی فیروزالدین لکھتے ہیں:

"فرض۔وہ کام ہے جو خدا کے حکم سے ضروری ہو، ضروری، لازمی، نماز کی وہ رکعتیں جن کا پڑھنا لازمی ہے، ذمہ داری باری ثبوت، نکاح، جمع فرائض"[3]

---

[1] الزبیدی، ابوالفیض، محمد بن محمد بن عبدالرزّاق الحسینی، تاج العروس من جواھر القاموس، فرض، ۴۲۸/۱۸

[2] وحیدالدین قاسمی، القاموس الوحید، مراجعۃ وتقدیم عمیدالزمان قاسمی ص ۱۲۲۰

[3] مولوی فیروزالدین، فیروزاللغات، ص۹۳۹

اصطلاحی مفہوم: علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

"انَّ الْفَرْضَ مَا ثَبَتَ بِدَلِيلٍ قَطْعِيٍّ لَا شُبْهَةَ فِيهِ كَالْايمَانِ وَالْاَرْكَانِ الْاَرْبَعَةِ، حَتّٰى يَكْفُرَ جَاحِدُهُ وَيَفْسُقُ تَارِكُهُ بِلَا عُذْرٍ "[1]

ترجمہ: فرض وہ ہوتا ہے جو ایسی دلیل قطعی سے ثابت ہو جس میں کوئی شبہ نہ ہو جیسے ایمان اور ارکان اربعہ، اس کا انکار کفر اور بغیر عذر کے اس کا ترک کرنے والا فاسق ہوتا ہے۔

لیکن یہاں پر اس سے مراد وہ اصول ہے جو قاضی کو فیصلہ کرتے وقت اس کا خیال رکھنا چاہیے۔

ا۔ نظام عدل کو قائم کرنا

قاضی کا تقرر اس لیے عمل میں آتا ہے کہ وہ انصاف قائم کرے، حقدار کو حق دلائے، ظلم کو روکے اور نیکی کی اشاعت کرے۔ اس متعلق ربُّ العلمین کا فرمان ہے:

﴿اعْدِلُوا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾[2]

ترجمہ: انصاف سے کام لو، یہی طریقہ تقوی سے قریب تر ہے۔

قرآن حکیم میں ایک اور جگہ پر فرمانِ ربانی ہے:

﴿ وَاَقْسِطُوا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴾[3]

ترجمہ: انصاف سے کام لیا کرو، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

رب العزت نے قرآن حکیم میں مختلف جگہوں پر انصاف مہیا کرنے کی تاکید کی ہے۔

آنحضرت ﷺ اور صحابہ ؓ نے عدل وانصاف مہیا کرنے کا عملی نمونہ پیش کیا کہ آپ ﷺ نے قاضی کی حیثیت سے مدینہ میں موجود یہودیوں کے مختلف قبائل میں امتیاز کو ختم کرکے انہیں برابر قرار دیا۔ اسی طرح سرور کونین ﷺ: کہ قانون کی نظر میں سب افراد برابر ہیں۔

اس لیے قاضی کا فرض ہے کہ اس کی نظر میں سب لوگ برابر ہو، اور معاشرے کے تمام طبقات کے لیے انصاف کے مساوی مواقع فراہم کرے۔

---

[1] ابن عابدین، محمد امین بن عمر، ردالمحتار علی الدر المختار، ۳۱۳/۶

[2] سورہ المائدہ، ۲/۶

[3] سورہ الحجرات، ۹/۲۷

۲۔ فریقین کے درمیان مکمل مساوات رکھنا

قاضی کو فریقین کے درمیان، گفتار، کردار اور لب ولہجہ ہر چیز میں مکمل مساوات رکھنی چاہیئے۔

اس بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنِ ابْتُلِيَ بِالْقَضَاءِ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ، فَلْيَعْدِلْ بَيْنَهُمْ فِي لَحْظَتِهِ وَاشَارَتِهِ وَمَقْعَدِهِ وَمَجْلِسِهِ))[۱]

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو آدمی مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کرنے کا مکلف ہو، اسے چاہیئے کہ ان کے درمیان اشارے، کینائے، بیٹھنے اور مجلس میں برابری قائم رکھے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے:

((قَضَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انَّ الْخَصْمَيْنِ يَقْعُدَانِ بَيْنَ يَدَيِ الْحَكَمِ))[۲]

ترجمہ: رسول ﷺ نے فیصلہ دیا کہ فریقین، حاکم عدالت کے سامنے بیٹھیں۔

ان نصوص سے یہ نتائج نکل رہے ہیں، کہ جب قاضی عدالت میں انصاف کی کرسی پر بیٹھا ہو اور وہ مقدمہ کی سماعت میں مصروف ہو تو اس کا فرض ہے کہ وہ فریقین، مدعی اور مدعی علی سے برابری کا سلوک کرے، انہیں برابر بٹھائے، ان سے ایک سی آواز میں گفتگو کرے۔ اور ان کی طرف توجہ دینے میں مساوی سلوک کرے جب مدعی اور مدعی علیہ عدالت میں حاضر ہوں تو ان کے عہدہ، مرتبہ، اور قوم کا ہرگز لحاظ نہ کرے۔ یعنی فریقین کی نشست و برخاست اور مخاطبت وغیرہ میں مکمل یکساں سلوک کرے انہیں عدالتی نظام کے اداب اور طریق کار کو ملحوظ رکھنے کی برابر تلقین کرے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے انصاف اور عدل ہوتا ہوا دکھائی دے گا۔ اور اس سے لوگ عدالت پر بھی اعتماد کرینگے، جس سے عدالتی نظام اور قاضی کی عظمت واحترام قائم رہے گی۔

۳۔ مکمل سماعت کے بعد فیصلہ جاری کرنا

مقدمہ میں جب تک فریقین کی بات نہ سنی جائے اس وقت تک اصل مسئلہ سامنے نہیں آتا، اس لیے شریعت مطہرہ کا یہ اصول ہے کہ قاضی فریقین کا موقف سنے بغیر کوئی فیصلہ نہ کرے جس کے بارے سردار دوجہاں ﷺ کی حدیث ہے:

---

(1) الدار قطنی، ابوالحسن علی بن عمر بن احمد، سنن الدار قطنی، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان الطبعۃ الاولی، ۱۴۲۴ھ ۲۰۰۴ء، ۳۶۵/۵، حدیث نمبر ۴۶۶۶،

(2) ابوداود، سلیمان بن اشعث، سنن ابوداود، کتاب القاضی، باب کیف یجلس الخصمان بین یدی القاضی ۲/۷/۹۳ حدیث نمبر ۳۵۸۸

((اذَا تَقَاضَى الَيكَ رَجُلَانِ، فَلَا تَقْضِ لِلاَوَّلِ حَتَّى تَسْمَعَ كَلَامَ الاخَرِ، فَسَوْفَ تَدْرِی كَيفَ تَقْضِی))[1]

ترجمہ: کہ جب دو افراد اپنا مقدمہ پیش کریں تو آپ ایک کے حق میں فیصلہ نہ کریں جب تک دوسرے فریق کا موقف نہ سن لیں۔ ممکن ہے فیصلہ کی کوئی شکل نکل آئے۔

قاضی چونکہ انصاف مہیا کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے اور انصاف اسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے جب فریقین کو اپنا اپنا موقف پیش کرنے کے مکمل مواقع حاصل ہوں۔ اس لیے قاضی کے فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ فریقین کو اپنا اپنا مدعا بیان کرنے کے لیے یکساں سہولیات اور مواقع فراہم کرے۔ اس لیے مقدمہ کے فریقین کو سننے کی بعد ہی فیصلہ کرے۔ جہاں تک ہو سکے یک طرفہ کاروائی سے باز رہے۔ ایسا کرنے سے نہ صرف انصاف کے تقاضے پورے ہونگے بلکہ مقدمے کی صحیح صورت حال بھی سامنے آجائے گی۔

۴: حالتِ غصہ میں فیصلہ نہ کرنا

غصہ کی حالت میں انسان جو بھی کام کرتا ہے اسکا انجام اکثر غلط ہوتا ہے اس لیے شریعت نے غصہ کی حالت میں کام کرنے سے ممانعت جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے۔

((كَتَبَ ابُو بَكْرَةَ الَى ابْنِهِ، وَكَانَ بِسِجِسْتَانَ، بِانْ لا تَقْضِيَ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَانْتَ غَضْبَانُ، فَانِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «لا يَقْضِيَنَّ حَكَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ))[2]

ترجمہ: ابو بکرہؓ نے اپنے بیٹے (عبید اللہ) کو لکھا اور وہ اس وقت شہر سجستان میں تھے کہ دو مردوں کے درمیان غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرنا کیونکہ میں نے سید البشر ﷺ سے سنا ہے کہ کوئی ثالث دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ اس وقت نہ کرے جب وہ غصہ میں ہو۔

انسان جب غصہ میں ہوتا ہے تو اس کے حواس اس وقت صحیح طور پر کام نہیں کرتے، اور اس کی فیصلہ کرنے والی قوتیں صحیح کام نہیں کرتی۔ اس حالت میں کئے گئے کام اور فیصلے اکثر غلط ہوتے ہیں، اس لیے غصہ کی حالت میں کوئی بھی اجتماعی فیصلہ کرنے سے باز رہنا چاہیے۔ غصہ کی حالت میں فیصلہ کر دینے سے نصوص میں بار بار ممانعت ائی ہے۔ لہذا غصہ کے حالت فیصلہ کرنا شریعت کے رو سے صحیح نہیں ہوگا۔ اس لیے قاضی اور حاکم کو غصہ کے حالت میں فیصلہ کرنے سے بچنا چاہیے۔

---

(1) ترمذی، محمد بن عیسٰی، السنن ترمذی، باب ماجاء فی القاضی لایقضی بین الخصمین، ۱/۳۸۰ حدیث نمبر ۱۲۹۱

(2) بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب ھل یقضی القاضی اویفتی وھو غضبان، ۲/۱۰۶۰ حدیث نمبر ۷۱۵۸

۵۔اطمینان اور سکون کے ساتھ مقدمہ کو سننا

انسان کو جب بھوک اور پیاس لگی ہوتی ہے اس حالت میں توجہ کے ساتھ کام کرنا مشکل ہوتا ہے اس لیے شریعت نے بھوک اور پیاس کی حالت میں عبادات اور معاملات سے منع کیا ہے اور جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا يَقْضِي الْقَاضِي اِلَّا وَهُوَ شَبْعَانُ رَيَّانُ)) [1]

ترجمہ: رسول ﷺ نے فرمایا کہ قاضی اس وقت تک فیصلہ نہ کرے جب تک وہ خوب کھایا پیا اور سیر نہ ہو۔

بھوک پیاس اور اضطرابی حالت میں انسان کی توجہ بٹی ہوئی ہوتی ہے، اور ذہن صحیح طور پر کام نہیں کرتا، اس لیے ایسے حالت میں صحیح فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اور قاضی مقدمہ کی طرف مکمل توجہ نہیں دے سکتا، فیصلہ میں خطاء ہونے کا امکان زیادہ ہوتا ہے، اس لیے یہ حکم ہے کہ خوب کھا پی کر اطمینان حاصل کرنے کے بعد مقدمہ کی سماعت کرے اور فیصلہ کرے۔ بلکہ بھوک اور پیاس کی حالت میں نماز کی ادئیگی سے بھی روکا گیا ہے۔ اس لیے کہ اس حالت میں نماز کا حق ادا نہیں ہوگا، شریعت کا یہ فلسفہ ہے کہ جو بھی کام کرو تو اس کو پورے حقوق کے ساتھ ادا کرو۔

۶ - قاضی کے پاس ہر وقت آمد و رفت ممکن ہو

جو بھی صاحب منصب ہوتا ہے، اس کے لیے لازم ہے کہ ہر وقت اپنے دروازے عوام کے لیے کھلے رکھے۔ اور عوام کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ کھڑی کرے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں وارد ہے:

((مَنْ وَلِيَ مِنْ امْرِ الْمُسْلِمِينَ شَيْئًا فَاحْتَجَبَ دُونَ خَلَّتِهِمْ وَحَاجَتِهِمْ وَفَقْرِهِمْ وَفَاقَتِهِمْ احْتَجَبَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ دُونَ خَلَّتِهِ وَفَاقَتِهِ وَحَاجَتِهِ وَفَقْرِهِ)) [2]

---

[1] الدار قطنی، ابو الحسن علی بن عمر بن احمد، سنن الدار قطنی، کتاب فی الاقضیۃ والاحکام و غیر ذالک، ۵۱۲/۲، دیکھیے: درجۃ الحدیث قال ابن القطان، متروک الحدیث، البدر المنیر فی تخریج الاحادیث والاثار الواقعۃ فی الشرح الکبیر، سراج الدین ابو حفص عمر بن علی، دار الھجرۃ للنشر والتوزیع، الریاض، السعودیہ، الطبعۃ الاولی، ۲۰۰۴ء، ۵۷۰/۹)

[2] ابن البیع، ابو عبد اللہ الحاکم محمد بن عبد اللہ، المستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت الطبعۃ الاولی، ۱۴۱۱، ۱۹۹۰، ۹۴/۴، حدیث، ۷۰۲۷، (دیکھیے: درجۃ الحدیث، قال الحاکم، صحیح الاسناد البدر المنیر فی تخریج الاحادیث والاثار الواقعۃ فی الشرح الکبیر، سراج الدین ابو حفص عمر بن علی ۵۶۸/۹)

ترجمہ: جس آدمی کو مسلمانوں کے کسی مسئلہ کا والی بنایا گیا اور وہ ان سے چھپ کر ان کی بھلائی چاہنے سے، ان کی ضروریات ان کی تنگدستی اور ان کے فاقہ سے بے خبر ہو گیا، تو رب کائنات قیامت کے روز اس سے چھپ کر اس کی بھلائی چاہنے سے اس کی ضروریات، اس کی تنگدستی اور اس کے فاقہ سے منہ پھیر لیں گے۔

اس حدیث میں ایک عام اصول ہر قسم کے حکمران کے لیے بتایا گیا ہے، لہذا عدالتوں اور ان میں خدمات انجام دینے والوں کے لیے یہ اصول بطریق اولی لاگو ہوگا، اس لیے کہ اسلامی ریاست میں لوگوں کے درمیان عدل کرنا سب سے اہم فریضہ ہے، رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کی زندگی پر نظر دوڑنے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ کہ ان تک ہر انسان کی رسائی ممکن تھی، اور وہ ہر وقت انصاف کو قائم کرنے کے لیے مستعد رہتے تھے۔

اس لیے مسلمان قاضی کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ انصاف قائم کرنے کے لیے ہر وقت مستعد رہے۔ جس وقت بھی اور جو بھی انصاف کے حصول کے لیے آئے، اسکو عدالت میں انے سے نہ روکے اور ہر انصاف کے طالب کو انصاف کے مساوی مواقع مہیا کرے۔

۷ - فیصلہ کا وقت مقرر کرنا

قاضی کے فرائض میں سے ہے کہ جب اس کی عدالت میں کوئی مقدمہ دائر ہو تو وہ اس کا فیصلہ کرنے کے لیے مناسب تاریخ مقرر کرے اور مقررہ تاریخ کی اطلاع فریقین کو بھی دے۔

جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے:

((امَا عَلِمْتَ انَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اذَااخْتَصَمَ الَيْهِ الْخَصْمَانِ، فاتَّعَدَا الْمَوْعِدَ،)) [1]

ترجمہ: کیا تمہیں یہ بات پتہ نہیں کہ سید البشر ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ آپ ﷺ کی خدمت میں جب دو آدمی اپنا مقدمہ پیش کرتے اور اگلی تاریخ دونوں کے مشورہ سے مقرر ہو جاتی تھی۔

اس حدیث سے جو نتائج نکلتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

فیصلے کے لیے وقت اور تاریخ مقرر کی جائے۔ اور اسی وقت اور تاریخ پر فیصلہ سنایا جائے۔

جتنا جلدی ہو سکے مقدمہ کو نمٹایا جائے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ آج کل مقدمہ کے فیصلہ آنے میں سالوں لگتے ہیں۔

اور فیصلوں کے تاخیر ہونے کے کئے وجوہات ہیں جو درجہ ذیل ہیں:

---

(1) الہیثمی، حافظ علی بن ابی بکر، مجمع الزوائد، کتاب الاحکام، باب فی الرشاء، مکتبۃ القدسی، قاہرہ، ۱۴۱۴ھ، ۱۹۹۴ء، ۱۹۸/۴، ۱۹۷
(دیکھیے: تخریج الحدیث، وفیہ خالد بن نافع الاشعری. قال ابو حاتم: لیس بقوی یکتب حدیثہ، وضعفہ الائمۃ)

1۔عام طور پر وکلاء مقرر تاریخ پر حاضر نہیں ہوتے اور اگر حاضر بھی ہو جائے، تو انہوں نے تیاری نہیں کی ہوتی ہے جس کے وجہ سے وہ اگلی تاریخ لیتا ہے اور یوں فیصلہ موخر ہوتا ہے

2۔ بعض اوقات کسی کو تنگ کرنے کے لیے مدعی علی پر دور کی عدالت میں مقدمہ دائر ہوتا ہے، اور مدعی علیہ کے لیے اس عدالت میں اس مقدمے کے پیروی کرنا مشکل ہوتا ہے اور یوں فیصلہ تاخیر کا شکار ہو جاتا ہے

3۔ قاضیوں کے کمی کے وجہ سے مقدمہ کی سنوائی جلدی نہیں ہوتی، جس کے وجہ سے مقدمہ کی سنوائی کی تاریخ بہت دور رکھی جاتی ہیں اور یوں فیصلہ تاخیر کا شکار ہو جاتا ہے

4۔سیاسی مقدموں کی وجہ سے عوام کے مقدمات اور مسائل کی سنوائی دیر سے ہوتی ہے۔اور فیصلے تاخیر کا شکار ہو جاتے ہیں

5۔ بعض اوقات فریقین کے میں سے کسی کے دباؤ کی وجہ سے قاضی فیصلہ کرنے میں تاخیر کرتا ہے

انہی وجوہات کے وجہ سے فیصلے تاخیر کا شکار ہوتے ہیں

اس لیے وکلاء پر لازم کیا جائے کہ مقرر تاریخ پر تیاری کے ساتھ عدالت میں حاضر ہو جائیں، اور جو حاضر نہ ہو اس کے لیے سزا مقرر کی جائے اور جو بار بار سزا کا مرتکب ہو جائے اس کی وکالت کی لائسنس منسوخ کیا جائے۔

یہ قانون بنایا جائے کہ کسی پر کوئی مقدمہ دائر کرنا ہو اسی عدالت میں دائر کیا جائے جہاں پر وہ رہتا ہوں یا فریقین کے رضامندی سے وہاں پر مقدمہ کو منتقل کیا جائے جہاں پر دونوں راضی ہوں۔

حکومت وقت کو چاہیے کہ قاضیوں کی کمی کو پورا کیا جائے۔اس لیے کہ اس محکمہ سے ریاست اور ملک میں امن وامان قائم ہوتا ہے۔اور عوام کو اعتماد ملتا ہے۔

سیاسی مقدموں کے لیے الگ عدالت قائم کی جائے اور یہ لازم ہو کہ اس عدالت کے علاوہ سیاسی مقدموں کو نہ سنا جائے۔

قاضی اور ان کے خاندان کے لیے مکمل حفاظتی بندوبست کیا جائے تاکہ وہ اپنے فیصلوں میں آزاد ہو اور کسی قسم کا خوف نہ ہو اور وہ عدل اور انصاف کے ساتھ فیصلے کرے۔

۸ ۔ رشوت سے گریز

شریعت کا اولین مقصد انصاف اور عدل ہے وہ تب قائم ہو سکتا ہے جب رشوت نہ ہو اس لیے رشوت کے متعلق بہت سخت وعید ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:

((لَعَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاشِيَ وَالمُرْتَشِيَ فِي الحُكْمِ))[1]

[1] ترمذی، محمد بن عیسٰی، السنن ترمذی، باب ماجاء فی الراشی والمرتشی فی الحکم، ۳۸۱/۱ حدیث، ۱۲۹۵

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلے میں رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے دونوں پر لعنت بھیجی ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں قاضی کی بنیادی ذمہ داری اور فرائض میں سے ہے کہ وہ رشوت سے بچے۔ یوں تو کسی بھی معاملے یا محکمے میں رشوت قبیح فعل ہے لیکن خاص طور پر عدالتی محکمہ میں رشوت لینا اور دینا بہت برا فعل ہے۔ اس سے انصاف اور عدل ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ رشوت انصاف کی راہ میں حائل ہوتا ہے، اور رشوت لینے والا انصاف کے ساتھ کبھی بھی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اس لیے خصوصی طور پر قاضی کے بارے میں ہے کہ وہ رشوت سے بچے۔ اس لیے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ قضاۃ کی معاشی طور پر ساری ضروریات کو پورا کیا جائے تاکہ وہ ذہنی طور پر بلکل آزاد ہو اور کسی قسم کے رشوت لینے سے باز رہے اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے۔

۹۔ مدعی اور مدعا علیہ سے ذمہ داری پوری کرنا

اسلامی نظام قضاء میں گواہ اور قسم کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ کوئی بھی مقدمہ گواہوں اور قسم کے ذریعے حل ہوتا ہے۔ سب سے پہلے مدعی کو گواہ پیش کرنا ہوتا ہے، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے:

((الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينُ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْه))[1]

ترجمہ: بینہ (گواہی) مدعی پر ہے اور قسم مدعا علی پر (منکر)

اس لیے قاضی کی ذمہ داری ہے کہ وہ مدعی سے گواہ طلب کرے۔ گواہوں کو عدالت میں بیان دینے کے لیے مکمل سہولتیں مہیا کرے۔ اور گواہوں کی پوری جان پڑتال کرنے کے بعد پھر فیصلہ کرے۔

اگر گواہ نہ ہو پھر جس شخص پر مقدمہ ہو، اس سے قسم لے کیونکہ محبوب دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قسم لیا کرتے تھے۔ مسلمان سے ان الفاظ میں قسم لی جاتی تھی:

((احلف بالله الذي لا اله الا هو ماله عندک شی))[2]

ترجمہ: میں قسم کھاتا ہوں اس اللہ کی ذات پر جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں میرے پاس مدعی کی کوئی چیز نہیں۔

---

(1) ترمذی، محمد بن عیسیٰ، السنن ترمذی، باب ماجاء ان البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر علیہ، ۳۸۱/۱، حدیث ۱۲۹۹

(2) ابوداود، سلیمان بن اشعث، سنن ابوداود، کتاب ابواب القضاء، باب کیف الیمین، ۱۵۵/۲ احدیث ۳۶۲۰

جب کہ غیر مسلم افراد سے ان الفاظ میں قسم لی جاتی تھی۔

جیساکہ رسول ﷺ نے ابن صوریا[1] سے قسم لی تھی:

((اذکّرکُم باللہ الذي نجّاکم من ال فرعون، واقْطَعَکم البحر، وظَلَّلَ علیکم الغَمامَ، وانزَلَ علیکُم المَنَّ والسَّلوی))[۲]

ترجمہ: اس اللہ کو یاد کرو جس نے تمہیں فرعون سے نجات دی تمہارے لیے سمندر کو چیرا اور تم پر من وسلویٰ اتارا۔

مدعا علی جس مذہب کا ہو اس کے مطابق اس سے قسم لی جائے۔

مقدمہ کے حل کے لیے اسلام کا یہ بنیادی اصول ہے کہ مدعی سے گواہ اور مدعا علیہ سے قسم لیا جائے۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ آج کل ہمارے عدالتوں میں اس اصول پر عمل نہیں ہوتا۔ عدالت کو چاہیے اسلامی اصولوں کے پابندی کرے۔ اور اس کے مطابق فیصلے کرے۔

---

[1] آپ کا نام عبداللہ بن صوریا تھا، ابن صوریا الاسرائیلی سے مشہور تھے۔ آپ یہود کے احبار میں سے تھے۔ زنا اور رجم والا قصہ میں آپ کا تذکرہ ملتا ہے۔ جو مفسرین اس آیت کے تحت (یا أَيُّهَا الرَّسُولُ لا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسارِعُونَ) المائدہ ۴۱، ذکر کرتے ہیں

[2] ابوداود، سلیمان بن اشعث، سنن ابوداود، کتاب ابواب القضاء، باب کیف الیمین، باب کیف یحلف الذمی، ۱۵۵/۲، حدیث ۳۶۲۶

فصل دوم:

جوان صحابہ کرام کے عدالتی فیصلے

عہد نبوی سے لیکر خلفائے راشدین کے دور تک انصاف کا شعبہ یعنی عدلیہ بالکل شفاف اور مثالی رہا کیونکہ اسلام کا چراغ طلوع ہونے کے بعد آپ ﷺ نے خود قاضی القضاۃ کی حیثیت سے تصفیے کئے۔اور صحابہ کرام نے آپ ﷺ کی ماتحتی میں بطور قاضی فیصلے کئے۔آپ ﷺ اور صحابہ کرام انصاف کے معاملے میں کبھی بھی سفارش یا دباؤ کو قبول نہیں فرماتے تھے۔آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ بلا جھجک میرٹ اور اصول کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے۔آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد خلفائے راشدینؓ کے ادوار میں سلطنت اسلامیہ کافی وسیع ہو چکی تھی اس لیے ہر صوبے اور علاقے میں قاضی کا تقرر ہوتا رہا۔عہد نبوی سے لیکر خلیفہ ثانی کے دور تک قضاۃ میں سے جوان صحابہ کرام کے فیصلوں کو اس فصل میں ذکر کیا جائیگا۔

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ

نام و کنیت: نام، علی، کنیت، ابوالحسن

سلسلہ نسب: علی کرّم اللہ وجہہ بن ابی طالب ابن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف القرشی الہاشمی [1]

قبولِ اسلام ۔حضرت علی کرّم اللہ وجہہ مختلف روآیات کے مطابق ابھی اٹھ ،دس یا تیرا سال کے تھے کہ آپ ﷺ کو نبوت ملی۔اور حضرت علی کرّم اللہ وجہہ حضور ﷺ کے ساتھ ہی رہتے تھے۔چنانچہ ایک دن آنحضرت ﷺ اور ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کو عبادت کی حالت میں دیکھا۔اس نے آپ پر اثر کیا اور اسلام لے آئے اور بچوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے بن گئے۔[2]

وفات: رمضان کے مہینہ ۴۰ھ، ۶۳ سال کے عمر میں شہید ہو کر اس دار فانی سے چلے ہو گئے۔[3]

---

(1) ابن الاثیر، ابوالحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابہ، ۸۷/۴

(2) ابن حجر، ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ۴۶۴/۴

(3) ابن الاثیر، ابوالحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابہ، ۱۰۲/۴

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے فیصلے

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے شروع ہی سے تربیت گاہ نبوت میں پرورش پائی تھی،اور حضور پاک ﷺ نے ان کی فقاہت کی ان الفاظ کے ساتھ عزت افزائی فرمائی تھی:

((أَنَا دَارُ الحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا))[1]ترجمہ:میں حکمت کا گھر اور علی اسکا دروازہ ہے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشہور قول ہے"لَوْلَا عَلِی لَهَلَکَ عُمر"[2]ترجمہ:اگر علی کرّم اللہ وجہہ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

تین مردوں کا ایک عورت سے جماع کا تصفیہ

جب آپ یمن میں تھے تو اس وقت آپ کے سامنے ایک خاتون کا مقدمہ پیش ہوا۔جس سے ایک ماہ کے اندر تین مردوں نے ہم بستری کی تھی۔نوماہ بعد اس کا ایک بچہ پیدا ہوا،اب یہ مسئلہ پیدا ہو گیا کہ بچہ کو کس سے منسوب کیا جائے،ہر ایک نے اس کے باپ ہونے کا دعویٰ کیا،حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے یہ حکم صادر فرمایا کہ اس لڑکے کی دیت کے تین حصے کئے۔پھر چھٹی ڈالی جس کے نام چھٹی نکلی،اس کے حوالے کیا اور باقی دونوں کو دیت کے تین حصوں میں سے دو حصے اس سے لیکر دلوادئے،جب نبی ﷺ نے حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کا یہ فیصلہ سنا تو سید الکونین ﷺ ہنس پڑھے۔[3]

یہ ایک مشکل مسئلہ تھا،اور اس کو قرعہ اندازی کے ذریعے حل کیا۔اور اس سے یہ ثمرہ نکلتا ہے جب عدالت میں اس طرح کا مسئلہ آجائے جس میں تین،چار آدمی مدعی ہوں پہلے تو اصل مدعی تلاش کیا جائے۔اگر اصل مدعی ملنا مشکل ہو،تو پھر اس طرح کے مسئلہ میں ڈی این اے یا انگلیوں کی نشانات(finger print)کے ذریعہ پتہ کیا جائے۔پھر جس کے ساتھ وہ موافق آجائے اسی کو وہ شئے یامال دیا جائے۔اور باقیوں کو قیمت دلوائی جائے۔

واضح رہے کہ یہاں اس بات کا قوی احتمال ہے کہ ان تینوں افراد کی یہ نازیبہ حرکت ان کی مسلمان ہونے سے پہلی کی ہو،کیونکہ دین اسلام میں یہ صراحتاً حرام ہے۔[4]

---

[1]الترمذی، محمد بن عیسی بن سورہ،باب مناقب علی بن ابی طالب،۲/۲۵۲،حدیث نمبر ۳۶۹۶

[2] ابن عبد البر،یوسف بن عبد اللہ،الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب،۳/۱۰۹۵

[3]النسائی ،ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب،سنن النسائی،۲/۱۱۲،حدیث نمبر ۳۴۸۸

[4]ایضا،حاشیۃ السندی

جانوروں کے بارے میں فیصلہ

دو آدمی نبی کریم ﷺ کے دربار رسالت میں آئے، ان میں سے ایک کہنے لگا: میرے پاس ایک گدھا تھا اور اس کے پاس گائے تھی، اس کی گائے نے میرے گدھے کو ہلاک کر دیا ہے سردار دو جہاں ﷺ نے ابو بکر صدیقؓ کو حکم دیا: ان کا فیصلہ کرو انہوں نے جواب دیا جانوروں پر کوئی تاوان نہیں ہے۔ پھر آپ ﷺ نے عمر بن خطابؓ سے فرمایا: تم انکا فیصلہ کرو۔ انہوں نے بھی وہی جواب دیا۔ پھر آپ ﷺ نے علی کرّم اللہ وجہہ کو حکم دیا کہ ان کے درمیان فیصلہ کرو۔ علی کرّم اللہ وجہہ نے ان سے پوچھا: کیا وہ دونوں جانور آزاد تھے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں: پھر حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے پوچھا کہ کیا وہ دونوں بندھے ہوئے تھے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے پھر پوچھا: کیا گائے بندھی ہوئی تھی اور گدھا آزاد تھا، انہوں نے کہا نہیں۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ دوبارہ پوچھا کیا گدھا بندھا ہوا تھا اور گائے آزاد تھی، وہ کہنے لگے ہاں تو حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے فیصلہ کیا کہ گائے کے مالک پر تاوان ہے۔[1]

اصل تو یہ ہے کہ جب جانور کسی کو مار دے یا زخمی کرے تو اس کا کوئی تاوان نہیں ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں آتا ہے:

((العَجْمَاءُ جَرْحُهَا جُبَارٌ، وَالبِئْرُ جُبَارٌ، وَالمَعْدِنُ جُبَارٌ، وَفِي الرِّكَازِ الخُمُسُ))[۲]

ترجمہ: چوپائے اگر کسی کو زخمی کر دیں تو ان کا خون بہا نہیں، کنویں میں گرنے کا کوئی خون بہا نہیں، کان میں دبنے کا کوئی خون بہا نہیں اور دفینہ میں پانچواں حصہ ہے۔

اگر کسی کا جانور کسی آدمی کو اپنے پاؤں سے روندے یا کسی کو سینگ یا دم مار کر یا منہ سے کاٹ کر زخمی کر دے اور وہ آدمی مر جائے یا جو جانور کسی چیز کو نقصان وضائع کر دے تو اس کا کوئی تاوان نہیں ہے بشرطیکہ اس جانور کے ساتھ کوئی آدمی نہ ہو۔[3]

اگر جانور کے ساتھ کوئی ہانکنے والا یا کھینچنے والا یا اس جانور پر کوئی سوار ہو اور اس جانور سے کوئی چیز ضائع ہو گئی ہو اور یہ ثابت ہو جائے کہ اس نقصان میں اس کی غلطی و غفلت کا دخل ہے۔ تو اس صورت میں احناف اور شوافع کے درمیان اختلاف ہے۔

---

(1) الماوردی ابوالحسن، علی بن محمد، ادب القاضی، ۳۸/۲

(2) بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، کتاب الدیات، باب: المعدن جبار والبئر جبار، ۵۵۸/۲ حدیث نمبر ۶۹۲۱

(3) ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری، ۲۵۲/۱۲

عندالاحناف اس جانور کے ساتھ جو بھی آدمی ہوگا اس پر تاوان واجب ہوگا۔[1]

اس بارے میں حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر جانور نے دن میں کسی چیز کو ضائع کیا ہے تو اس کے مالک پر کوئی تاوان وغیرہ واجب نہیں ہوگا لیکن اگر جانور نے رات میں کسی چیز کو ضائع کیا ہے مثلاً کسی کا کھیت چر گیا یا کسی کے باغ کو نقصان پہنچایا تو اس صورت میں جانور کے مالک پر تاوان واجب ہوگا کیونکہ رات میں جانورں کی نگہبانی ان کے مالکوں پر لازم ہے اور دن میں اپنے کھیت و باغات اور دوسری چیزوں کی حفاظت کرنا ان کے مالکوں پر لازم ہے۔[2]

قرین قیاس سے احناف کا مسلک راجح معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب جانور نے کسی کو کوئی نقصان پہنچادیا اور مالک کی غفلت کی وجہ سے یہ نقصان ہوا ہو تو اسکا مالک تاوان کا ذمہ دار ہوگا۔ اس لیے کہ مالک براہ راست اس کی نقصان کا ذمہ دار ہے اور سواری تو اس کی ہاتھ میں ایک آلہ ہے۔ لیکن اگر مالک کی کوتاہی ثابت نہ ہو، تو پھر وہ نقصان کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ ا

موجودہ دور کے موٹریں وغیرہ بھی اس حکم میں آسکتے ہیں۔

دیت کا مسئلہ

یمن میں چند لوگوں نے شیر کو پھنسانے کے لیے ایک کنوں کھودا تھا شیر اس میں گر گیا۔ چند افراد ایک دوسرے کو ہنسی مذاق میں ایک دوسرے کو دھکیل رہے تھے کہ اچانک ایک کا پیر پھسل گیا۔ وہ اس کنویں میں جا گرا ۔اس نے اپنی جان بچانے کے لیے بے ساختہ دوسرے کو پکڑا ،وہ بھی اپنی جگہ رہ نہ سکا کہ گرتے گرتے اس نے تیسرے آدمی کو پکڑا، اور اسی طرح تیسرے نے چھوتے کو پکڑ لیا۔ چاروں کنویں میں گر پڑے اور ببر شیر نے چاروں کو مار ڈالا۔ ان مرے ہوئے آدمیوں کے ورثاء کے درمیان جھگڑا پیدا ہوا، حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں فیصلہ کرتا ہوں ،اگر پسند نہ ہو، تو آپ ﷺ سے دوبارہ رجوع کر لو، لوگوں نے رضامندی ظاہر کی، آپؓ نے یہ تصفیہ کیا کہ جن لوگوں نے یہ کنواں کھودا، ان کے قبیلوں سے ان مقتولین کے دیت کی رقم اس طرز پر وصول کی جائے کہ ایک کو مکمل ، ایک کو ثلث ،ایک کو ایک چھوتھائی اور ایک کو نصف، پہلے مقتول کے ورثاء کو ایک چوتھائی خوں بہا، دوسرے کو ثلث، تیسرے کو نصف اور چھوتے کو پورا خوں بہادیا۔ لوگوں نے اس فیصلے سے آپ ﷺ کو باخبر کیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس فیصلے کو برقرار رکھا۔[3]

---

[1] کاسانی، علاءالدین ابو بکر مسعود، بدائع الصنائع، ۷/۷۲۳

[2] ماوردی، ابوالحسن، علی بن محمد، الحاوی الکبیر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان الطبعۃ الاولی، ۱۴۱۹ھ، ۱۹۹۹ء، ۱۳/۴۶۷

[3] ابن حنبل، احمد بن محمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، مسند علی، ۱/۷۷

اس فیصلہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب اس طرح کی صورت حال ہو تین، چار آدمی ایک دوسرے کی وجہ سے مر جائے۔ ان کی دیت کا فیصلہ مناسخہ [1] کی صورت میں کیا جائے۔

نسب کو ثابت کرنا

حضرت فاروق اعظمؓ کے دور میں ایک مسئلہ عدالت میں پیش ہوا۔ ایک انصاری جوان لڑکا کہتا ہے کہ جناب! میں فلاں عورت کا بیٹا ہوں، مگر وہ مجھے اپنا بیٹا ماننے سے انکاری ہے۔ پوچھا گیا آپ کے پاس کوئی ثبوت ہے۔ جناب! میں اس کا ثبوت کیا پیش کر سکتا ہوں!؟

عورت سے سوال ہوا، اس نے سرے سے انکار کیا کہ میری تو کبھی شادی ہی نہیں ہوئی ہے۔ اور چند گواہوں کو بھی عدالت فاروقی میں پیش کر دیا، جنہوں نے یہ گواہی دی کہ اس عورت نے کبھی کسی سے شادی نہیں کی ہے پھر اس کا بچہ کہاں سے پیدا ہو گیا؟ یہ لڑکا جھوٹ بول کر خواہ مخواہ یہ باور کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ اس عورت کا بیٹا ہے یہ تو سراسر بہتان ہے۔

حضرت عمر بن خطابؓ نے یہ سارے سننے کے اس نوجوان پر حد جاری کرنے کا حکم دے دیا۔ اسی دوران حضرت علی کرّم اللہ وجہہ وہاں آ گئے۔ اور اس مقدمے کے بارے میں پوچھنے لگے۔ لوگوں نے پورا واقعہ سنایا حضرت علی کرّم اللہ وجہہ اس مقدمے سے متعلق سب لوگوں کو بلایا اور مسجد نبوی میں بیٹھ گئے۔

پھر خاتون سے پوچھا: کیا یہ لڑکا آپ کا بیٹا نہیں ہے؟ اس نے جواب دیا یہ میرا بیٹا ہر گز نہیں ہے۔

علی کرّم اللہ وجہہ نے اس نوجوان سے کہا، کہ تم بھی ویسے ہی انکار کرو کہ یہ خاتون میری ماں نہیں ہے

نوجوان عرض کرنے لگا: اے سید البشر ﷺ کے چچازاد بیٹے! یہ میں کیسے کہہ سکتا ہوں جبکہ میں خوب جانتا ہوں کہ یہ میری ماں ہے۔

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ تم اس کو ماں کہنے سے انکار کر دو، اور میں آج سے تمھارا باپ اور میرے بیٹے حسن و حسین تمھارے بھائی ہوں گے۔ نوجوان نے مان لیا اور کہا کہ میں اس عورت کو ماں ماننے سے انکار کرتا ہوں۔

پھر حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے عورت کے اولیاء سے فرمایا "کیا اس عورت کے بارے میں میری بات مانی جائے گی "

اولیاء نے عرض کی۔ ہاں ہاں کیوں نہیں، بلکہ ہمارے بارے میں آپ جو بھی حکم دیں گے ہم ماننے کو تیار ہے۔

---

[1] ترکہ تقسیم ہونے سے پہلے کسی وارث کے مر جانے کے سبب اس کے حصہ کا ورثہ، وارثوں کو منتقل ہو جانا، اس کو مناسخہ کہتے ہیں۔

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے اپنے غلام قنبر کو حکم دیا کہ تم جا کر درہموں کی تھیلی لاؤ، ان حاضرین کے سامنے تم گواہ رہو کہ میں نے اس اجنبی عورت کی شادی اس نوجوان سے کر دی۔

قنبر گیا اور درہموں کے تھیلی لا کر حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے پیش کر کے رکھ دی۔ آپؓ نے عورت کو بطور مہر یہ درہم دیے اور اس لڑکے سے فرمایا "اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑو اور اس کے بعد ہمارے پاس اس صورت میں حاضر ہونا جبکہ تمھارے اوپر سہاگ رات کے نشانات ہوں"

یہ کہہ کر جوں ہی حضرت علی کرّم اللہ وجہہ اٹھے، خاتون کہنی لگی۔ اللہ اللہ اے ابوالحسن! یہ لڑکا تو میرے حق میں جہنم کا ٹکڑا بن جائیگا، یہ تو اللہ کی قسم، میرا بیٹا ہے، میں اب مان گئی اور آپ کے سامنے اقرار کرتی ہوں کہ یہ میرا بیٹا ہے

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے فرمایا یہ کیسے آپ کا بیٹا ہو سکتا ہے؟ جبکہ تم نے ابھی کچھ ہی لمحے پہلے اسے اپنا بیٹا ماننے سے انکار کیا تھا اور ساتھ گواہوں کو بھی پیش کیا تھا۔ عورت کہنی لگی: دراصل بات یہ ہے کہ اس نوجوان کا باپ حبشی تھا ، میرے بھائیوں نے اس کے ساتھ میری زبردستی شادی کرادی۔ اور اس سے مجھے حمل ٹھہر گیا۔ کچھ دنوں بعد اس کا باپ اللہ کے راہ میں شہید ہو گیا، اس کے بعد یہ پیدا ہوا تو میں نے اسے فلاں قبیلے میں بھیج دیا میرے اس بیٹے نے اسی قبیلے میں پرورش پائی پھر میں نے اسے اپنا بیٹا ماننے سے انکار کر دیا۔

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے پورا واقعہ سن کر کہنے لگے: میں کسی اور کا باپ کیونکر ہو سکتا ہوں؟! پھر آپ نے اس لڑکے کو اس عورت کے ساتھ بھیج دیا، اور اسکا نسب بھی اس عورت کے ساتھ ثابت کر دیا۔ (1)

اس فیصلہ سے جو ثمرہ اخذ ہوتا ہے وہ یہ کہ: اس مسئلہ میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے دوراندیشی سے کام لیا ، ظاہری طور پر ان کے سامنے کوئی گواہ وغیرہ موجود نہیں تھا۔ اور نہ اور کوئی ایسا قرینہ موجود تھا جس وہ ثابت کرتا کہ یہ اس عورت کا بیٹا ہے، لیکن اپنی ذہانت کا استعمال کر کے اس مسئلہ کو حل کیا۔ اس لیے قاضی کے سامنے اگر ایسے مسائل سامنے ائیں۔ جسکی ظاہری طور پر کوئی دلیل وغیرہ نہیں ہو، اور ان کو پتہ بھی ہو کہ حق دوسرا ہے تو اس وقت اپنی ذہانت سے ایسا طریقہ اختیار کرے جس سے مسئلہ کی حقیقت سامنے آجائے اور مسئلہ حل ہو جائے۔

---

(1) ابن قیم، محمد بن ابی بکر بن ایوب، الطرق الحکمیہ، مکتبہ دار البیان، بدون طبعہ و تاریخ، ص ۶۲

مجنونہ سے سزا ختم کرنا

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک مجنون زانیہ عورت پیش کی گئی، حضرت عمرؓ نے اس پر حد جاری کرنے کا ارادہ فرمایا، حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ اس پر حد جاری کرنا جائز نہیں کیونکہ مجنون حدود شرعی سے مستثنی ہے، یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا۔(1)

مجنون، پاگل سے اگر جرم سرزد ہو جائے تو وہ ہدر ہے اس لیے کہ سزا مکلف کو دی جاتی ہے، اور یہ مکلف نہیں ہے۔

دو مسافروں کا فیصلہ

دو مسافر تھے ایک کہ پاس تین روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس پانچ روٹیاں تھی، دونوں مل کر ایک ساتھ کھانے کو بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک اور مسافر بھی آگیا، وہ کھانے میں شریک ہوا کھانے سے جب فراغت ہوئی تو اس نے اٹھ درہم اپنے حصہ کی روٹیوں کی معاوضہ دے دی اور آگے بڑھ گیا جس کی پانچ روٹیاں تھیں اس نے سیدھا حساب کیا کہ اپنی پانچ روٹیوں کی معاوضہ پانچ درہم لی اور دوسرے کو اس کی تین روٹیوں کی معاوضہ تین درہم دینی چاہیے، مگر وہ اس پر راضی نہ ہوا اور نصف کا دعوہ کیا۔ یہ معاملہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے سامنے پیش ہوا آپؓ نے دوسرے کو نصیحت فرمائی کہ تمھارا دوست جو فیصلہ کر رہا ہے اسکو قبول کر لو اس میں زیادہ تمھارا نفع ہے لیکن اس نے کہا کہ حق کے ساتھ جو فیصلہ ہو منظور ہے۔

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ مرتضی نے فرمایا کہ حق تو یہ ہے کہ تم صرف ایک درہم اور تمہارے رفیق کو سات درہم ملنے چاہیے، وہ اس فیصلہ سے حیران ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ آپ تین آدمی تھے، تمھاری تین روٹیاں تھیں اور تمھارے دوست کی پانچ، تم دونوں نے برابر کھائیں اور ایک تیسرے کو بھی برابر کا حصہ دیا۔ تمھاری تین نانوں کے حصے تین جگہ کئے جائیں تو ۹ ٹکڑے ہوتے ہیں۔ تم اپنے ۹ ٹکڑوں اور اس کے ۱۵ ٹکڑوں کو جمع کرو تو ۲۴ ہوتے ہیں۔ تینوں میں سے ہر ایک نے برابر ٹکڑے کھائے تو فی کس ۸ آٹھ ٹکڑے ہوتے ہیں۔ تم نے اپنے ۹ میں سے ۸ خود کھائے اور ایک تیسرے مسافر کو دیا اور تمھارے دوست نے اپنے ۱۵ ٹکڑوں میں سے ۸ خود کھائے اور سات دوست کو دیئے۔ اس لیے آٹھ درہم میں سے ایک کے تم اور سات کا تمھارا دوست مستحق ہے۔(2)

اس فیصلہ سے دو قسم کے نتائج نکلتے ہیں:

---

(1) ابن حنبل، احمد بن محمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، مسند علی ۱/۱۴۰

(2) السیوطی، حافظ جلال الدین عبد الرحمن بن ابو بکر، تاریخ الخلفاء، نفیس اکیڈم طبع پنجم اردو بازار کراچی ۱۹۷۳ء، ص ۱۸۳

پہلا: یہ کہ عدالت میں آنے سے پہلے فریقین آپس میں جس طریقے سے بھی فیصلہ کرے اور وہ راضی ہو جائے تو وہ فیصلہ اسی طرح ہو گا۔

دوسرا: یہ کہ جب عدالت میں مسئلہ آجائے تو اس وقت پر شرعی اور عقلی اصولوں کے مطابق فیصلہ ہو گا۔

معاذ بن جبلؓ

نام کنیت اور لقب: نام معاذ، کنیت ابو عبد الرحمن لقب، امام الفقہاء، کنز العلماء

سلسلہ نسب: معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس بن عائذ بن عدی بن کعب بن عمرو بن ادی بن علی بن اسد بن ساردۃ بن یزید بن جشم بن عدی بن نابی بن تمیم بن کعب بن سلمہ، ابو عبد الرحمن الانصاری الخزرجی۔[1]

اسلام: نبوت کے بارہویں سال جب مدینہ میں اسلام کی دعوت شروع ہوئی تو حضرت معاذؓ، مصعب بن عمیرؓ کے خدمت میں آئے اور صدق دل سے اسلام قبول کر لیا، اس وقت ان کی عمر ۱۸ سال تھی۔[2]

معاذؓ کی فقاہت

فتح مکہ کے بعد جب سردارِ دو جہاں ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف بطور قاضی اور حاکم روانہ کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا؟ فیصلہ کس طرح کروگے؟ حضرت معاذؓ کہا کہ قرآن مجید سے فیصلہ کرونگا، فرمایا" اگر اس میں نہ ملے" کہا کہ کہہ سنتِ ماب ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا، فرمایا"اور اس میں بھی نہ ہو" کہا کہ میں خود اجتہاد کروں گا، آنحضرت ﷺ نہایت خوش ہوئے، "اور فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے رسول ﷺ کے رسول کو اس چیز کی توفیق دی جس کو اس کا رسول پسند کرتا ہے"۔ پھر نبی کریم ﷺ نے مکینِ یمن کو ایک فرمان لکھوایا جس میں معاذؓ کے رتبہ کی طرف ان الفاظ میں اشارہ تھا:

((اِنِی بَعَثْتُ لَکُمْ خَیرَاَهلِی))[3]

ترجمہ: میں اپنے لوگوں میں سے بہترین کو تمہارے لیے بھیجتا ہوں۔

---

[1] ابن الاثیر، ابو الحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابہ، ۱۰۲/۴

[2] ایضا، ۱۸۷/۵

[3] ابن حنبل، احمد بن محمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، مسند معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، ۴۳۵/۵

وفات: حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ۱۷یا۱۸ھ میں طاعونِ عمواس میں ۳۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔[1]

یہودی کے میراث کا مسئلہ

معاذؓ جب یمن میں تھے تو ایک مقدمہ ان کی عدالت میں پیش ہوا، ایک یہودی مر گیا تھا اور اور اس نے ایک مسلمان کو وارث کے طور پر چھوڑا تھا، حضرت معاذؓ نے مسلمان کو اسکا وارث بنادیا اور فرمایا:

" الْإِسْلَامُ يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ، فَوَرَّثَ الْمُسْلِمَ "[2]

ترجمہ: اسلام بڑھتا ہے گھٹتا نہیں ہے پھر انہوں نے مسلمان کو ترکہ دلایا۔

ایک دوسری روایت میں بیان فرمایا گیا:

'' لاَ يَرِثُ المسْلِمُ الكَافِرَ وَلاَ الكَافِرُ المسْلِمَ۔''[3]

ترجمہ: مسلمان باپ کافر بیٹے کا وارث نہیں ہوتا اور نہ کافر بیٹا مسلمان باپ کا۔

اس مسئلہ میں دو مختلف آراء ہیں:

پہلی رائے میں مسلمان کو کافر کا وارث بنایا جاسکتا ہے جیسا کہ حدیث معاذؓ میں ہے اس مسئلہ میں حضرت معاذؓ کے ساتھ دیگر صحابہ میں حضرت معاویہؓ، حضرت سعید ابن المسیبؒ، اور حضرت مسروقؒ شامل ہیں

دوسری رائے میں مسلمان کافر کا وارث نہیں بن سکتا یہ جمہور صحابہ کرامؓ کا موقف ہے۔ اور ائمہ اربعہ بھی اسی مؤقف کو مانتے ہیں:

حضرت معاذؓ کے مسلک کا جواب حضرت اسامہؓ اور ان کے متبعین یہ دیتے ہیں۔ کہ یہ حدیثِ معاذؓ عموم پر دلالت کرتی ہے۔ اور دوسرا یہ کہ اس سے میراث کے مسئلہ پر استنباط پکڑنا یہ قیاس ہے۔ اور حدیث اسامہؓ اس بارے میں خاص ہے۔ اور خاص کو عام پر اور قیاس پر فوقیت حاصل ہوتی ہے۔[4]

اس لیے دلائل کے اعتبار سے جمہور صحابہ کرامؓ کا مسلک قوی اور راجح معلوم ہوتا ہے۔

---

(1) ابن الاثیر، ابو الحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابہ، ۱۸۷/۵

(2) السجستانی، ابوداود، سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داود، کتاب الفرائض، باب ھل یرث المسلم علی الکافر، ۵۶/۲، حدیث نمبر ۲۹۲۱

(3) بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسمعیل، صحیح البخاری، کتاب الفرائض، باب لا یرث المسلم علی الکافر والکافر ۵۳۴/۲، حدیث نمبر ۶۷۶۴

(4) ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، ۵۰/۱۲

بیٹی اور بہن کے درمیان میراث کا فیصلہ

جب معاذؓ یمن میں تھے تو ایک آدمی مر گیا اور اس نے ایک بیٹی اور ایک بہن ورثاء کے طور پر چھوڑا۔ حضرت معاذؓ نے بیٹی کو نصف حصہ دیا اور بہن کو باقی سارا دیا (عصبہ مع الغیر مانتے ہوئے)۔[1]

حضرت معاذؓ نے ایک شرعی اصول وضع کیا کہ ورثاء میں سے اگر صرف بیٹی اور بہن رہ گئی ہو تو اس وقت بہن کو بیٹی کے حصہ کے علاوہ باقی سارا مال اس کو ملے گا۔

قاضی کے لیے ایک شرعی اصول بھی ملتا ہے کہ میراث کے مسائل تفصیل سے نصوص میں ذکر ہے، اس لیے ان اصولوں کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔

حدود کو نافذ کروانا

ایک مرتبہ حضرت معاذؓ حضرت عبداللہ بن قیسؓ (ابو موسی اشعری) کے پاس یمن میں ملاقات کے لیے تشریف لائے، تو دیکھا کہ ان کے پاس لوگوں کا ہجوم ہے اور ایک شخص کے دونوں ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہیں، انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ "عبداللہ بن قیسؓ! کون ہے؟ بولے "یہ مرتد ہو گیا ہے انہوں نے اس کے قتل کا مشورہ دیا حضرت ابو موسیؓ نے کہا کہ "یہ اس لیے گرفتار ہو کر ایا ہے "آپ گھوڑے سے اتر آیئے بولے "جب تک یہ قتل نہ ہو گا، میں نہ اتروں گا" حضرت ابو موسیؓ نے اس کے قتل کا حکم دیا تو وہ اتر کر اندر آئے۔[2]

حضرت معاذؓ نے حد کو نافذ کرنے کے لیے اتنی سختی اور تاکید کی، اس سے ثمرہ نکلتا ہے کہ حدود کے نافذ کرنے میں کسی قسم کے نرمی اور شفقت نہ کی جائے، قاضی کو چاہیے کہ جہاں پر بھی حدود کے بارے میں مسئلہ آجائے تو اسکو سختی کے ساتھ نافذ کیا جائے۔

حاملہ عورت کا فیصلہ

حضرت عمر بن خطابؓ کے دور میں ایک حاملہ عورت کا شوہر دو سال سے غائب تھا، لوگوں کو شبہ ہوا، حضرت عمرؓ نے اسے سنگسار کرنے کا ارادہ فرمایا حضرت معاذ بولے کہ عورت کے رجم کا آپ کو بیشک حق ہے لیکن بچہ کے رجم کرنے کے کیا معنی ہیں؟ حضرت فاروق اعظمؓ نے اس وقت چھوڑ دیا اور فرمایا وضع حمل کے بعد سنگسار کیا جائے۔ لڑکا

---

(1) وکیع، ابو بکر محمد بن خلف، اخبار القضاۃ، عالم الکتب بیروت، بدون سن طباعت ۹۹/۱

(2) بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الوحی، باب بعث ابی موسی و معاذ الی الیمن، ۱۰۰/۲ حدیث ۴۳۴۱

پیدا ہوا تو وہ اپنے باپ کے بلکل مشابہ نکلا۔ باپ نے دیکھا تو قسم کھا کر کہا کہ یہ تو میرا بیٹا ہے۔ حضرت عمرؓ کو جب خبر ملی تو فرمایا: "کہ معاذ کا مثل عورتیں نہ پیدا کریں گی، اگر معاذ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔"[1]

اس فیصلہ سے کئی قسم نتائج نکلتے ہیں:

(1) ملزم کو سزا سے بچنے کے لیے یا موخر ہونے کے لیے قاضی کو کوئی بھی قانونی راستہ مل جائے تو وہ اختیار کرے

(2) اگر کسی پر کوئی جرم ثابت ہو جائے اور وہ بیمار ہو تو اسکی بیماری کے صحیح ہونے تک سزا اس سے مؤخر کیا جائے

(3) جب مسئلہ مشتبہ ہو جائے تو جب تک مسئلہ واضح نہ ہو جائے اس وقت تک سزا مؤخر کیا جائے

(4) اگر عورت کا شوہر غائب ہو جائے اور اس دوران عورت حاملہ ہو جائے، اور اس عورت پر الزام لگ جائے، تو بچہ جننے تک اس کے بارے میں فیصلہ مؤخر کیا جائے، بچہ جننے کے بعد بچے کو دیکھ کر فیصلہ کیا جائے

آج کل ڈی این اے سے پتہ چلتا ہے۔ لیکن اس سے حد نافذ نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کہ ڈی این اے صرف قرینہ ہے اور قرینہ سے حد نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ علامہ ابن قدامہؒ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وَإِذَا أُحْبِلَتْ امْرَأَةٌ لَا زَوْجَ لَهَا، وَلَا سَيِّدَ، لَمْ يَلْزَمْهَا الْحَدُّ بِذَلِكَ، وَتُسْأَلُ فَإِنْ ادَّعَتْ أَنَّهَا أُكْرِهَتْ، أَوْ وُطِئَتْ بِشُبْهَةٍ، أَوْ لَمْ تَعْتَرِفْ بِالزِّنَا، لَمْ تُحَدَّ. وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ، وَالشَّافِعِيِّ-''[2]

ترجمہ: اگر کسی عورت کو حمل ٹھر جائے جسکا شوہر نہ ہو اور نہ ہی اسکا کوئی آقا ہو تو حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس پر حد جاری نہیں ہو گی۔ جب تک کہ وہ زنا کا اقرار نہ کرلے یا شرعی شہادت زنا پر پائی جائے۔

حالانکہ غیر شادی شدہ عورت میں حمل سے بڑھ کر زنا کا کیا قرینہ ہو گا، لیکن فقہاء کرام اس قرینہ کا بھی حد زنا کے ثبوت کے حق میں اعتبار نہیں کیا۔

زید بن ثابت رضی اللہ

نام کنیت اور لقب: نام زید، کنیت: ابو سعید، ابو خارجہ اور ابو عبد الرحمن، القابات: کاتب الوحی، مقری اور حبر الامت

سلسلہ نسب: زید بن ثابت بن الضّحاک بن زید بن لوذان بن عمرو بن عوف بن غنم بن مالک بن النّجار الانصاری الخزرجی،[3]

---

[1] الدار قطنی، ابوالحسن علی بن عمر بن احمد سنن الدار قطنی، ۵۰۰/۴

[2] ابن قدامہ، ابو محمد موفق الدین عبد اللہ، المغنی لابن قدامۃ، ۷۹/۹

[3] ابن الاثیر، ابوالحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابہ، ۳۴۶/۲

اسلام لانا: آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو اس وقت زید بن ثابتؓ گیارہ سال کے تھے، اور وہ اسلام لا چکے تھے اور ۱۷ سورتوں کے حافظ ہو چکے تھے لوگوں نے آپ کو آنحضرت ﷺ کے خدمت میں لے گئے اور کہا کہ یہ بنی نجار سے ہے اور ۱۷ سورتیں یاد کر چکے ہیں۔[1]

وفات: ۵۵،۵۶ سال کے تھے کہ پیام اجل آگیا اور باختلاف اقوال ۴۲،۴۳،اور ۴۵،ھ حضرت امیر معاویہ کی خلافت میں وفات پائی۔[2]

عہدہ قضاء: حضرت عمر بن خطابؓ کے دور میں جب قضاء کا محکمہ الگ ہو گیا تو آپؓ نے زید بن ثابتؓ کو مدینہ کا قاضی مقرر کیا قاضی وکیع لکھتے ہیں:

"ان عمر استعمل زیدا علی القضاء وفرض لہ رزقا"[3]

ترجمہ: حضرت عمرؓ نے زیدؓ کو قاضی بنایا اور ان کی تنخواہ مقرر کی۔

اس وقت تک قاضی کے لیے عدالت کی عمارت تعمیر نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے حضرت زید بن ثابتؓ کا گھر دار القضاء کا کام دیتا تھا۔

حضرت عمرؓ کا زیدؓ کو فریقین کے درمیان فرق نہ کرنے کا حکم

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ کے درمیان کسی مسئلہ پر نزاع پیدا ہوا۔ حضرت زیدؓ کے عدالت میں مقدمہ دائر ہوا۔ حضرت عمر فاروقؓ مدعا علیہ کے حیثیت سے حاضر ہوئے۔ حضرت زیدؓ نے حضرت عمرؓ کے لیے اپنی جگہ خالی کر دی۔ حضرت عمرؓ نے زید سے فرمایا کہ یہ آپ کی پہلی ناانصافی ہے، مجھ کو اپنے فریق کے ساتھ بیٹھنا ہے، دونوں حضرات عدالت کے سامنے بیٹھے۔ مقدمہ پیش ہوا۔ حضرت ابیؓ مدعی تھے اور حضرت عمر فاروقؓ مدعا علیہ تھے، شرعی اصول ہے کہ قسم منکر پر واجب ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ پر قسم واجب تھا لیکن حضرت زیدؓ نے خلیفہ کے ادب واحترام کی بناء مدعی سے درخواست کی کہ اگرچہ یہ قاعدہ نہیں لیکن آپ امیر المؤمنین کو قسم معاف کیجئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس رعایت کی ضرورت نہیں۔ فیصلہ میں عمر اور عام مسلمان آپ کے نزدیک برابر ہونے چاہیے۔[4]

---

(1) ابن الاثیر، ابوالحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابہ، ۳۴۶/۲

(2) ابن حجر، ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۴۹۲/۲

(3) وکیع، ابو بکر محمد بن خلف، اخبار القضاۃ، ص۱۰۷

(4) ایضا

اس مسئلہ سے قاضی اور عدالت کے لیے ایک بنیادی اصول نکلتا ہے کہ قاضی کے نظر میں فریقین برابر ہو،اور دونوں کے ساتھ عدالت میں ایک جیسا برتاؤ کیا جائے، کسی کی شان اور رتبے کے وجہ سے اسکے ساتھ خاص برتاؤ نہ کیا جائے۔

حذیفہ بن یمانؓ

نام کنیت اور لقب: نام حذیفہ، کنیت ابو عبداللہ، لقب صاحب السر رسول ﷺ، والد کا نام حسیل، لقب یمان

سلسلہ نسب: حذیفہ بن حسل / حسیل بن جابر بن عمرو بن ربیعہ بن جروۃ بن الحارث بن مازن بن قطیعۃ بن عبس بن بغیض بن ریث بن غطفان[1]

قبولِ اسلام:

ان کی والد نے اپنے علاقے میں کسی شخص کو قتل کر کے مدینہ آگئے تھے اور یہاں پر رہائش اختیار کر لی تھی۔اور یہی پر شادی کر لی جس سے حسب ذیل اولاد پیدا ہوئی،حذیفہ، سعد صفوان، مدلج، لیلی یہ لوگ یمان کے نام سے پہچان بن گئی۔

جب حضرت حذیفہؓ ایمان لائے اس وقت آنحضرت ﷺ مکہ میں رہائش پزیر تھے، حضرت حذیفہ مدینہ سے مکہ آئے، حضور ﷺ سے ہجرت اور نصرت کے متعلق رائے پوچھی تو آپ ﷺ نے ہجرت کے بجائے نصرت ان کے لیے تجویز فرمایا۔[2]

وفات: ذوالنورین عثمان بن عفانؓ کے وفات کے چالیس روز بعد انہوں نے 36ھ میں وفات پائی۔[3]

قبضہ والے کے حق میں فیصلہ کرنا

یہ ان صحابہ میں سے ہے جن کو آپ ﷺ کے زندگی میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کا اعزاز حاصل ہوا تھا۔

نمران بن جاریہؒ[4] اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

---

[1] یوسف بن عبداللہ، الاستیعاب فی معرفہ الاصحاب، ۳۳۴/۱

[2] ابن حجر، ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ۳۹/۲

[3] ابن الاثیر، ابوالحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابہ، ۷۰۶/۱

[4] آپ کا نام نمران بن جاریہ بن ظفر ہے۔ابن قطان آپ کے بارے میں لکھتے ہیں۔حالہ مجہول (دیکھیے: تھذیب التھذیب، ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی، ۴۷۵/۱۰)

((انَّ قَوْمًا اخْتَصَمُوا الَى النَّبِی ، صَلَّی اللّٰهُ عَلَیه وَسَلَّمَ فِی خُصٍّ كَانَ بَینَهم، فَبَعَثَ حُذَیفَةَ یقْضِی بَینَهمْ، فَقَضَی لِلَّذِینَ یلِیهمْ الْقِمْطُ، فَلَمَّا رَجَعَ الَی النَّبِی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیه وَسَلَّمَ اخْبَرَه فَقَالَ: اصَبْتَ او احْسَنْتَ))[1]

ترجمہ: کچھ لوگوں نے جھگڑا کیا آنحضرت ﷺ کے سامنے ایک جونپڑی میں۔ آپ ﷺ نے حذیفہ بن یمانؓ کو بھیجا ان کا فیصلہ کرنے کے لیے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ جھونپڑی ان کا ہے جن کے نزدیک رسی ہے جس سے وہ جھونپڑا باندھا جاتا ہے۔ جب وہ لوٹے آنحضرت ﷺ کے پاس تو آپ ﷺ نے فرمایا تو نے اچھا کیا اور ٹھیک کیا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کے اس فیصلہ سے قاضی اور عدالت کے لیے ایک بہترین اصول نکلتا ہے۔ فریقین ایک مشترکہ چیز کے مدعی بن جائے لیکن دونوں کے پاس کوئی گواہ نہ ہو، تو اس وقت فیصلہ اس کے حق میں کیا جائے کہ جس کے پاس اس کے لوازمات میں سے کوئی چیز اس کے قبضے میں ہو، یا اس کے قریب ہو۔

معقل بن یسارؓ

نام وکنیت: نام، معقل، کنیت ابو عبد اللہ

سلسلہ نسب: ""معقل بُن یسار بُن عَبْدُ اللہ بُن معبر بُن حراق بن لای بن کعب ابن عبد بن ثور بن ہدمہ بن لاطم بُن عُثْمان بُن عَمَرو بُن اد بُن طابخہ بن الیاس ابن مضر الْمُزنی""[2]

اسلام قبول کرنا:

حضرت معقل بن یسارؓ صلح حدیبیہ سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے، صلح حدیبیہ میں آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ جس وقت آنحضرت ﷺ لوگوں سے بیعت (بیعت الرضوان) لے رہے تھے۔ اس وقت معقل رضی اللہ ایک شاخ سے حضور ﷺ کے اوپر سایہ کئے ہوئے کھڑے تھے۔[3]

وفات: کاتب وحی معاویہؓ کے دور خلافت میں وفات پائی۔ ساٹھ، ستر کے درمیان عمر تھی۔[4]

---

[1] ابن ماجہ، زید بن ماجہ، سنن ابن ماجہ، باب الرجلان یدعیان فی خص، ۲۸۸/۲ حدیث ۲۳۴۳

[2] یوسف بن عبد اللہ، الاستیعاب فی معرفہ الاصحاب، ۱۴۳۲/۳

[3] ابن حجر، ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۱۴۶/۶

[4] ایضا

عہدہ قضاء:

((قَالَ: أَمَرَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَقْضِيَ بَيْنَ قَوْمٍ، فَقُلْتُ: مَا أُحْسِنُ أَنْ أَقْضِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: اللَّهُ مَعَ الْقَاضِي مَا لَمْ يَحِفْ عَمْدًا))[1]

ترجمہ: معقل بن یسار سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنے قوم میں فیصلے کیا کروں ، میں نے عرض کیا یا رسول ﷺ کہ میں اچھی طرح فیصلہ نہیں کر سکتا، آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ قاضی کے ساتھ اس وقت تک رہتا ہے جب تک وہ عمداً ظلم و ناانصافی نہیں کرتا۔

عقبہ بن عامر جہنیؓ

نام و کنیت۔ نام: عقبہ، کنیت: ابو عمر

سلسلہ نسب: عقبہ بن عامر بن عبس (الجہنی) بن زید بن سود بن اسلم ابن عمرو بن الحاف بن قضاعہ [2]

اسلام قبول کرنا:

حضور ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد اسلام میں داخل ہوئے، اسلام کا وقعہ یہ ہے کہ عقبہ بکریاں چرا رہے تھے آپ ﷺ کی مدینہ آنے کی خبر سن کر بکریاں چھوڑ کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی مجھ سے بیعت لیجئے ، آنحضرت ﷺ نے پوچھا؟ بیعت عربیہ کرنا چاہتے ہو یا بیعت ہجرت کہا بیعت ہجرت، چنانچہ بیعت کر کے مدینہ میں مقیم ہو گئے۔[3]

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں: عقبہ فقیہ ، کتاب اللہ کے قاری، فرائض کے ماہر فصیح اللسان ، شاعر اور بلند مرتبہ شخص تھے۔ یہ ان صحابہ میں سے جن کو آپ ﷺ نے لوگوں کے نزاع کے درمیان فیصلہ کرنے کا حکم دیا تھا۔[4]

وفات: معاویہؓ کے زمانہ خلافت کی اخری ایام میں ۵۸ھ میں وفات پائی۔[5]

---

[1] ابن حنبل، احمد بن محمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، اول مسند البصریین، ۴۲۰/۳۳، حدیث ۲۰۳۰۵

[2] ابن الاثیر، ابوالحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابہ، ۵۱/۴

[3] ایضا

[4] الذھبی، شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد، تذکرۃ الحفاظ، دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان طبعہ اولی، ۱۴۱۹ھ ۱۹۹۸ء، ۳۶/۱

[5] یوسف بن عبداللہ، الاستیعاب فی معرفہ الاصحاب، ۱۰۷/۳

دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنا:

((جَاءَ خَصْمَانِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْتَصِمَانِ فَقَالَ لِي: قُمْ يَا عُقْبَةُ اقْضِ بَيْنَهُمَا , قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنْتَ أَوْلَى بِذَلِكَ مِنِّي , قَالَ: وَإِنْ كَانَ اقْضِ بَيْنَهُمَا فَإِنِ اجْتَهَدْتَ فَأَصَبْتَ فَلَكَ عَشَرَةُ أُجُورٍ وَإِنِ اجْتَهَدْتَ فَأَخْطَأْتَ فَلَكَ أَجْرٌ وَاحِدٌ)) [1]

ترجمہ: عقبہ بن عامر جہنی سے روایت ہے رسول ﷺ کے پاس دو آدمی اپنا مقدمہ لیکر آئے۔ اپ ﷺ نے مجھے فرمایا: اٹھ اور ان کے درمیان فیصلہ کر، میں نے عرض کی، کہ آپ ﷺ مجھ سے اولی ہے اس کام کے لیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان کے درمیان فیصلہ کر، اور اگر آپ نے اجتہاد کر کے صحیح فیصلہ کیا تو آپ کے لیے دس اجر ہے اور اگر اجتہاد کر کے فیصلہ میں خطاء کی تو آپ کے لیے ایک اجر ہے۔

خلاصہ

اسلامی شریعت میں قاضی کی شخصیت کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے اس لیے اس منصب کو حاصل کرنے کرنے کے لیے مخصوص شرائط کو لازم قرار دیا گیا ہے۔

ریاست میں مختلف شعبہ جات پائے جاتے ہیں ان میں سے ہر ایک کے ذمہ کچھ حقوق اور فرائض ہوتے ہیں۔ حقوق اور فرائض میں توازن ہی سے ریاست کا حسن قائم رہتا ہے لیکن بعض اوقات انسان اپنے حدود سے تجاوز کر لیتا ہے اور استحصال کی راہ اختیار کر لیتا ہے۔ یہیں سے بدامنی اور انتشار کی ابتدا ہوتی ہے۔ اسلام نے دیگر شعبوں کی طرح اس انسانی کمزوری کی اصلاح اور معاشرے کو بدامنی اور ظلم سے محفوظ رکھنے، عدل اور انصاف کا نظام قائم کرنے کے لیے جو بلند اصول عطا فرمائے اور جو طریقہ عمل وضع کیا، وہ عدل اور انصاف کے شعبہ میں ایک روشن باب ہے۔ اس سلسلے میں جب ہم عہد نبوی خلافت راشدہ پر نظر ڈالتے ہیں تو مختلف مواقع پر جو ان صحابہ کرام نے بطور قاضی جو فیصلے کیے، ان کے فیصلے دور حاضر کے قاضیوں کے لیے نمونہ ہیں۔

---

[1] الدار قطنی، ابوالحسن علی بن عمر بن احمد سنن الدار قطنی، کتاب الاقضیہ والاحکام وغیر ذالک، ۳۶۲/۵، حدیث ۴۴۵۹، رجالہ ص

باب چہارم: جوان جرنیل صحابہ کی جنگی مہارتیں اور خدمات

تمہید: جرنیل، معنی، مفہوم اہمیت و شرائط

فصل اول: جوان صحابہ کی جنگی مہارتیں

فصل دوم: جوان صحابہ کی جنگی خدمات

تمہید:

جرنیل: معنی و مفہوم اور اہمیت و شرائط

جرنیل کا معنی و مفہوم

اسلامی ریاست کے تحفظ کے لیے کیے جانے والے اقدامات کو شریعت نے عبادت کا درجہ دیا ہے اور اسلحہ و جدید ٹیکنالوجی کے ساتھ ساتھ ریاست کے دفاع میں جس چیز کو بنیادی اہمیت حاصل ہے وہ ان اشخاص کی فکری و ذہنی تربیت ہے جو میدان جنگ میں مسلمانوں کی جماعت کی رہبری کرتے ہیں۔ جس کو اردو میں سپہ سالار او جرنیل کہتے ہیں۔

جرنیل انگریزی زبان کے اصل لفظ جنرل (General) سے ماخوذ اردو زبان میں جرنیل مستعمل ہے۔

اردو میں اصل معنی میں ہی بطور اسم مستعمل ہے مولوی فیروز الدینؒ جرنیل کے بارے میں لکھتے ہیں:

''جرنیل: فوج کا اعلیٰ عہدہ دار، سپہ سالار''(۱)

عربی میں جرنیل کے لیے لفظ امیر استعمال ہے۔ محمد بن ابی بکر الرازی لکھتے ہیں:

''الْاَمِيرُ: ذُو الْاَمْرِ وَقَدْ (امَرَ) يامُرُ بِالضَّمِّ (امْرَةً) بِالْكَسْرِ صَارَ اَمِيرًا وَالْاُنْثَى اَمِيرَةٌ بِالْهَاءِ.''(۲)

ترجمہ: امیر کا مطلب امر والا (حاکم) اور میم کے ضمہ کے ساتھ امرۃ مصدر آتا ہے اور کسرہ کے ساتھ امیر اور اسکی مؤنث، امیرۃ

ابو النصر فارابی لکھتے ہیں:

''والاميرُ: ذو الامْرِ. وقد امَرَ فلانٌ وامُرَ ايضا بالضم، اى صار اميرا. والانثى بالهاء. وقال والمصدر الامرة، بالكسر. والامارة: الولايةُ. يقال: فلانٌ امِّرَ وامِّرَ عليه، اذا كان واليا۔''(۳)

ترجمہ: امیر کا مطلب ہوتا ہے حکم دینے والا، اور اس سے ماخوذ ہے کہ فلان نے حکم دیا، اور میم کے ضمہ کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے، یعنی کے وہ امیر بن گیا۔ اور اس سے امرۃ مصدر آتا ہے جسکا مطلب ہوتا ہے الامارہ، والولایہ۔ کہا جاتا ہے فلان کو امیر بنایا گیا یا اس کو امارت سونپی گئی۔ جب وہ والی بن جائے۔

یہاں پر ان سب سے مراد سپہ سالار اور جرنیل ہے۔

---

(1) مولوی، فیروز الدین، فیروز اللغات، ص ۴۶۵

(2) الرازی، ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر، مختار الصحاح، ص ۲۱

(3) الفارابی، ابو النصر، اسماعیل بن حماد، تحقیق، احمد عبد الغفور عطار، الصحاح تاج اللغۃ و صحاح العربیۃ، ۵/۲

اہمیت و شرائط

ریاستی اداروں میں دفاع ایک بہت بڑا ادارہ ہوتا ہے اور جس ملک کا دفاع مضبوط ہوتا ہے وہ ملک محفوظ رہتا ہے اور اسکو باہر سے آنے والے دشمنوں سے خطرہ نہیں ہوتا۔

اور اپنے دفاع کو مضبوط کرنے کے لیے قولِ باری تعالی ہے:

﴿ وَاعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيلِ﴾ (١)

ترجمہ: اور تیار رکھو ان کے مقابلہ کے لیے جو کچھ تم سے جمع ہو سکے (فوجی) قوت سے بھی اور پلے ہوئے گھوڑوں سے بھی، (سامان جنگ)

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

''پھر مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ اپنی طاقت و امکان کے مطابق ان کفار کے مقابلے کے لیے ہر وقت مستعد رہو جو قوت طاقت گھوڑے، لشکر رکھ سکتے ہیں موجود رکھو۔ مسند میں ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے منبر پر قوت کی تفسیر تیر اندازی سے کی اور دو مرتبہ یہی فرمایا تیر اندازی کیا کرو سواری کیا کرو اور تیر اندازی گھوڑ سواری سے بہتر ہے۔''(2)

علامہ جصاصؒ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

''اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے مہیا رکھو) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو قتال کے وقت کی آمد سے پہلے ہتھیار اور گھوڑے تیار رکھنے کا حکم دیا ہے تاکہ دشمن کے دل میں ان کا خوف طاری ہو جائے۔ نیز بندھے رہنے والے گھوڑے پہلے سے تیار رکھنے کا حکم دیا گیا تاکہ مشرکین سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے پوری تیاری ہو جائے۔''(3)

مفتی تقی عثمانی صاحب اس آیت کے تشریح میں لکھتے ہیں:

''یہ پوری امت مسلمہ کے لیے ایک ابدی حکم ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی شوکت قائم کرنے کے لیے ہر قسم کی دفاعی طاقت جمع کرنے کا اہتمام کرے، قرآن کریم نے طاقت کا عام لفظ استعمال کر کے بتا دیا ہے

---

(1) سورہ انفال، ۶۰/۱۰

(2) ابن کثیر، عماد الدین اسمٰعیل بن عمر، تفسیر القرانِ الکریم،

(3) جصاص، احمد بن علی ابو بکر، احکام القرآن، دار احیاء التراث العربی،، بیروت ۱۴۰۵ھ، ۲۵۲/۴

کہ جنگ کی تیاری کسی ایک ہتھیار پر موقوف نہیں؛ بلکہ جس وقت جس قسم کی دفاعی قوت کارآمد ہو اس وقت اسی طاقت کا حصول مسلمانوں کا فریضہ ہے، لہذا اس میں تمام جدید ترین ہتھیار اور الات بھی داخل ہیں اور وہ تمام اسباب وسائل بھی جو مسلمانوں کی اجتماعی معاشی اور دفاعی ترقی کے لیے ضروری ہوں، افسوس ہے کہ اس فریضے سے غافل ہو کر آج مسلمان دوسری قوموں کے دست نگر بنے ہوئے ہیں اور ان سے مرعوب ہیں"[1]

ڈاکٹر اسرار احمدؒ اس آیت کے تشریح میں رقم طراز ہیں:

"یہاں مسلمانوں کو اپنے دشمنوں کے خلاف بھرپور دفاعی صلاحیت حاصل کرنے کی حتی الوسع کوشش کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تیاری کا یہ حکم ہر دور کے لیے ہے۔ آج اگر اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو ایٹمی صلاحیت سے نوازا ہے تو یہ صلاحیت ملک و قوم کی قوت و طاقت کی علامت بھی ہے اور تمام عالم اسلام کی طرف سے پاکستان کے پاس ایک امانت بھی۔ اگر اس سلسلے میں کسی دباؤ کے تحت 'کسی بھی قسم کا کوئی سمجھوتہ (compromise) کیا گیا تو یہ اللہ' اس کے دین اور تمام عالم اسلام سے ایک طرح کی خیانت ہو گی۔ لہٰذا آج وقت کی یہ اہم ضرورت ہے کہ پاکستانی قوم اپنے دشمنوں سے ہوشیار رہتے ہوئے اس سلسلے میں جرات مندانہ پالیسی اپنائے 'تاکہ اس کے دشمنوں کے لیے ایٹمی ہتھیاروں کی صورت میں قوت مزاحمت کا توازن (deterrence) قائم رہے۔"[2]

نصوص سے پتہ چلتا ہے کہ دشمن سے نمٹنے کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیے اور جس کی تیاری جتنی زیادہ ہو گی اتنی ہی اس کی قدر بھی زیادہ ہو گی۔ آج اگر موجودہ دور میں مختلف اسلامی ممالک پر نظر دوڑائی جائے، جو کہ معاشی حوالے سے بہت مضبوط ہیں۔ لیکن ان کی دفاعی قوت کمزور ہونے کی وجہ سے دشمن ممالک کے چالوں سے وہ شکست کھا گئے۔

ملک خداداد پاکستان دفاعی لحاظ سے مضبوط ہے اور دن بدن دفاعی قوت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، اس وجہ سے اللہ کی قدرت سے دشمن کے چالوں سے یہ ملک محفوظ ہے.

جنگ کے میدان میں جرنیل کی صفات اور عادات کا بہت دخل ہوتا ہے۔ قابل اور ماہر جرنیل تھوڑی اور کمزور سی فوج کے ساتھ بڑی اور مضبوط لشکر کو شکست سے دوچار کر سکتا ہے وہ اپنی فوج کا کم سے کم جانی اور مالی نقصان کراتا ہے اپنی بہترین تدبیر اور دوراندیشی کے سبب زیادہ سے زیادہ جنگی فائدہ حاصل کرتا ہے بلکہ وہ اپنا اور دشمن دونوں

---

(1) شیخ الاسلام، مفتی تقی عثمانی، آسان ترجمہ قرآن، ۵۴۵/۱

(2) ڈاکٹر، اسرار احمد، بیان القرآن مکتبہ خدام القرآن لاہور اشاعت ہفتم ۱۴۲۸ھ ۲۰۰۸ء، ۴۲۲/۳، ۲۴۱

کا کم سے کم جانی نقصان کرا کر اور تھوڑی سی جد وجہد سے فتح حاصل کرلیتا ہے جنگ کا نتیجہ کافی حد تک تدبیر پر منحصر ہوتا ہے اور مسلمانوں کی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے

عہد نبوت اور زمانہ خلافت میں دیکھتے ہیں۔ تو ہمیں ایسی بہت سے مثالیں ملتی ہیں کہ جہاں پر جرنیل کی مہارت اور تدبیر کی وجہ سے دشمن شکست سے دوچار ہوا ہے جیسا کہ غزوہ خندق میں رسول ﷺ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے رائے مان کر مدینہ منورہ کے ارد گرد خندق کھودی اور اس بہترین تدبیر کی وجہ سے مشرکین مکہ کو شکست کھانی پڑی۔ جنگ کے میدان میں شکست کو فتح میں اور اپنی فوج کو صحیح سلامت نکالنا یہ بھی ایک جرنیل کی خوبی ہوتی جنگ موتہ میں زید بن حارثہ، جعفر طیار اور عبداللہ بن رواحہ ؓ شہید ہو گئے تو سیف اللہ، خالد بن ولیدؓ نے فوج کے امیر بن گئے اور مسلمانوں کی شکست خوردہ لشکر کو ہمت دلائی اور فوج کو نئی ترتیب سے تشکیل دے دیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کو صحیح سلامت نکال لیا اور کفار پسپا ہو گیا اور یہ مسلمانوں کی فتح تھی۔

اس لیے جنگ کی جیت اور شکست کا انحصار جرنیل پر منحصر ہوتا ہے. اس لیے فقہاء کرام نے جرنیل بننے کے شرائط بھی ذکر کی ہیں۔

علامہ ماوردی سپہ سالاروں کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں۔

پہلی قسم: سپہ سالار کو فقط ترتیب لشکر اور تدبیر جنگ کے اختیارات حاصل ہوں۔[1]

اس کے لیے مندرجہ ذیل شرائط ذکر کرتے ہیں،

(1) اسلام

(2) آزاد ہونا،

(3) عدالت اپنی تمام شرطوں کے ساتھ

(4) صحت حواس و نطق،

(5) صحت اعضاء تاکہ وہ اسے حرکت سے نہ روکے، اور بہ آسانی اٹھنے بیٹھنے میں حارج نہ ہو

(6) شجاعت و دلیری جس سے ملک کی حفاظت اور دشمن سے جہاد کیا جائے۔[2]

دوسری قسم: مذکورہ بالا اختیارات کے علاوہ مال غنیمت کی تقسیم اور دشمنوں سے مصالحت کرنے کا مجاز ہو۔[3]

اس کے تقرر کے لیے درجہ بالا شرائط کے علاوہ درجہ ذیل شرائط بھی ہیں۔،

---

[1] الماوردی ابوالحسن، علی بن محمد، الاحکام السلطانیہ، ص ۷۱

[2] ایضا

[3] ایضا،

(7) عقل وفراست جو رعیت کی نگہبانی اور مصالح کے روبکار لانے میں معین ہو

(8) وزیر کو جنگی اور مالی معاملات سے بخوبی اگاہی ہونا چاہیے کیونکہ بعض مرتبہ یہ کام اسے خود کرنا پڑتے ہیں اور بعض مرتبہ وہ دوسروں سے ان کاموں کو انجام دلاتا ہے تو جب تک وہ خود ان معاملات سے باخبر نہ ہوگا وہ مناسب آدمی کا تقرر نہ کرسکے گا۔[1]

---

[1] الماوردی ابوالحسن، علی بن محمد، الاحکام السلطانیہ، ص ۷۱

فصل اول:

جوان صحابہ کرام کی جنگی مہارتیں

آپ ﷺ کا ہر ہر صحابی اپنے آپ میں ایک جرنیل اور کمانڈر تھا۔ کیونکہ جس طرح کی بہادری، قوت، شجاعت، دلیری، عزم، ہمت اور قربانی حضرات صحابہ کرامؓ نے میدان کارزار میں پیش کی، اور جیسی جنگیں انہوں نے لڑیں، اس کی مثال نہ کوئی آج تک پیش کر سکا ہے اور نہ تا قیامت پیش کر سکتا ہے۔ یہ ان حضرات کی قربانی اور انہی کے جہاد کی برکت تھی کہ اتنے کم عرصے میں اسلام عرب کے صحراؤں سے نکل کر عجم کی وادیوں میں پھیلتا چلا گیا۔ اور دنیا کی بڑی بڑی منظم فوجیں ان کے سامنے ٹک نہ سکیں۔ اور پھر یہ بات بھی مسلم ہے۔ کہ جس طرح حضرات صحابہ کرامؓ کی اخلاقی، تعلیمی، معاشرتی تربیت آنحضرت ﷺ نے فرمائی تھی۔ اسی طرح ان کی جنگی تربیت بھی اللہ کے محبوب احمدِ مجتبیٰ نے فرمائی تھی۔ اس لیے صحابہؓ میں سے ہر ایک بڑا باتدبیر اور ماہر جنگجو اور جرنیل بن گیا۔ لیکن جماعت صحابہ میں سے بعض حضرات میں یہ وصف مکمل طور پر چمکا۔ جن میں سے جوان جرنیل صحابہ کرام کی مہارتوں کا تذکرہ پیش خدمت ہے۔ اور جوان جرنیل سے مراد یہاں پر وہ صحابہ کرام ہیں کہ جنہوں نے پورے لشکر کی قیادت کی یا جنگ کے میدان میں مختلف مواقع پر چھوٹے چھوٹے دستوں کے جرنیل کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیے۔

محمد بن مسلمہ الانصاری الحارثی

نام و کنیت: نام محمد، کنیت: ابو عبد الرحمن،، ابو عبد اللہ

سلسلہ نسب۔ مُحَمَّد بْن مسلمة بن سلمه بْن خَالِد بن عدی ابن مجدعة بن حارثة بن الحارث بن الخزرج بْن عَمْرو بْن مَالِك بْن الاوس۔ (۱)

اسلام۔ سعد بن معاذ سے قبل حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ اسلام قبول کیا، (2)

وفات۔ خلیفہ معاویہؓ کے زمانہ باختلاف اقوال ۴۳، ۴۶یا ۴۷ھ میں اس دنیا رحلت فرماگئے ۷۷ سال کی زندگی پائی۔ (3)

---

(1) یوسف بن عبد اللہ، الاستیعاب فی معرفہ الاصحاب، ۳/۱۳۳۷

(2) ابن الاثیر، ابوالحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابہ، ۲۸/۶

(3) ایضا

کعب بن اشرف کے لیے تدبیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کعب بن اشرف کا کام کون تمام کرے گا؟ وہ اللہ اور اس کے رسول کو بہت ستا رہا ہے۔'' اس پر محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ اجازت دیں گے کہ میں اسے قتل کر آؤں؟ آپ نے فرمایا ''ہاں مجھ کو یہ پسند ہے۔'' انہوں نے عرض کیا، پھر آپ مجھے اجازت عنایت فرمائیں کہ میں اس سے کچھ باتیں کہوں آپ نے انہیں اجازت دے دی۔ اب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کعب بن اشرف کے پاس آئے اور اس سے کہا، یہ شخص (اشارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھا) ہم سے صدقہ مانگتا رہتا ہے اور اس نے ہمیں تھکا مارا ہے۔ اس لیے میں تم سے قرض لینے آیا ہوں۔ اس پر کعب نے کہا، ابھی آگے دیکھنا، خدا کی قسم! بالکل اکتا جاؤ گے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا، چونکہ ہم نے بھی اب ان کی اتباع کر لی ہے۔ اس لیے جب تک یہ نہ کھل جائے کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے، انہیں چھوڑنا بھی مناسب نہیں۔ تم سے ایک وسق یا دو وسق غلہ قرض لینے آیا ہوں۔ کعب بن اشرف نے کہا، ہاں، میرے پاس کچھ گروی رکھ دو۔ انہوں نے پوچھا، گروی میں تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا، اپنی عورتوں کو رکھ دو۔ انہوں نے کہا کہ تم عرب کے بہت خوبصورت مرد ہو۔ ہم تمہارے پاس اپنی عورتیں کس طرح گروی رکھ سکتے ہیں۔ اس نے کہا، پھر اپنے بچوں کو گروی رکھ دو۔ انہوں نے کہا، ہم بچوں کو کس طرح گروی رکھ سکتے ہیں۔ کل انہیں اسی پر گالیاں دی جائیں گی کہ ایک یا دو وسق غلے پر اسے رہن رکھ دیا گیا تھا، یہ تو بڑی بے غیرتی ہو گی۔ البتہ ہم تمہارے پاس اپنے «اللَّامَۃ» گروی رکھ سکتے ہیں۔ سفیان نے کہا کہ مراد اس سے ہتھیار تھے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس سے دوبارہ ملنے کا وعدہ کیا اور رات کے وقت اس کے یہاں آئے۔ ان کے ساتھ ابونائلہ بھی موجود تھے وہ کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے۔ پھر اس کے قلعہ کے پاس جا کر انہوں نے آواز دی۔ وہ باہر آنے لگا تو اس کی بیوی نے کہا کہ اس وقت (اتنی رات گئے) کہاں باہر جا رہے ہو؟ اس نے کہا، وہ تو محمد بن مسلمہ اور میرا بھائی ابونائلہ ہے۔ عمرو کے سوا (دوسرے راوی) نے بیان کیا کہ اس کی بیوی نے اس سے کہا تھا کہ مجھے تو یہ آواز ایسی لگتی ہے جیسے اس سے خون ٹپک رہا ہو۔ کعب نے جواب دیا کہ میرے بھائی محمد بن مسلمہ اور میرے رضاعی بھائی ابونائلہ ہیں۔ شریف کو اگر رات میں بھی نیزہ بازی کے لیے بلایا جائے تو وہ نکل پڑتا ہے۔ جب محمد بن مسلمہ اندر گئے تو ان کے ساتھ دو آدمی اور تھے۔ سفیان سے پوچھا گیا کہ کیا عمرو بن دینار نے ان کے نام بھی لیے تھے؟ انہوں نے بتایا کہ بعض کا نام لیا تھا۔ عمرو نے بیان کیا کہ وہ آئے تو ان کے ساتھ دو آدمی اور تھے اور عمرو بن دینار کے سوا (راوی نے) ابوعبس بن جبر، حارث بن اوس اور عباد بن بشر نام بتائے تھے۔ عمرو نے بیان کیا کہ وہ اپنے ساتھ دو آدمیوں کو لائے تھے اور انہیں یہ ہدایت کی تھی کہ جب کعب

آئے تو میں اس کے (سر کے) بال ہاتھ میں لے لوں گا اور اسے سونگھنے لگوں گا۔ جب تمہیں اندازہ ہو جائے کہ میں نے اس کا سر پوری طرح اپنے قبضہ میں لے لیا ہے تو پھر تم تیار ہو جانا اور اسے قتل کر ڈالنا۔ عمرو نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ پھر میں اس کا سر سونگھوں گا۔ آخر کعب چادر لپیٹے ہوئے باہر آیا۔ اس کے جسم سے خوشبو پھوٹی پڑتی تھی۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا، آج سے زیادہ عمدہ خوشبو میں نے کبھی نہیں سونگھی تھی۔ کہ کعب اس پر بولا، میرے پاس عرب کی وہ عورت ہے جو ہر وقت عطر میں بسی رہتی ہے اور حسن و جمال میں بھی اس کی کوئی نظیر نہیں۔ عمرو نے بیان کیا کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا، کیا تمہارے سر کو سونگھنے کی مجھے اجازت ہے؟ اس نے کہا، سونگھ سکتے ہو۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس کا سر سونگھا اور ان کے بعد ان کے ساتھیوں نے بھی سونگھا۔ پھر انہوں نے کہا، کیا دوبارہ سونگھنے کی اجازت ہے؟ اس نے اس مرتبہ بھی اجازت دے دی۔ پھر جب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اسے پوری طرح اپنے قابو میں کر لیا تو اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ انہوں نے اسے قتل کر دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی اطلاع دی۔ [1]

اس واقعہ سے متعدد نتائج نکلتی ہیں:

جنگ کے وقت کوئی بھی تدبیر اختیار کرنا صحیح ہے۔ اس وجہ سے جنگ کو چال کا نام بھی دیا گیا ہے۔

حدیث مبارکہ میں آتا ہے:

((سَمَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَرْبَ خَدْعَةً)) [۲]

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لڑائی کیا ہے؟ ایک چال ہے۔

باتوں سے کسی کو قابو کرنا یہ بھی ایک مہارت ہے۔ اور آج کا دور مذاکرات کا دور ہے جو ملک اپنا مقدمہ جتنا بہتر انداز میں پیش کرے وہی کامیاب ہوتا ہے۔ اس لیے ایسے لوگ تیار کرنے چاہیے جو باتوں میں ماہر ہوں۔ جنگ کے دوران دوبدو لڑائی میں استعمال ہو سکتی ہے۔

آپ ﷺ کے توہین کرنے والے کی سزا قتل ہے۔ اور یہ اختیار حکومت وقت کے پاس ہے۔

---

[1] بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قتل کعب بن الاشرف، ۵۱/۲، حدیث نمبر ۴۰۳۷

[2] ایضا، کتاب الجهاد والسیر، باب الحرب خدعة، ۵۳۴/۱ حدیث نمبر ۳۰۲۹

عبداللہ بن انیسؓ

نام وکنیت: نام: عبداللہ، کنیت، ابو یحییٰ

سلسلہ نسب: عَبْد اللّهُ بْن انيس بْن اسعد بْن حرام بْن حبيب بْن مالك بْن غنم بْن كعب بْن تيم بْن نفاثة بْن اياس بْن يربوع بْن البرك بْن وبرة،[1]

قبولِ اسلام۔ عقبہ ثانیہ سے پہلے مسلمان ہوئے، مدینہ سے مکہ جا کر آپ ﷺ سے بیعت کی اور وہیں رہائش اختیار کی پھر مہاجرین کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت بھی کی اس لیے مہاجری انصاری کہلاتے ہیں۔[2]

وفات. جناب معاویہؓ کے زمانہ خلافت ۵۴ھ میں انتقال کر گئے۔[3]

سفیان بن خالد کو مہارت سے قتل کرنا

رسول ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ سفیان بن خالد الھذلی نے اپنی قوم وغیرہ کے لوگوں کے ہمراہ رسول اکرم ﷺ کے خلاف کچھ گروہ بطن عرنہ[4] میں جمع کئے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ہجرت کی تیسرے سال آپؓ کو سفیان بن خالد کو قتل کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے رسول ﷺ سے سفیان بن خالد کے حال (یعنی اس کو پہچاننے کی علامات) کے متعلق پوچھا، آپ ﷺ نے فرمایا جب آپ اس کو دیکھو گے تو ڈر جاؤ گے اور شیطان یاد آجائے گا، عبد اللہؓ نے کہا میں آدمیوں سے نہیں ڈرتا، آپ نے رسول ﷺ سے چال چلنے کی اجازت چاہی جو مل گئی۔

میں نے اپنی تلوار لی اور اپنے آپ کو بنی خزاعہ کی طرف منسوب کرتا ہوا نکلا، جب بطن عرنہ پہنچا تو اس سے اس حالت میں ملا کہ وہ جا رہا تھا، اور اس کے پیچھے مختلف قبائل کے لوگ تھے، جو اس کے پاس جمع ہو گئے تھے، وہاں پہنچا اور اسکو پہچانا تو ایسا خوف جاری ہوا کہ پسینہ پسینہ ہو گیا وہ جا رہا تھا، مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سچے ہیں۔ اس نے سوال کیا کہ کون ہو؟ تو میں نے کہا کہ خزاعہ کا آدمی ہوں، اور سنا ہے کہ آپ ﷺ کے خلاف ایک گروہ تیار کر رہے ہو میں بھی اس میں شامل ہونا چاہتا ہوں، اس نے کہا بے شک میں ان کے مقابلہ کے لیے تیاری کر رہا ہوں

---

[1] ابن عبد البر، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ، الاستیعاب فی معرفہ الاصحاب، ۸۷۰/۳

[2] ایضا

[3] ابن حجر، ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۱۴/۴

[4] بطن عرنہ: یہ عرفات کے قریب ایک وادی کا نام ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بطن عرنہ میں مسجد عرفہ اور برساتی نالہ دونوں واقع ہیں۔ (دیکھیے: معجم البلدان، شہاب الدین ابو عبد اللہ، ۱۱۱/۴)

۔میں اس کے ساتھ باتیں کرتا ہوا چلا، اس کو میری بات شیریں معلوم ہوئی باتیں کرتے کرتے اس کے خیمے تک پہنچ گئے و اس کے ساتھی اس سے جدا ہو گئے اور سو گئے تو میں نے اسے دھوکہ دے کر قتل کیا اور اسکا سر لے لیا۔[1]

سیرت کے اس واقعہ سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔ دشمن کو پکڑنے یا مارنے کے لیے کوئی بھی چال چلائی جا سکتی ہے۔ جاسوسی کرتے وقت اپنے آپ کو دشمن کی طرف منسوب کرنا، تا کہ کسی کو شک نہ ہو۔ اور اپنی پہچان کو چھپا کے رکھنا۔ جیسے عبد اللہ بن انیسؓ نے سفیان بن خالد کے قتل میں کیا تھا۔ اور انہوں نے وہ طریقہ اختیار کیا، جس سے کسی کو بھی شک نہیں ہو رہا تھا، اس لیے کہ اس زمانے میں لوگ اپنے نسب پر بہت زیادہ ناز کرتے تھے، اور اپنے آپ کو کبھی بھی کسی دوسرے نسب کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے۔ اس لیے آج کل بھی جاسوسی کرتے وقت اپنی پہچان کو چھپانے کے لیے وہ طریقہ اختیار کیا جائے جس کی طرف کسی کا وہم گمان بھی نہ جاتا ہو۔۔ جیسے مذہبی لبادہ اوڑھ کر اپنا کام کرنا۔ یا اپنے آپ کو پاگل ظاہر کرنا۔ یا فلاح و بہبود کے نام سے کام کرنا وغیرہ۔

باتوں سے کسی کو گھیر لینا، یہ ایسی مہارت ہے، جو میدان کارزار اور لڑائی کے علاوہ دشمن سے مکالمہ کے وقت بھی کام آتی ہے۔

سلمہ بن الاکوعؓ

نام و کنیت: نام: سلمہ بن عمرو، کنیت: ابو ایاس، ابو عامر۔

سلسلہ نسب: سلمة بن عمرو بن الاكوع. (سنان بن عبد الله)بن قشير ابن خزيمة بن مالك بن سلامان بن الافصى[۲]

اسلام قبول کرنا: اسلام لانے کے بارے میں متعین طور پر وقت معلوم نہیں، لیکن صلح حدیبیہ سے پہلے اسلام لا چکے تھے، اس لیے کہ صلح حدیبیہ کے جگہ پر آپ ﷺ نے سلمہ ابن الاکوع سے بھی بیعت لی تھی۔[3]

وفات: آپ ﷺ کی رحلت کے بعد مدینہ میں رہائش پذیر رہے، حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے شہادت کے بعد مدینہ چھوڑ کر ربذہ چلے گئے اور ۶۴، ۷۴ھ میں مدینہ واپس آئے، اسی سن میں یہی پر وفات پائی۔ ۸۰ سال کی زندگی پائی تھی۔[4]

---

[1] ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد بن سعد، الطبقات الکبری، ۲۶۰/۱

[2] ابن الاثیر، ابو الحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابہ، ۵۱۷/۲

[3] ابن عبد البر، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ، الاستیعاب فی معرفہ الاصحاب، ۶۳۹/۲

[4] ابن الاثیر، ابو الحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابہ، ۵۱۷/۲

اکیلے تیر اندازی سے پوری جماعت کو بھگانا

سلمہ بن الاکوعؓ تیر اندازی میں بہت ماہر تھے، آنحضرت ﷺ کے کچھ اونٹ ذی قردہ [1] کی چراگاہ میں چرتے تھے، بنو غطفان نے چرواہے کو مارا اور اونٹوں کو لے گئے۔ جب سلمہ ابن الاکوع کو پتہ چلا، مدینہ کے طرف منہ کرکے زور سے نعرہ لگایا اور پھر اکیلے ان کے پیچھے نکل پڑے۔ تیروں سے ان کا پیچھا کیا، وہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی سوار میری طرف پلٹتا تو میں درخت کے پیچھے چھپ جاتا، اور اسے تیر مارتا جو سوار بھی میرے طرف متوجہ ہوا میں نے اسکو زخمی کردیا، اور ساتھ یہ اشعار پڑھتے تھے، ''انا ابن الاکوع الیوم یوم الرضیع'' ترجمہ: میں اکوع کا بیٹا ہوں اور آج کا دن سخت جنگ کا دن ہے۔ اس قدر تیر اندازی کی کہ وہ لوگ اونٹ اور چادریں چھوڑ کر بھاگ گئے۔[2]

جنگ کے وقت دشمن پر کبھی بھی اپنی کمزوری کو ظاہر نہیں کرنا ہے۔ ان پر یہ ظاہر کرنا ہے کہ ہم ان سے قوت اور طاقت میں زیادہ مضبوط ہیں۔ جیسا کہ سلمہ بن الاکوعؓ اکیلے ایک آدمی نے پوری ایک جماعت کو بھگایا اور ان کو یہ احساس بھی نہیں دیا کہ تیر مارنے والا بندہ صرف ایک ہے تو یہ بہت بڑی مہارت ہے جو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ جنگ کے وقت بعض مواقع پر اگر ایک مسلمان فوجی کا سامنا دشمن کے گروپ کے ساتھ ہو جائے، اس وقت اپنے حواس کو برقرار رکھتے ہوئے اس مہارت اور بہادری کے ساتھ لڑے۔ کہ دشمن کو پتہ بھی نہ چلے کہ آپ اکیلے ہیں۔

یہ صحابی رسول ﷺ اس زمانے کے اسلحہ چلانے میں ماہر تھا اس زمانے میں تیر چلانا اور اس میں مہارت حاصل کرنا ایک فوجی کی خوبی ہوتی تھی، آج کے زمانے میں راکٹ اور میزائیل چلانا ایک مہارت ہے اس لیے آج کے زمانے میں ہر فوجی کو راکٹ اور میزائل چلانے میں مہارت حاصل ہونا چاہیے۔

سلمہ بن الاکوعؓ نے پیدل دوڑ سے سواروں کو قابو کردیا، دوڑنے میں بہت تیز تھے یہ انکی مہارت اور خوبی تھی۔ دوڑ ایسی خوبی ہے جہاں اسکو جنگ میں بطور مہارت بھی استعمال کیا جاتا ہے اور یہ صحت کو تندرست رکھنے کے لیے بھی بہت مفید ہے۔

جسمانی طور پر مضبوط رہنا ایک فوجی کے لیے بہت ضروری ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں آتا ہے:

((قَالَ رَسُولُ اللّٰهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیه وَسَلَّم الْمُؤْمِنُ الْقَوِی خَیرٌ وَاحَبُّ اِلَی اللّٰهُ مِنْ الْمُؤْمِنِ الضَّعِیفِ))[3]

---

[1] ذی قرد: یہ مدینہ اور خیبر کے درمیان مدینے سے دوراتوں کے فاصلہ پر ایک چشمہ ہے۔ اس چشمہ کو طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے خریدا تھا۔ اور راہ گزاروں کے لئے صدقہ کیا تھا، دیکھیے معجم البدان، شہاب الدین ابوعبداللہ، ۳۲۰/۴)

[2] بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ ذی قرد، ۷۹/۲، حدیث نمبر ۴۱۹۴

[3] امام مسلم، مسلم بن الحجاج القشیری، کتاب التقدیر، باب الایمان بالقدر والاذعان لہ، ۳۴/۷/۲ حدیث نمبر ۲۶۶۴

ترجمہ: حضورﷺ نے فرمایا: طاقت ور مومن اللہ کے نزدیک کمزور مومن کی نسبت بہتر اور زیادہ محبوب ہے۔

جسمانی طور پر جو فوجی جتنا مضبوط ہوتا ہے۔اتنا ہی وہ جنگ میں اچھے طریقے سے لڑتا ہے۔پرانے زمانے میں کشتی اور دوڑ ہی فوجیوں کی ورزش ہوتی تھی۔دوڑ اور کشتی میں ماہر ہونا ایک صحت مند فوجی کی نشانی ہوتی تھی۔اور یہ ضروری نہیں کہ جنگ میں ہمیشہ اسلحہ سے کام چلانا پڑے بلکہ بعض اوقات ہاتھ اور پاوں سے کام لینا پڑتا ہے۔جیسا کہ سلمہ بن الاکوعؓ نے پیدل دوڑ سے سواروں کو قابو کر دیا۔اس لیے آج کل کے دور میں ورزش کے جتنے بھی طریقے ہیں۔جیسا کہ سینے کے بل چلنا،، سر کے بل چلنا، ہاتھ کے بل چلنا اور پہلوں کے بل چلنا اور اسلحہ سمیت دوڑنا وغیرہ ان سب میں مہارت حاصل کرنا ضروری ہے۔کیونکہ یہ سارے ہنر جنگ میں کام آتے ہیں۔

غالب بن عبد اللہؓ

نام وکنیت: نام غالب بن عبد اللہ، کنیت ابن عبد اللہ الیثی

سلسلہ نسب:"غالب بْن عَبْد اللَّهُ بْن مسعر بْن جَعْفَر بْن كلب بْن عوف بْن كعب بْن عَامِر بْن ليث بْن بَكْر بْن عَبْد مناة بْن كنانة الكناني الليثي"[1]

قبولِ اسلام: ۵ھ سے پہلے اسلام لا چکے تھے، اس لیے کہ آپ ﷺ نے آپ کو سریہ کدید میں بھیجا تھا، اور اصحاب السیر کے نزدیک وہ پانچ ہجری کا واقعہ ہے۔[2]

وفات: وفات کا زمانہ متعین نہیں ہے لیکن جناب معاویہؓ کے زمانہ تک زندہ رہے اس لیے کہ ابن زیاد نے ان کو خراسان کا گورنر مقرر کیا تھا۔[3]

---

[1] ابن حجر، ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۴۲۲/۵

[2] ابن عبد البر ابو عمر، یوسف بن عبد اللہ، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ۱۲۵۲/۳

[3] ابن حجر، ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۲۴۳/۵

منہ کے بل لیٹنا

فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے ساٹھ سواروں کے ہمراہ بنو ملوح[1] کے مقابلہ کے لیے کدید[2] بھیجا، غروب افتاب کے وقت یہ کدید کے قریب پہنچے، یہاں سے مسلمانوں نے ان کو دشمن کے جاسوسی کے لیے بھیجا، یہ آبادی کے متصل ایک ٹیلے پر چڑھ کر منہ کے بل لیٹ کر جائزہ لینے لگا۔ اتنے میں ایک شخص آبادی سے نکلا، اس کو غالب کا سایہ نظر آیا۔ اس نے بیوی سے کہا مجھ کو ٹیلہ سے سایہ نظر آرہا ہے، پھر سوچا کہ شاید کوئی کتا وغیرہ ہو بیوی سے کہا دیکھو کوئی برتن کتا لے کے تو نہیں گیا، اس نے کہا نہیں۔ اس کا شک یقین میں بدل گیا اور بیوی سے تیر اور کمان منگا کر غالب پر دو تیر چلائے ان میں سے ایک تیر غالب کے پہلو میں لگا، اور دوسرا کندھے پر۔ لیکن غالب اپنی جگہ سے بلکل نہیں ہلا اور وہ دونوں تیر نکال دیئے، وہ شخص بولا میں نے دو تیر مارے اگر کوئی آدمی یا جاسوس ہوتا تو اپنی جگہ سے ضرور حرکت کرتا ۔ بیوی سے کہا کہ صبح دونوں تیر اٹھالانا، اور چلے گئے، جب آبادی کے لوگ سو گئے ایک دم سے ان پر شب خون مار کر آبادی کو لوٹ لیا۔ گاؤں کے منادی لوگوں کو مدد کے لیے پکارنے لگا، مسلمان مال غنیمت اور مالک ابن برصاء[3] کو لیکر نکل گئے۔[4]

غالب بن عبد اللہؓ ٹیلے پر چڑھ کر منہ کے بل لیٹ گئے، اس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ منہ کے بل لیٹنا اور سینہ کے زور سے چلنا یہ ایک مہارت ہے، اور یہ جدید دور کی فوجی ٹریننگ کا یہ باقاعدہ حصہ ہوتا ہے۔ اور اسی میں اور زیادہ جدت بھی آگئی ہے۔

بندوق کی گولی برداشت کرنا یہ آسان کام نہیں ہے لیکن اگر جنگ کے میدان میں یا جاسوسی کرتے وقت دشمن اس غرض سے آپ پر گولی چلائے کہ آپ موجود ہیں کہ نہیں، اس وقت یہ گولی برداشت کرنا ضروری ہے تاکہ دشمن کو یہ گمان رہے کہ وہاں پر کوئی نہیں ہے غالب بن عبداللہؓ نے تیر کے وار برداشت کئے، اور کوئی حرکت نہیں کی۔

---

[1] بنو ملوح، بنی لیث بن یعمر کا ایک شاخ ہے اور ان کا نام: الشداخ بن عوف بن کعب ابن عامر بن لیث بن بکر، ان کا نسب بنی عبد مناۃ بن کنانۃ سے ہیں۔ (دیکھیے: معجم قبائل العرب القدیمۃ والحدیثۃ، عمر بن رضا بن محمد راغب، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، الطبعۃ السابعۃ، ۱۴۱۴ھ ۱۹۹۴ء، ۳/۱۱۳۷)

[2] کدید: حجاز میں ایک چشمہ کا نام ہے جو کہ مکہ سے ۴۲ میل کے فاصلے پر واقع ہے، (مزید تفصیل کے لئے دیکھیے: معجم البلدان شہاب الدین ابو عبداللہ، ۴/۴۲۴)

[3] آپ کا نام حارث بن مالک بن قیس تھا۔ اور ابن برصاء سے مشہور تھے جو کہ آپ کے والدہ کا نام تھا۔ اور آپ کا شمار حجازیین میں ہوتا ہے۔ اور آپ سے کئی احادیث بھی مروی ہیں۔ (دیکھیے: اسد الغابۃ، ابن الاثیر، ابو الحسن علی بن ابی الکرم، ۱/۹۳۴)

[4] ابن ہشام، محمد عبد الملک، سیرت ابن ہشام، مترجم مولوی قطب الدین، ۳/۲۰۲

اوراپنے دشمن کو یہ احساس دیا کہ کہ ٹیلے پر کوئی نہیں ہے۔اور کمال مہارت سے دشمنوں کی خیر خبر لی،اوراس طرح ان پر حملہ کر کے شکست دی۔اس سے یہ سبق ملتا ہے:ایک مجاہد اور فوجی کو اگر دشمن کے علاقے میں کوئی گولی لگے،یاایسی جگہ پر ہو جہاں پر دشمن قریب ہو،اوراسکی خبران کو نہ ہو تو اس میں اتنی برداشت اور ہمت ہونی چاہیے،کہ وہ کوئی حرکت نہ کرے،یاایسی کوئی اوازنہ نکالے جس سے دشمن کو خبر ہو جائے۔

عبداللہ بن جعفرؓ

نام وکنیت: نام:عبداللہ کنیت:ابو جعفر

سلسلہ نسب:"عبد الله بن جعفر بن ابی طالب القرشی الهاشمی"۔(۱)

پیدائش: ان کے والد جعفر طیارؓ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں شامل تھے،اور یہ سب سے پہلا بچہ تھا جو حبشہ کے مقام پر مسلمانوں کے ہاں پیدا ہوا۔(2)

وفات: ۸۲ھ یا۸۴ھ میں ۹۰ سال کی عمر میں مدینہ میں اس دنیا سے چلے گئے۔(3)

مسلمانوں کا صندوق میں بند ہونا

امین الامت ابو عبیدہ بن الجراحؓ جب حمص میں پڑاؤں کیااور رستن(4) کو فتح کرنے کاارادہ کیا۔تو پتہ چلا کہ رستن میں بہت مضبوط اور بڑا قلعہ ہے جس میں اہل رستن نے پناہ حاصل کر کے اس کے دروازوں کو بند کیا ہے۔

حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ نے ایک جنگی چال چلایا،آپ نے بیس آدمیوں کو صندوق میں بند کر کے ان میں اندر سے تالے لگادیئے اور ان پر حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کو امیر مقرر کیا،اور اہل رستن کے حوالے کیا کہ ہمارے پاس ساز و سامان بہت زیادہ ہے اسکو ساتھ لے کے جانہیں سکتے۔اس لیے آپ ان کو امانت کے طور پر اپنے پاس رکھ دیں جب ہم واپس آئینگے تو آپ سے لے لینگے،ادھر ان صحابہ کو یہ حکم تھا کہ جو ہی آپ کو موقعہ ملے اپنے صندقوں سے نکلنا ہے اور قلعہ کے دروازوں کو کھولنا ہے۔جب ان کو رستن کے والی کے حوالے کیا،اس نے بیوی کے محل میں یہ

---

(1) ابن عبد البر ابو عمر یوسف بن عبداللہ،الاستیعاب فی معرفہ الاصحاب،۸۸۰/۳

(2) ابن الاثیر،ابوالحسن علی بن ابی الکرم،اسد الغابہ،۱۹۹/۳

(3) ابن حجر،ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد،الاصابہ فی تمییز الصحابہ،۳۸/۴

(4) رستن:حمص سے قریب بارہ میل کے فاصلہ پر ایک قریہ ہے۔(دیکھیے:تھذیب الکمال فی اسماءالرجال،ابوالحجاج،یوسف بن عبد الرحمن،مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت،الطبعۃ الاولی،۱۴۰۰ھ ۱۹۸۰ء ۱۸۸/۲۸)

صندوق رکھوادیئے۔اور اہل رستن مسلمانوں کے جانے کی خوشی میں کنیسہ کی طرف چلے گئے تاکہ شکرانے کی بھی نمازادا کرے۔اسی وقت صندوق میں موجود مسلمانوں نے صندوقوں کواندر سے کھول دیااور باہر نکل آئے،اوران پر اچانک حملہ کرکے شہر کی کنجیاں لے لی اور شہر کے دروازے کھول دیئے۔[1]

حکمت عملی کے حوالے سے ہمیشہ دشمن سے دوقدم آگے سوچنا چاہیے۔آج کل اسلامی تحریکوں کی ناکامی کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ تحریکیں کوئی واضح منصوبہ بندی نہیں کرتیں۔لیکن اگر کوئی کرتا بھی ہے عام طور پر ان طریقوں پر کیا جاتا ہے۔جو دشمن کے اپنائے ہوئے ہوتے ہیں۔اسلامی تحریکیں ان کے تابع چلتی ہیں۔اس لیے دشمن کے منصوبہ بندی سے ہٹ کر ایسا قدم جوان کے وہم اور گمان بھی نہ آتا ہو اٹھانا چاہیے،جیساکہ عبیدہ بن جراحؓ نے کیا تھا کہ فوجیوں کو صندوق میں بند کرکے اور دشمن کے قلعہ میں بغیر کسی جنگ کے داخل کرادیا اس ماجرے سے اخذ ہوتا ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کس حدتک اپنا ذہن لڑاتے تھے۔اور ایسی چال چلتے تھے کہ کفار کو خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔ یہ مہارت آج کی دور میں بھی استعمال ہوسکتی ہے۔کہ دشمنوں کے اندر ایسے طریقے سے داخل ہوجائے، کہ ان کو خبر بھی نہ ہو جیسے ان کا لباس اور حلیہ بنا کران میں داخل ہونا،یاان کے اسلحہ کے ڈبوں میں بند ہوکر داخل ہونا۔جدید دور میں کچھ طبقے ایسے ہیں جن کو ہر جگہ جانے کی اجازت ہوتی ہے جیسے صحافی اور انسانی حقوق کی تنظیمیں وغیرہ ان میں اپنے آپکو شمار کرکے دشمن کے اندر داخل ہوجائیں۔

ضرار بن ازورؓ

نام وکنیت: نام: ضرار، کنیت: ابوالازور

سلسلہ نسب: ضرار بن مالك(ازور) بن اوس بن جنيمة بن ربيعة بن مالك بن ثعلبة بن دودان بن اسد بن خزيمة الاسدی[۲]

اسلام قبول کرنا:

ضرارؓ اپنے قبیلے کے مالدار لوگوں میں سے تھے ،اس وقت ان کے پاس ہزار اونٹوں کا گلہ تھا،اسلام کی حقانیت سے متاثر ہوکر سارا مال چھوڑ کر دربار نبوت میں خالی ہاتھ آئے اور اسلام قبول کیا۔[3]

---

(1) الواقدی،ابو عبداللہ، محمد بن عمر،مترجم مولوی حکیم شبیر احمد انصاری،فتوح الشام،المیزان اردو بازار لاہور،۲۰۰۴ء ص۲۳۰،۲۳۱

(2) ابن عبدالبر ابو عمر یوسف بن عبداللہ،الاستیعاب فی معرفہ الاصحاب،۸۸۰/۳

(3) ابن الاثیر،ابوالحسن علی بن ابی الکرم،اسد الغابہ ۵۲/۳

ان کے عمر کے بارے میں علامہ واقدیؒ لکھتے ہیں:

''کان غلاما فاتکا فی الحرب'' (۱)

ترجمہ: ضرار بن ازورؓ ایک کمسن اور بہادر شخص تھے

اس چیز پر دال ہے کہ آپؓ اس زمانے میں جوان تھے

امارت۔ دروان کے مقابلہ کے لیے جو لشکر بھیجا گیا، اس کے افسر اور امیر حضرت ضرار بن الازورؓ تھے.[2]

وفات۔ وفات کے بارے میں روایات مختلف ہے، بعض بتاتے ہیں کہ یمامہ میں شہید ہوئے اور بعض اجنادین لیکن قابل ترجیح روایت اجنادین کا ہے اس لیے کہ اجنادین کے معرکہ میں انکاذ کر ملتا ہے۔[3]

جاسوسی کرنا

جنگ اجنادین[4] کے شروع ہونے سے پہلے حضرت خالد بن ولیدؓ نے ان کو رومیوں کی جاسوسی کے لیے بھیجا، جب یہ وہاں پر گئے ان کے لشکری ساز و سامان اور ان کی طاقت کا اندازہ لگا رہے تھے، کہ دروان کہ نظر ان پر پڑی، تو اپنے سرداروں کو کہا تم سے کوئی ہے جو اس کو پکڑ کر لائے، تیس جوان حضرت ضرار کو پکڑنے کے لیے نکلے۔ جس وقت آپ نے ان کو اپنی طرف آتے دیکھا تو آپ نے پشت دے کر چلنا شروع کیا، وہ یہ سمجھے کہ شاید بھاگ رہے ہیں۔ وہ ان کے پیچھے آں نکلے، جب وہ لوگ اپنی لشکر سے الگ ہو گئے، حضرت ضرار دوبارہ ان کی طرف پلٹے ان پر حملہ کر دیا، ان میں سے انیس آدمیوں کو مار گرایا اور باقی بھاگ گئے۔[5]

دشمن کی حالت سے باخبر رہنے کے لیے جاسوسی کرنا ضروری ہے اس لیے کہ جاسوسی نیٹ ورک جسکا جتنا مضبوط ہوتا ہے اتنا ہی وہ بہترین منصوبہ بندی کرتا ہے۔ جاسوسی کرنا ایک مشکل کام ہے اور جنگ کی حالت میں اور زیادہ مشکل کام ہوتا ہے۔ اس لیے کہ دشمن پہلے سے ہی چوکنا ہوتا ہے کہ کوئی جاسوس نہ آنے پائے. اور اگر مخالفین

---

(1) الواقدی، ابو عبداللہ، محمد بن عمر، مترجم مولانا شبیر احمد، فتوح الشام، ص ۴۹

(2) ایضا

(3) ابن حجر، ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۳۹۱/۳

(4) اجنادین، رملہ اور بیت جبرین کے درمیان واقع تھا، اور اس کی شہرت شام کے علاقے سے ہے اور یہ فلسطین کے مضافات میں سے ہے، یہ وہ مقام ہے جہاں پر مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان بہت سخت لڑائی ہوئی تھی۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: معجم البدان، شھاب الدین ابو عبداللہ، ۱۰۳/۱)

(5) الواقدی، ابو عبداللہ، محمد بن عمر، مترجم مولانا شبیر احمد، فتوح الشام، ص ۸۸

کو پتہ چل جائے۔اور جاسوس پکڑا جائے، دشمن کی پہلے تو یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس سے کوئی راز اگلوائے۔اور پھر اسکو موت کے حوالے کیا جاتا ہے۔اس لیے جاسوس ہمیشہ ایسا آدمی ہونا چاہیے جو بہت زیادہ چالاک، بہادر اور موقعہ سے فائدہ اٹھانے کا گر جانتا ہو۔اگر مخالفین کو خبر بھی ہو جائے تو وہ اپنے آپ کو کسی طریقے سے وہاں سے نکال لے۔ اس لیے جب ضرار بن ازور کے جاسوسی کا پتہ جب دشمن کو چلا تو انہوں نے اس کے پیچھے تیس آدمیوں کا ایک لشکر بھیجا، اور ضرارؓ نے ان کو دھوکے میں رکھ کر فوج سے الگ کر دیا اور پھر ان میں سے انیس آدمیوں کو مار دیا۔

اس لیے جب دشمن کو پتہ چل جائے تو سب سے پہلے وہاں سے نکلنے کے کوشش کی جائے۔اور یہ کوشش کی جائے کی کسی صورت میں بھی دشمن کے قبضہ میں نہ آجائے۔اور اگر دشمن مقابلے کے لیے آجائے۔تو کوشش یہ کی جائے کہ جہاں تک ہو سکے دشمن کے ساتھ مقابلہ کیا جائے جان دیدے لیکن دشمن کے قبضے میں اپنے آپ کو نہ دے

فصل دوم:

جوان صحابہ کرام کی جنگی خدمات

صحابہ کرامؓ کی مقدس و مبارک جماعت بے شمار خصوصیات کی حامل تھی، انہوں نے نبی کریم ﷺ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، ان کے ساتھ مل کر کفار سے لڑائیاں کیں، اسلام کی سربلندی اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی کے لیے اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کر دیا۔ نبی کریم ﷺ کے ان صحابہ کرام میں سے بعض جوان صحابہ کرام ایسے بھی ہیں جن کی جرات و پامردی، عزم واستقلال اور استقامت نے میدان جہاد میں جان اپنی ہتھیلی پر رکھ کر بہادری کی لازوال داستانیں رقم کیں، اور اپنے خون کی سرخی سے اسلام کے پودے کو تناور درخت بنایا۔ اس وجہ سے قرن اول کی ان جوان عظیم الشان ہستیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کے حیرت انگیز کارناموں نے تاریخ انسانیت میں بہت سے سنہری ابواب کا اضافہ کیا ہے۔

مصعب بن عمیرؓ

نام وکنیت: نام: مصعب بن عمیر کنیت: ابو عبداللہ۔

سلسہ نسب: مصعب بْن عمير بْن هاشم بْن عبد مناف بْن عبد الدار بْن قصي بْن كلاب بْن مرة القرشي العبدري.[1]

ابتدائی حالات اور اسلام قبول کرنا:

حضرت مصعب بن عمیرؓ مکہ کی ایک حسین نوجوان تھے، ان کے والدین ان سے بہت محبت کرتے تھے، ان کو نہایت ناز و نعمت میں پالا تھا۔ جب آپ ﷺ ارقم بن ارقم کے مکان میں پناہ گزین تھے، تو اس وقت ان کے دل میں اسلام کی حقانیت داخل ہو گئی اور دربار نبوت میں داخل ہو کر اسلام قبول کر لیا۔[2]

وفات۔ جب حضرت مصعب بن عمیرؓ شہید ہو گئے اس وقت ان کی عمر تقریباً ۴۰ سال تھی۔[3]

---

(1) ابن الاثیر، ابوالحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابہ، ۱۷۵/۵

(2) ابن حجر، ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۹۸/۶

(3) ابن عبدالبر ابو عمر یوسف بن عبداللہ، الاستیعاب فی معرفہ الاصحاب، ۱۴۷۴/۴

مصعب بن عمیرؓ کی جنگی خدمات

غزوہ بدر اور احد دونوں میں حضورﷺ کا جھنڈا یعنی مہاجرین کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا، غزوہ احد میں جب کفار نے پلٹ کر وار کیا تو مسلمان عارضی طور پر مغلوب ہو گئے، لیکن اس حالت میں بھی حضرت مصعب بن عمیرؓ اپنی جگہ پر ثابت قدم رہے، مشرکین کے شہ سوار ابن قمہ [1] نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا جس سے ان کا دایاں ہاتھ شہید ہو گیا، انہوں نے علم کو دوسرے ہاتھ میں لیا اس وقت ان کی زبان پر یہ آیت جاری تھی:

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشَّاكِرِيْنَ ﴾[2]

ابن قمیہ نے دوسرا وار کیا تو بایاں ہاتھ بھی شہید ہو گیا، لیکن جھنڈے کو گرنے نہیں دیا اور دونوں بازوؤں سے علم کو پکڑ کر سینہ سے چمٹا لیا۔ اس مشرک نے اس دفعہ نیزے سے وار کیا اور وہ سینہ میں جا کر لگا، اور اسی وقت گر کر شہید ہو گئے، [3]

پرانے زمانے میں جنگ میں جھنڈا جب تک بلند ہوتا تھا، لہراہا ہوتا تھا تب تک فوجی لڑتے تھے لیکن جوں ہی جھنڈا گر جاتا تو یہ شکست کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ اس کے بعد فوجیوں کے لیے لڑنا مشکل ہوتا تھا۔ اس لیے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے جس کو بھی جھنڈا مل جاتا، یہ قائد ہونے کے علامت بھی ہوتی تھی۔ وہ جان دیتا تھا لیکن جھنڈا کسی صورت میں زمین پر گرنے نہیں دیتا تھا جیسا کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ نے، پہلے اپنے دونوں بازوں کی قربانی دی، پھر اپنے جان کی قربانی دی لیکن مسلمانوں کا جھنڈا اینچے نہیں ہونے دیا۔ اس بہادری اور قربانیوں کی وجہ سے ہمیشہ مسلمان فتح یاب ہوتے تھے۔ اس لیے آج کے مسلمان سپاہی کے لیے ایک بہترین سبق ہے جان کی بازی لگاؤ۔ لیکن مسلمانوں کا جھنڈا اور پلڑا گرنے نہ دو۔

---

[1] آپ کا نام عبداللہ بن قمہ / عمرو بن قمہ تھا، قبیلہ لیث سے آپ کا تعلق تھا۔ یہ وہ مشرک ہے کہ جس نے آپﷺ کو غزوہ احد میں زخمی کیا تھا۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: مستعذب الاخبار باطیب الاخبار، ابو عبداللہ محمد بن عبد الباقی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت الطبعۃ الاولی، ۱۴۲۵ھ، ۲۰۰۴ء ص ۲۵۴)

[2] سورہ ال عمران، ۴/۱۴۴، (اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں، بھلا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا انہیں قتل کر دیا جائے تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی الٹے پاؤں پھرے گا وہ اللہ کو ہر گز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور جو شکر گذار بندے ہیں اللہ ان کو ثواب دے گا)

[3] ابن سعد، ابو عبداللہ محمد بن سعد، الطبقات الکبری، مترجم عبداللہ العمادی، ۳/۲۴۵

سالم بن عمیرؓ

نام: سالم بن عمیر

سلسلہ نسب: سالم بن عمير بن ثابت بن النعمان بن امية بن امرئ القيس بن ثعلبة[1]

اسلام: اسلام میں داخل ہونے کے بارے زمانہ متعین نہیں ہے، لیکن عقبہ اولی میں حاضر تھے۔[2]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت اسلام میں داخل ہو چکے ہونگے، اور ان صحابہ کرام میں سے ایک تھے جن کے بارے میں قرآن کے یہ آیت نازل ہوئی ہے:

﴿وَلَا عَلَى الَّذِينَ اذَا مَا اتَوْكَ لِتَحْمِلَهِمْ قُلْتَ لَا اجِدُ مَا احْمِلُكُمْ عَلَيه تَوَلَّوْا وَاعْيُنُهِمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا الَّا يجِدُوا مَا ينْفِقُونَ﴾[3]

ترجمہ: اور نہ ان لوگوں پر (کوئی گناہ ہے) جن کا حال یہ ہے کہ جب وہ تمہارے پاس اس غرض سے آئے کہ تم انہیں کوئی سواری مہیا کر دو، اور تم نے کہا کہ: میرے پاس تو کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر میں تمہیں سوار کر سکوں۔ تو وہ اس حالت میں واپس گئے کہ ان کی آنکھیں اس غم میں آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں کہ ان کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں ہے۔

وفات: جناب معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں انہوں نے رحلت پائی۔[4]

سالم بن عمیرؓ کی جنگی خدمات

حضور ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک تھے لیکن ایک موقعہ پر ان کا کارنامہ بلکل نمایاں ہو جاتا ہے۔

ابو عفک[5] یہودی کا قتل:

ایک بوڑھا یہودی ابو عفک آنحضرت ﷺ کی شان میں ہجو کرتا تھا اور لوگوں کو آپ ﷺ کی مخالفت پر ابھارتا تھا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

---

(1) ابن حجر، ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۹/۳

(2) ابن الاثیر، ابوالحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابہ، ۳۸۲/۲

(3) سورہ التوبہ، ۹۲/۱۰

(4) ابن عبدالبر، ابو عمر، یوسف بن عبداللہ، الاستیعاب فی معرفہ الاصحاب، ۵۶۸/۲

(5) آپ کا نام ابو عفک تھا، سلسلہ نسب، ابو عفک من بنی عمر بن عوف، ۱۲۰ سال عمر تھی۔ (دیکھیے: عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، محمد بن محمد، دار القلم، بیروت الطبعۃ الاولی، ۱۴۱۴ھ، ۱۹۹۳ء، ۳۴۱/۱

((من لی من هذا لخبيث؟))[1]

ترجمہ:اس خبیث سے کون میرے لیے کافی ہوگا؟

سالم بن عمیر نے نذر مانی کہ یاتو میں ابوعفک کو قتل کروں گا یااس کے لیے مرجاؤں گا۔سالم بن عمیرؓ موقعہ کے انتظار میں تھے۔ گرمی کی ایک رات کو ابوعفک میدان میں سویا،سالم بن عمیرؓ کواس کی خبر ہوگئی۔وہ آئے ۔اور تلوار کواس کے جگر پر رکھ دی اوراسے دبا کر کھڑے ہوگئے یہاں تک کہ وہ اس کی بستر میں گھس گئی،اسی طرح وہ ہلاک ہوگیا،اوراس گستاخ کو حضرت سالم بن عمیرؓ نے قتل کردیا۔[2]

اسلامی حکومت اور رسالت کے خلاف سرگرمی کرنا نہایت گناونا عمل ہے۔نبی کی رسالت اور خاص طور خاتم النبیین ﷺ کی رسالت کے خلاف لوگوں کو برانگیختہ کرنا بڑا جرم ہے۔اور الٰہی کام کو چیلنج کرنے کے مترادف ہے۔اس لیے اس کے اس جرم عظیم کو فرو کرنے کے لیے سالمؓ نے یہ کارنامہ سرانجام دیا کہ لوگوں کو برانگیخت کرنے والا سرغنہ کو ٹھکانے لگادیا۔اسلامی حکومت کی خلاف اس قسم کی سرگرمی نہایت خطرناک ہے۔رعایا کو گمراہی کے راستے پر ڈالنے کے مترادف ہے۔لہذا یہ بھی ضروری ہے کہ ایسی سرگرمی والوں سے آہنی ہاتھ سے نمٹا جائے۔اس وجہ سے کہ اسلامی ریاست اپنے ابتدائی ایام سے گزررہی تھی۔یہ واقعہ بلکل جنگی نوعیت کا ہوسکتا ہے کہ جس نے ایک بڑی جنگ سے بھی زیادہ کام کیا۔

ارادہ کا پختہ ہونا،اور پھر اس کام کے لیے باقاعدہ منصوبہ بندی کرنا یہ ایک کامیاب انسان کی علامت ہوتی ہے۔آج کل کے مسلمانوں کے زوال کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔کہ کسی بھی کام کے لیے پکاعزم لے کر نہیں اٹھتے،اور اگر پختہ عزم کر بھی لیں تو اس کام کو کرنے کے لیے منصوبہ بندی نہیں کرتے۔لیکن صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کسی بھی کام کاارادہ کرتے،اس کام کو کرنے کے لیے،باقاعدہ ایک پلاننگ کرتے تھے،اوراسی کے تحت کام کرتے تھے جیسے ابوعفک یہودی کو قتل کرنے کے لیے اس بات کاانتظار کیا کہ وہ کب اکیلا ہوگا تاکہ کوئی رکاوٹ نہ رہے اور آسانی کے ساتھ قتل کیاجائے۔

اس لیے ہر کام سے پہلے باقاعدہ منصوبہ بندی کرنی چاہیے۔

---

[1] ابن الاثیر،ابوالحسن علی بن ابی الکرم،اسد الغابہ،۲۳/۶

[2] ابن سعد، ابوعبداللہ محمد بن سعد،مترجم عبداللہ العمادی،الطبقات الکبری،۳۲۸/۱

محمد بن مسلمہؓ کی جنگی خدمات

سریہ بجانب قبیلہ قرطاء

غزوہ خندق کے بعد ۳۰ شہسواروں کے ساتھ آپ ﷺ نے محمد بن مسلمہ کو بکرات روانہ کیا، جو مدینہ سے سات دن کے مسافت پر واقع تھا۔ وہاں پر قبیلہ قرطاء[1] رہا کرتے تھے۔ محمد بن مسلمہ رات کو چلتے اور دن کو کہیں چھپ جاتے، وہاں پہنچ کر اچانک ان پر حملہ کر لیا کچھ قتل ہوئے باقی فرار ہوگئے بہت سامال غنیمت مل گیا جس میں ۱۵۰ اونٹ اور ۳۰۰۰ بکریاں شامل تھیں ۱۹ دن کے بعد مدینہ واپس آئے۔[2]

گوریلہ جنگ کرنا۔ اگر اسکا آسان الفاظ میں مفہوم بیان کیا جائے، دشمن پر اچانک حملہ کرنا، اس کو خبر بھی نہ ہو اسکو گوریلہ حملہ سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے. اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو یہ گوریلہ حملہ کی ایک شکل تھی۔ دن کو ٹھہرنا اور رات کو چلنا اور پھر اچانک حملہ کرنا جیسا کہ سریہ قرطاء میں کیا گیا۔ جنگ کی یہ صورت بھی مسلمانوں کی ایجاد ہے۔

سریہ بجانب ذی القصہ[3]

ربیع الثانی ۶ ھ میں ۱۰ آدمیوں کے ساتھ ذی القصہ بھیجے گئے، رات کو وہاں پہنچے تو قبیلہ والوں نے ۱۰۰ آدمی جمع کر کے تیر اندازی کی، پھر نیزے لے کر حملہ کیا، محمد بن مسلمہؓ کے علاوہ باقی سارے صحابہ شہید ہوگئے، محمد بن مسلمہ کے ٹخنے پر چوٹ آگئی تھی جس سے ہلنا بھی مشکل تھا۔ ان لوگوں نے سب کے کپڑے اتار لیے اور برہنہ چھوڑ کر چلے گئے اتفاق سے ایک مسلمان کا وہاں سے گزر ہوا، محمد بن مسلمہؓ کو اس حال میں دیکھا تو اٹھا کر مدینہ لائے۔[4]

دشمن پر حملہ کرنے سے پہلے دشمن کے قوت اور اسلحہ سے باخبر رہنا ضروری ہے۔ اور جس راستے سے فوجی قافلہ جارہا ہوں اسکا محفوظ ہونا بھی ضروری ہے۔ ورنہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ جیسا کہ محمد بن مسلمہؓ میں لیڈرانہ صلاحیت ہونے کے باوجود جب ان کا سامنا سریہ ذی القصہ میں تیر اندازوں سے ہوا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نقصان اٹھانا پڑا۔

---

[1] قبیلہ قرطاء، یہ قبیلہ کلاب کے شاخ بنو بکر سے تعلق رکھتا تھا۔ اور یہ بکرات کے مقام پر رہایش پذیر تھے۔ (مزید تفصیل دیکھیے، جمل من انساب الاشراف، احمد بن یحیی البلاذری، دار الفکر، بیروت الطبعۃ الاولی، ۱۴۱۷ھ ۱۹۹۶ء، ۳۷۶/۱)

[2] ابن سعد، ابو عبداللہ محمد بن سعد، مترجم عبداللہ العمادی، الطبقات الکبری، ۳۷/۱

[3] ذی القصہ: زبالہ اور شقوق کے درمیان ایک جگہ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ذی القصہ سلمی میں طے کے دو پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے جو سقف اور عضور کے پاس ہیں۔ نصر نے کہا ہے "ذوالقصہ "ربذہ کے راستے میں، مدینے سے ۲۴ میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے۔ (دیکھیے معجم البدان، شھاب الدین، ابو عبداللہ، ۳۶۶/۴)

[4] ابن سعد، ابو عبداللہ محمد بن سعد، مترجم عبداللہ العمادی، الطبقات الکبری، ۳۷۸/۱

وجوہات: دشمن نے اچانک حملہ کر دیا اور ان کو اس اچانک حملہ کی توقع نہیں تھی۔

اس زمانے کے اعتبار سے دشمن کے پاس جدید اسلحہ (تیر انداز) تھے اور صحابہ کے پاس تیر انداز نہیں تھے وہ دور سے تیر پھینک کر کے صحابہ کو شہید کر رہے تھے اس لیے صحابہ کرام کو شکست ہوئی۔ آج کے دور میں اگر دیکھا جائے تو دشمن کے پاس میزائیل ہو ڈرون طیارہ ہیں جو دور سے بیٹھ کے فائر کرتے ہیں اور مسلمان اس کا مقابلہ مشین گن، اور بندوق سے کریں یہ مقابلہ ہو ہی نہیں سکتا، اس لیے آج کے اعتبار سے جو جدید اسلحہ ہے میزائیل، جیٹ طیارہ یا ڈرون طیارہ وغیرہ جتنا بھی جدید اسلحہ ہے مسلم ممالک کو تیار کرنا چاہیے، تاکہ دفاعی لحاظ سے جدید دور سے پیچھے نہ رہا جائے۔ اور قرآن کی اس آیت کا بھی مصداق بن جائے:

﴿وَاعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ﴾[1] ترجمہ: تم ان کے مقابلے کے لیے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری کرو۔

حضرت جعفر طیارؓ

نام وکنیت: نام: جعفر بن ابی طالب، کنیت: ابو عبد اللہ

سلسلہ نسب: جعفر بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ھاشم بن عبد مناف بن قصی القرشی الھاشمی[۲]

آپ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے سگے بھائی تھے اور عمر میں ان سے دس سال بڑے تھے۔[3]

قبولِ اسلام:

آنحضرت ﷺ ایک دن حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے ساتھ عبادت میں مشغول تھے، کہ ابو طالب نے ان کو سجدے کی حالت میں دیکھا تو اپنے صاحبزادہ جعفرؓ کی طرف دیکھ کر کہا "جعفر تم بھی اپنے ابن عم کے پہلو میں کھڑے ہو جاؤ" حضرت جعفرؓ نے بائیں طرف کھڑے ہو کر نماز ادا کی، اور اس سے متاثر ہو کر آپ نے زید بن ارقم کے گھر میں پناہ گزین ہونے سے پہلے ایمان لے آئے۔ اور ۳۱ لوگوں کے بعد آپ نے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔[4]

وفات. جب جعفرؓ نے وفات پائی اور آپ کی عمر تینتیس سال تھی۔[5]

---

[1] سورہ الانفال، ۶۰/۱۰

[2] ابن عبد البر، ابو عمر، یوسف بن عبد اللہ، الاستیعاب فی معرفہ الاصحاب، ۴۲۲/۱

[3] ایضا

[4] ابن الاثیر، ابو الحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابہ، ۵۴۱/۱

[5] ایضا

جنگ موتہ[1] میں حضرت جعفرؓ کا کارنامہ

جنگ موتہ میں حضرت زید بن حارثہؓ کی مرنے کے بعد مسلمانوں کا علم انہوں نے لیا اور اپنے گھوڑے سے اتر پڑے انہوں نے اس کی پاؤں کی رگ کاٹ دی یہ پہلا گھوڑا تھا جس کی پیر کی رگ اسلام میں کاٹی گئی، اور دشمن کے صفیں چیرتے ہوئے آگے بڑھے اور جھنڈے کو دائیں ہاتھ میں لیا تھا، وہ ہاتھ آپ کا شہید ہو گیا، پھر آپ نے بائیں ہاتھ میں جھنڈا لیا، بایاں ہاتھ بھی شہید ہو گیا۔ پھر جھنڈے کو سینہ سے دبا لیا مگر اسلام کے جھنڈے کو اپنی زندگی میں سرنگوں نہیں ہونے دیا، اور پھر ایک رومی نے تلوار کے وار سے شہید کر دیا۔[2]

کمانڈر، جنرل اور سپہ سالار ایسا ہو جس کو دیکھ کے عام فوجی کا حوصلہ بڑھے، جیسا کہ جنگ موتہ میں حضرت جعفر طیارؓ تھے۔ کہ انہوں نے اپنے گھوڑے کی رگ کاٹ دی، انہوں نے اپنی سواری ختم کر دی، اس لیے اگر جنگ کے دوران فوجیوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے کمانڈر اپنی کار وغیرہ کو بھی جلانا پڑے وہ یہ کام کر دے تاکہ اس سے یہ سبق ملے کہ ہم واپس لوٹنے کے لیے نہیں آئے، تاکہ فوج اور زیادہ بہادری کے ساتھ لڑے۔ اور حوصلہ دینے کا ایک بہترین طریقہ ہے۔

کمانڈر اور سپہ سالار جتنا بھی زخمی ہو جائے لیکن وہ حوصلہ نہ ہارے، بلکہ بہادری کے ساتھ موت کو سینہ سے لگا لیے۔ اس سے اپنے فوج کے حوصلے بڑھتے ہیں۔ اور دشمن پر رعب بڑھ جاتا ہے۔ جیسا کہ جعفر طیارؓ نے کمال بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔

---

[1] موتہ، بلقاء جو شام کے بارڈر پر واقع ہے اس کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات ہے، (دیکھیے: معجم البدان، شہاب الدین ابو عبداللہ، ۲۱۸/۵، اردن میں بلقاء کے قریب ایک وادی کا نام ہے (دیکھیے الرحیق المختوم، مولانا صفی الرحمن مبارک پوری، المکتبۃ السلفیہ لاہور ۱۴۲۱ھ، ۲۰۰۰ء، ص ۵۲۲)

[2] ابن ھشام، محمد عبد الملک، سیرت ابن ھشام، مترجم مولوی قطب الدین احمد، ۱۱۷/۳

سلمہ بن الاکوعؓ کے جنگی خدمات

سیدالبشر ﷺ کے ساتھ ۷ غزوات میں موجود رہے۔[1] اور اس کی علاوہ جو نمایاں خدمات ہے وہ درجہ ذیل ہے:

سریہ بنی کلاب[2] میں کارنامہ

۷ھ میں آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے امارت میں ایک لشکر بنی کلاب کے طرف بھیجا جس میں مسلمانوں نے مشرکین پر شب خون مارا، اور قتال کیا، اسی موقعہ پر سلمہ بن الاکوعؓ نے اکیلے سات گھر والوں کو مار دیا تھا۔[3]

غزوہ ثقیف میں کارنامہ

سلمہ بن الاکوع دوڑ میں بہت تیز تھے، ایک انصاری سے دوڑ کے مقابلے میں جیت چکے تھے۔[4]

غزوہ ثقیف میں ایک شخص مسلمانوں کے لشکر گاہ میں اونٹ پر سوار ہو کر آیا، اور اس کو باندھ کر مسلمانوں کے ساتھ ناشتہ میں شریک ہو گیا۔ اس کے بعد چاروں طرف نظر ڈال کر مسلمانوں کی طاقت کا جائزہ لیا، اور سوار ہو کر تیزی سے نکل گیا۔ مسلمانوں کو اس پر جاسوسی کا شبہ ہوا، سلمہؓ نے انکا پیچھا کیا، اور آگے بڑھ کر اس کو پکڑ لیا تلوار کے ایک وار سے اسکو ہلاک کیا۔[5]

سلمہ بن الاکوع رضی اللہ تعالی عنہ کی کچھ جنگی خوبیاں بہت نمایاں تھی۔ ایک یہ کہ وہ دوڑ میں بہت تیز تھے۔ دوسرا یہ کہ تیراندازی میں بھی بہت ماہر تھے۔ انہی خوبیوں کے بناء پر وہ جنگوں میں بہادری کے جھنڈے گاڑتے تھے۔ سات خاندانوں کو اکیلے مارنا یہ عام فوجی کا کام نہیں ہے۔ اور اس طرح ایک سوار کو پیدل کے لیے پکڑنا یہ بھی آسان نہیں ہے۔ حضرت سلمہ بن الاکوعؓ نے یہ بھی کر دکھایا ہے۔ اس لیے فوجی کو جنگی اسلحہ چلانے میں اتنی مہارت حاصل کرنی چاہیے کہ وہ اکیلے بھی ایک جماعت کا کام کر سکے۔ دوڑ میں مہارت حاصل کرنا جتنا اس دور

---

[1] ابن ھشام، محمد عبدالملک، سیرت ابن ھشام، مترجم مولوی قطب الدین احمد، ، ۲/۵۱۷

[2] بنو کلاب، یہ قبیلہ بکر بن کلاب سے منسوب ہے جو قیس بن عیلان کے اولاد میں تھے۔ ان کے علاقے نجد میں ہر کنہ وعامۃ السئ اور الفالق ہیں اور المطالی، المضاجع، ضریہ اور ربذہ کی چراگاہوں میں بھی رہتے ہیں جو مدینہ کے آس پاس تھیں۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: تاریخ ابن خلدون، عبدالرحمن، ۲/۳۳۱)

[3] ابن سعد، ابوعبداللہ محمد بن سعد، مترجم عبداللہ العمادی الطبقات الکبری، ۴/۴۳۶

[4] ایضا، ۱/۳۷۴

[5] ابن حنبل، احمد بن محمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، حدیث سلمۃ بن الاکوع، ۴/۵۱

میں یہ جنگ میں کام آتا تھااس سے زیادہ اب یہ اس دور میں کام آتا ہے اور دوڑتے ہوئے اسلحہ کو چلانا یہ اس دور کی فوجی ٹرینگ کا باقاعدہ حصہ ہوتا ہے۔اور ہمارے فوجیوں کا اسی نہج پر تربیت بھی کی جاتی ہے۔

عکاشہ بن محصنؓ

نام وکنیت: نام: عکاشہ، کنیت: ابو محصن

سلسلہ نسب: عكاشة بْن محصن بْن حرثان بْن قَيس بن مرة بن كثير بن غنم بن دودان بن اسد بن خزيمة الاسدى[1]

اسلام لانا:

ہجرت سے قبل مکہ میں اسلام قبول کیا اور پھر باقی صحابہ کرامؓ کے ساتھ مدینہ ہجرت کی۔اور ان کو آپ ﷺ نے دنیا میں بخشش کا پروانہ دیا تھا کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ستر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے، آپؓ نے پوچھا کہ میں بھی ان میں شامل ہو؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آپ بھی ان شامل ہے۔[2]

وفات: ۱۲ھ خلیفہ اول حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں اس دنیا سے تشریف لے گئے۔جب رسول ﷺ فوت ہوئے تھے اس وقت ان کی عمر ۴۴ سال تھی، اس لحاظ سے وقتِ وفات ان کی عمر ۴۵ سال بنتی ہے۔[3]

غزوہ بدر میں کارنامہ

غزوہ بدر میں جب میدان کارزار گرم تھا، اس وقت حضرت عکاشہ بن محصن کی تلوار لڑتے لڑتے ٹوٹ گئی، آپ ﷺ نے ان کو کھجور کی ایک چھڑی مرحمت فرمائی جو ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی، وہ اخر وقت تک اس سے لڑتے رہے یہاں تک کہ ربُّ العلمین نے مسلمانوں کو فتح سے نوازا۔[4]

ایک چھڑی کا تلوار بن جانا یہ آپ ﷺ کا معجزہ ہے۔جنگ میں تلوار کا ٹوٹنا اور پھر ایک دوسرے تلوار سے آخر تک لڑنا یہ حضرت عکاشہ بن محصن کے بہادری اور جنگی کارنامہ کی ایک علامت ہے۔

---

[1] ابن عبد البر، ابو عمر، یوسف بن عبد اللہ، الاستیعاب فی معرفہ الاصحاب، ۱۰۸۰/۳

[2] ابن حجر، احمد بن علی بن محمد بن احمد، الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ۴۴۰/۴

[3] ابن الاثیر، ابوالحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابہ، ۶۴/۴

[4] ایضا

سریہ بجانب الغمر [1]

رسول ﷺ نے ٦ھ میں عکاشہ بن محصن کو چالیس آدمیوں کے ہمراہ بنو اسد [2] کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا، جو مدینہ کے راستے چشمہ غمر پر رہتے تھے، حضرت عکاشہؓ نہایت تیزی کے ساتھ ان کے طرف گئے لیکن وہ ڈر کر پہلے ہی بھاگ گئے تھے، اس لیے کوئی جنگ پیش نہ آئی لیکن دو سو اونٹ اور بکریاں گرفتار کرلائے۔[3]

جنگ کا بنیادی مقصد دشمن کے علاقے میں اپنے طاقت کا لوہا منوانا ہوتا ہے اگر کوئی جرنیل بغیر لڑائی کے حاصل کرلیتا ہے یہ اس کا، کارنامہ شمار کیا جائے گا جیسا کہ حضرت عکاشہ بن محصنؓ بغیر کسی لڑائی کے جنگ جیتے اور بہت سارا مال غنیمت حاصل کیا یہ آپ کی قائدانہ صلاحیتوں کا ایک کارنامہ ہے۔

غالب بن عبد اللہ کے جنگی خدمات

۷ھ میں آپ ﷺ نے ان کو ایک سو تیس آدمیوں کے ہمراہ المیفعہ [4] کے جانب روانہ کیا، ان لوگوں نے ایک دم سے اس علاقے پر حملہ کیا، ان کے مکانات پر جا پڑے اور جو سامنے آیا اسے قتل کیا، کافی مویشی مدینہ لیکر آئے۔[5]

اس واقعہ سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔ یہ اس زمانے کے اعتبار سے ایک گوریلہ حملہ تھا۔ کہ دشمن کو خبر نہ ہو اور اس پر حملہ ہو جائے تاکہ اس کو سنبھلنے کا موقعہ بھی نہ ملے۔

---

[1] مکہ میں غمر نام کا ایک قدیم کنواں ہے۔ ابن فقیہ کہتے ہیں: غمرہ مدینہ کے اطراف میں نجد کے راست پر واقع ہے یہ وہ مقام ہے جہاں آپ ﷺ نے عکاشہ بن محصنؓ کو بھیجا تھا۔ اور غمر ایک پہاڑ ہے۔ (دیکھیے: معجم البلدان شہاب الدین ابو عبد اللہ، ۲۱۱/۴)

[2] بنو اسد کا تعلق بنو عدنان سے ہیں۔ جنکا سلسلہ نسب یہ ہے بنو اسد بن خزیمۃ بن مدرکۃ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان (دیکھیے جمھرۃ انساب العرب، ابو محمد علی بن احمد بن سعید، دار الکتب العلمیۃ، بیروت الطبعۃ الاولی، ۱۴۰۳ھ، ۱۹۸۳ء، ۴۷۹/۱)

[3] ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد بن سعد، مترجم عبد اللہ العمادی الطبقات الکبری، ۲۸۸/۲

[4] المیفعہ، نجد کی جانب بطن نخل (مدینہ کے قریب بصرہ کے راستے پر ایک بستی ہے جو الطرف کے بعد آتی ہے) سے آگے کا مقام ہے اس کے اور مدینہ کے درمیان تقریبا ۹۶ میل کا فاصلہ ہے۔ (دیکھیے: المعالم الاثیرۃ فی السنۃ والسیرۃ، محمد بن محمد حسن شراب، دار القلم، الدار الشامیۃ، دمشق، بیروت الطبعۃ الاولی ۱۴۱۱ھ، ۲۸۳/۱)

[5] ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد بن سعد، مترجم عبد اللہ العمادی، الطبقات الکبری، ۳۱۵۵/۱

شجاع بن وہبؓ

نام وکنیت: نام: شجاع کنیت: ابو وہب

سلسلہ نسب: شجاع بن ابی وهب بن ربيعة بن اسد بن صهيب بن مالك بن كبير بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ الاسدی (۱)

قبول اسلام: شجاع بن وہب سابقین اولین صحابہ میں سے ہیں اور حبشہ کے طرف ہجرت کرنے والے صحابہ میں سے ہیں۔ (2)

وفات: جنگ یمامہ میں شہادت پا کر اس دنیا سے چلے گئے۔ (3)

شجاع بن وہب کی جنگی خدمات

شجاع بن وہبؓ آپ ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک تھے۔ لیکن ایک مرتبہ باقاعدہ ان کی سربراہی میں چوبیس آدمیوں کو بنو ہوازن کی سرکوبی کے لیے بھیجا، یہ حضرات دن کو چھپتے ہوئے اور رات کو چلتے ہوئے اچانک ان پر حملہ کیا اور شکست دے کر بہت سے مویشی کو چھین کر لائے، مال غنیمت میں سے ہر ایک سپاہی کو دیگر سامان کے علاوہ پندرہ پندرہ اونٹ ملے تھے۔ (4)

شجاع بن وھبؓ اپنے نام کی طرح اسم بامسمی تھے، نہایت بہادر اور دلیر سپاہی تھے، اور ان صفات ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ نے آپ کو امارت دی تھی۔ گوریلہ حملہ کر کے دشمن کو مارنا، یہ اس زمانے کے لحاظ سے ایک بہترین طریقہ تھا،

ابو قتادۃ الانصاری رضی اللہ عنہ

نام کنیت ولقب: نام: حارث، کنیت: ابو قتادہؓ، لقب: فارس رسول اللہ ﷺ

سلسلہ نسب: حارث بن ربعی بن بلدمه بن خناس بن عبيد بن غنم بن كعب بن سلمه بن سعد الانصاری الخزرجی السلمی (5)

---

(1) ابن عبد البر، ابو عمر، یوسف بن عبد اللہ، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ۲/۷۰

(2) ابن الاثیر، ابو الحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابہ، ۲/۶۱۱

(3) ابن حجر، ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۳/۲۶۶

(4) ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد بن سعد، مترجم عبد اللہ العمادی، الطبقات الکبری، ۱/۳۱

(5) ابن حجر، ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۷/۲۷

قبولِ اسلام: عقبہ ثانیہ کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ [1]

وفات: سالِ وفات میں اختلاف ہے۔ پہلا قول ۴۰ھ میں وفات پائی اور حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے نماز جنازہ پڑھائی، جس میں ۶ یا ۷ تکبیریں کہیں، دوسرا قول یہ ہے: کہ ۵۴ھ میں وفات پائی ہے۔ اس وقت ان کی عمر ۷۰ سال تھی۔ [2]

ابو قتادہؓ کی جنگی خدمات

جنگ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک رہے لیکن تین مواقع پر ان کی بہادری اور شجاعت کے کارنامے بالکل نمایاں ہیں۔

غزوہ الغابہ [3] یا ذی قرد میں کارنامہ

جب رسول ﷺ کے چرواہے کو قبیلہ غطفان [4] کے لوگ لوٹ کر لے گئے، آپ ﷺ نے ان کے پیچھے تین سوار بھیجے ان میں ایک قتادہؓ بھی تھے، احرمؓ صحابی رسول اور عبد الرحمن غطفانی کے درمیان مقابلہ ہو گیا، احرمؓ شہید ہو گئے، عبد الرحمن انکا گھوڑا لیکر جانا چاہتا تھا کہ ابو قتادہؓ پہنچ گئے اور نیزے کے وار سے اسکا کام تمام کیا۔ جب آپ ﷺ کو اس واقع کے خبر ہوئی، قتادہؓ کی تعریف ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمائی:

((كَانَ خَيْرَ فُرْسَانِنَا الْيَوْمَ أَبُو قَتَادَةَ)) [5]

ترجمہ: آج کے دن ہمارے سواروں میں بہترین سوار قتادہ تھے.

گھوڑا اس زمانے کی ایک بہترین سواری تھی۔ عام حالت اور جنگ دونوں میں استعمال ہوتی تھی۔ گویا یہ ایک جنگی سواری بھی تھی۔ جیسے آج کل کے زمانے میں بکتر بند گاڑی ہوتی ہے۔ حضرت قتادہؓ ایک بہترین گھڑ سوار تھے جا کے دشمن پر حملہ کر دیا اور اسکو قتل کر کے احرمؓ کا گھوڑا واپس لیا۔ اس لیے جہاں تک ہو سکے دشمن کے قبضہ میں

---

[1] ابن حجر، ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۷/۲۷

[2] ایضا

[3] الغابہ، مدینہ کے قریب ایک جنگل جو شام کے راستے میں واقع ہیں، (دیکھیے: وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی" علی بن عبداللہ بن احمد، دار الکتب العلمیۃ، بیروت الطبعۃ الاولی، ۱۴۱۹ھ ۴/۱۲۲)

[4] غطفان یہ دو عرب قبیلوں کا نام ہے۔ پہلا غطفان بن سعد بن مالک بن حرام بن جذام، جنوبی عرب کا قبیلہ ہے اور دوسرا غطفان بن سعد بن قیس عیلان ہے یہاں پر مؤخر الذکر مراد ہے۔ قیسی غطفان قبیلے کی چراگاہیں خیبر اور حجاز کی سرحدوں سے لیکر بنی طے کے پہاڑوں اجا اور سلمی تک پھیلی ہوئی ہے قبیلہ غطفان کے دو بڑے شاخیں ہیں اشجع اور بغیض۔ (دیکھیے اطلس سیرت نبوی، الدکتور شوقی ابو خلیل ص ۲۳۹)

[5] مسلم، مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح المسلم، کتاب الجہاد، باب غزوہ ذی قرد، 101/2، حدیث نمبر ۴۶۷۸

مسلمانوں کا کچھ بھی آجائے واپس لینا چاہیے۔ یا ان کو کسی طریقے سے ختم کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ یہی اشیاء نمائش کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ جو دشمن کے لیے حوصلہ منداور مسلمانوں کے لیے ذلت اور بدنامی کا سبب بن جاتا ہے۔

جنگ میں جب شکست ہونے لگے اس وقت ثابت قدم رہنا یہ بہت مشکل کام ہوتا ہے اس لیے اس وقت ڈٹ کر مقابلہ کرنا یہ بہادری اور شجاعت ہوتی ہے جیسا کہ قتادہؓ نے مقابلہ کیا اور دشمن کو ہلاک کر دیا۔ اس سے بھی یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ حالات جتنے بھی مشکل آجائیں اس کا مقابلہ کرنا ہے بھاگنا نہیں ہے، خودکشی نہیں کرنی ہے بزدلی نہیں دکھانی ہے۔

سریہ ابو قتادہ الانصاریؓ

شعبان ۸ھ میں آپ ﷺ نے ۱۵ آدمیوں کو ابو قتادہؓ کے سربراہی میں خضر[1] کے طرف روانہ کیا جہاں پر قبیلہ غطفان کے لوگ آباد تھے، یہ لوگ رات کو چلتے تھے اور دن کو کہیں چھپے رہتے تھے، جب وہاں پہنچے ان کو گھیر لیا ،ابو قتادہؓ نے اعلان کیا جو تم سے لڑے اس کو مارنا، باقی سے لڑنے کی ضرورت نہیں، اس لیے جو سامنے ایا اس کو مار دیا۔ اس طرح ان پر فتح یاب ہوگئے، اور بہت ساماں غنیمت اور قیدی مدینہ لیکر ائے۔[2]

یہ ایک مشہور مقولہ ہے کہ جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔ لیکن اسلام کا اصول یہ ہے بوڑھے ،بچے اور عورتوں کو کچھ نہیں کہا جائے گا، اس کے علاوہ جو مزاحمت نہ کرے ان کو بھی کچھ نہیں کہا جائے گا۔ لیکن جو بھی مزاحمت کرے، ان کو مارا جائے گا۔ اس لیے سریہ غطفان ایک گوریلہ حملہ تھا۔ لیکن اس میں بھی مسلمانوں نے اس چیز کا خیال رکھا۔ غیر مقاتلین کو نشانہ بنا کر قتل نہ کیا جائے۔

غزوہ حنین میں کارنامہ

غزوہ حنین میں بہت سخت لڑائی ہوئی یہاں تک کہ کچھ دیر کے لیے بعض مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے تھے، لیکن ابو قتادہؓ نے اس موقعہ پر بھی شجاعت دکھائی، ایک مشرک اور مسلمان میں لڑائی ہو رہی تھی، کہ ایک دوسرا مشرک پیچھے سے حملہ کے فکر میں تھا، حضرت قتادہؓ نے اسے دیکھ کر تلوار سے حملہ کیا جو اس کے کندھے پر پڑی ،جو زرہ کاٹتی ہوئی ہاتھ تک پہنچی، وہ بہت طاقتور آدمی تھا اس نے دوسرے ہاتھ سے ابو قتادہؓ کو پکڑا، لیکن اس کے

---

[1] خضرہ: یہ نجد میں بنو محارب کی سرزمین ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ مدینہ کے نواح میں تہامہ میں ہے (دیکھیے معجم البلدان، شھاب الدین ابو عبداللہ ۳۷۷/۲)

[2] ابن سعد، ابو عبداللہ محمد بن سعد، مترجم عبداللہ العمادی، الطبقات الکبری ۳۲۲/۱

دوسرے ہاتھ سے بہت زیادہ خون نکل چکا تھا،ابو قتادہؓ نے موقعہ پاکر اسے قتل کیا۔خود کہتے ہیں کہ مجھے جان کے لالے پڑھ گئے تھے لیکن قضاءاس کی آئی تھی۔ (1)

اس سے آج کے مسلمان فوجوں کو یہ سبق ملتا ہے کہ حالات جیسے بھی ہوں، جنگی محاذ سے قدم نہیں ہٹانا چاہیے۔صبر واستقامت کامیابی کی کلید ہے،اس کے فوت ہونے سے منزل پانے کی امید نہیں کی جاسکتی۔

قطبہ بن عامرؓ

نام وکنیت: نام: قطبہ،کنیت: ابوزید

سلسلہ نسب: قطبة بْن عَامِر بْن حديدة بْن عَمْرو بن سواد بن غنم بن كعب بن سَلَمَة الخزرجي (۲)

اسلام: عقبہ اولی میں مسلمان ہوئے۔ (3)

وفات: حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہد خلافت میں دنیا چھوڑ کر چلے گئے۔ (4)

قطبہ بن عامر کی جنگی خدمات:

تمام غزوات میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔غزوہ بدر میں صفوں کے درمیان ایک پتھر پھینکا اور کہا کہ "جب تک یہ نہ بھاگے گا میں بھی نہ بھاگوں گا" غزوہ احد کے موقعہ پر جسم پر نو زخم کھائے۔ (5)

فتح مکہ کے موقعہ پر بنو سلمہ کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا اور ان کے امیر تھے، (6)

۹ھ میں رسول ﷺ نے قطبہ بن عامرؓ کو بیس آدمیوں کے ساتھ قبیلہ خثعم (7) کے جانب بھیجا،اور یہ فرمایا کہ ایک دم سے ان پر حملہ کریں،ان کے پاس دس اونٹ تھے جن کو باری باری استعمال کرتے تھے۔راستے میں ایک

---

(1) بخاری،ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قول اللہ تعالی ویوم حنین ۹۶/۲،حدیث ۴۳۲۱

(2) ابن عبدالبر،ابوعمر،یوسف بن عبداللہ،الاستیعاب فی معرفہ الاصحاب،۱۲۸/۳

(3) ابن حجر،ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد،الاصابہ فی تمییز الصحابہ،۳۳۸/۵

(4) ایضا

(5) ابن الاثیر،ابوالحسن علی بن ابی الکرم،اسد الغابہ،۳۸۷/۴

(6) ایضا،۳۸۷/۴

(7) قبیلہ خثعم یہ قحطانی قبیلہ، خثعم بن انمار بن اراش بن عمرو بن نبت بن مالک بن زید بن کہلان سے نسبت رکھتا ہے،ان کی بستیاں جبال سراۃ میں تھیں۔یمن سے آکر یہ لوگ بیشہ (عسیر)، تربہ (طائف سے سو کلومیٹر مشرق میں) اور تبالہ میں آباد ہو گئے تھے۔دیکھیے : معجم قبائل العرب القدیمۃ والحدیثۃ، عمر بن رضا بن محمد راغب، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت الطبعۃ السابعۃ، ۱۴۱۴ھ ۱۹۹۴ء ۳۳۱/۱

آدمی کو پکڑا اور اس سے دریافت کیا لیکن وہ گونگا بن گیا پھر قبیلے کو پکارنے لگا انہوں نے اس کی گردن ماردی پھراتنی مہلت دے دی۔ کہ قبیلہ سو گیا تو یک دم ان پر حملہ کر دیا، دونوں طرف سے سخت جنگ ہوئی، بہت سے لوگ زخمی ہو گئے لیکن پھر بھی کافی مال مویشی ہنکا کر لے گئے۔ایک سیلاب آگیا جو مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان حائل ہو گیا۔[1]

معذور کو جنگ میں کچھ نہیں کہا جائے گا، جب تک اس کے طرف سے مزاحمت کا خطرہ نہ ہو۔ اگر مزاحمت کی تو پھر اس کو بھی مارا جائے گا، جیسا کہ اوپر والے واقعہ میں گزرا۔

جہاد کے لیے جاتے ہوئے راستہ میں کسی سے مزاحمت نہیں کرنی ہے۔اور راستہ کی رہنمائی کے لیے اگر رہ گزر سے پوچھا جائے۔اور وہ بتانے پر آمادہ نہ ہو اسکو بھی کچھ نہیں کہا جائے گا۔جب تک وہ مسلمانوں کے راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا۔

گوریلہ حملہ میں بھی موقعہ دیکھ کر کرنا ہے۔جیسا کہ دشمن سویا ہو، یا کسی اور شغل میں لگا ہو جیسا کہ قبیلہ خثعم پر مسلمانوں نے حملہ کیا۔

اسامہ بن زیدؓ

نام،کنیت اور لقب: نام :اسامہ،کنیت :ابو محمد،لقب : حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سلسلہ نسب: اسامة بن زيد بن حارثة بن شراحيل بن كعب بن عبد العزى الكلبى [۲]

پیدائش: بعثت نبوی کے بعد پیدا ہوئے،انکے والد (زیدؓ) اور والدہ (ام ایمن) دونوں سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب تھے۔اس لیے شروع ہی سے اسلام کے گہوارہ میں پرورش پائی تھی۔اور ہجرت کا شرف بھی حاصل کیا تھا۔[3]

وفات: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لڑائیوں سے کنارہ کش رہے،اور جناب معاویہؓ کے عہد حکومت میں ۵۴ھ میں مدینہ میں مقام جرف پر انتقال کر گئے۔[4]

جنگی خدمات: مدینہ کے غزوات اور سرایہ میں کم عمری کے باعث شریک نہ ہو سکے۔

---

[1] ابن سعد، ابو عبداللہ محمد بن سعد، مترجم عبداللہ العمادی،الطبقات الکبری،۱/۳۴۴

[2] ابن عبدالبر،ابو عمر،یوسف بن عبداللہ،الاستیعاب فی معرفہ الاصحاب ۱/۷۵

[3] ابن الاثیر،ابوالحسن علی بن ابی الکرم،اسد الغابہ،۱/۱۹۴

[4] ابن حجر،ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد،الاصابہ فی تمیز الصحابہ،۱/۲۰۳

۷ھ میں غالب بن عبداللہ کے ساتھ سریہ میں شریک ہوئے، جس میں ایک ایسے آدمی کو قتل کیا جس نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے غصے کے ساتھ فرمایا: تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا کہ وہ کلمہ پڑھ رہا تھا یا صرف زبان سے تا کہ تجھ پر اس کا سچ جھوٹ واضح ہو جاتا۔ یہ پہلی جنگی مہم ہے جس میں ان کا ذکر ملتا ہے۔[1]

جیش اسامہ

۱۱ھ ۲۶ صفر کو رسول ﷺ نے رومیوں کے ساتھ جہاد کے لیے ایک لشکر تیار کیا، اور اسامہ بن زیدؓ کو اس پر امیر بنایا۔ اس وقت ان کی عمر انیس، بیس سال تھی۔ اس لشکر میں حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر بن خطابؓ جیسے کبار صحابہ کرام بھی شامل تھے۔ یہ لشکر ابھی روانہ بھی نہیں ہوا تھا، کہ آپ ﷺ بیمار ہوئے اور اسی بیماری کے دوران آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے جھنڈا دیکر روانہ کیا، اس لشکر نے مقام جرف[2]، مدینہ کے قریب پہلا پڑاؤں ڈالا، کہ اس دوران آپ ﷺ اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ یہ لشکر واپس مدینہ ایا۔ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفہ بن گئے تو فتنہ ارتداد اٹھ کھڑا ہو، صحابہ کرام نے درخواست کی اس مہم کو روک دیجئے لیکن حضرت ابو بکرؓ نے کسی چیز کی پرواکئے بغیر اس کو چلتا کیا۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ بیس راتوں میں اپنی منزل مقصود پر پہنچ کر نہایت بہادری کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا، اور ان کو شکست سے دوچار کیا۔ اپنے والد کے قاتل کو بھی مار ڈالا۔ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں فتح کا پیغام بھیجا۔ خلافت صدیقی میں یہ پہلی فتح تھی۔[3]

یہ وہ جنگ ہے جس میں بہت زیادہ عبرتیں اور دروس موجود ہیں۔

امیر جو بھی بن جائے اس کی اطاعت کرنی ہے۔ چاہے وہ عمر یا مرتبہ کے لحاظ سے کم ہو، جیسا کہ اسامہؓ کے نگرانی میں بڑے بڑے کبار صحابہ کرام تھے۔

آپ ﷺ کی اتباع میں ہی نجات ہے اس لیے کہ آپ ﷺ نے جو لشکر تیار کیا تھا اور اسکا جو امیر بنایا تھا اور احکامات دئے تھے، ابو بکر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے اسی پر من و عن عمل کر کے لشکر کو جہاد کے لیے روانہ کیا۔ اور یہ لشکر کامیاب اور کامران لوٹا۔

---

(1) ابن سعد، ابو عبداللہ محمد بن سعد، مترجم عبداللہ العمادی، الطبقات الکبری، ۳۱/۱

(2) جرف، مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ (دیکھیے: معجم ما استعجم من اسماء البلاد والمواضع: ابو عبید عبداللہ بن عبد العزیز بن محمد البکری، عالم الکتب، بیروت، الطبعہ الثالثۃ، ۱۴۰۳ھ، ۳۷۸/۲)

(3) ابن سعد، ابو عبداللہ محمد بن سعد، مترجم عبداللہ العمادی، الطبقات الکبری، ۱۶۳/۱

ڈاکٹر فضل الٰی صاحب یہ فرماتے ہیں:

"حالات میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے"[1] "مشکلات اہل ایمان کو امور دینیہ کے انجام دہی سے نہیں روکتیں"[2]

اگر اچانک بہت زیادہ فتنے سر اٹھائیں، تو سب سے پہلے اس فتنے کو ختم کرنا ہے جس سے مسلمانوں کو زیادہ نقصان ہو رہا ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ چونکہ رسول اللہ ﷺ کا جاری کردہ حکم تھا جو نص کا حکم مفہوم لیے ہوتا تھا اس میں کسی اور کی طرف دیکھنا جائز نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر فضل الٰی صاحب لکھتے ہیں:

"خلاف نص اکثریت کی رائے کوئی حیثیت نہیں رکھتی"[3] اور "مسلمانوں کے رائے میں اختلاف رائے ہوتا ہے"[4]

اس لیے امیر المؤمنین (وزیر اعظم، صدر) کو باہمت، حوصلہ مند اور بہادر ہونا چاہئے جو فیصلہ ان کو صحیح لگے اس پر مکمل عمل کرنا چاہیے، اگرچہ وزراء کی رائے مختلف ہو، جیسا کہ حضرت ابو بکرؓ نے سب کی رائے کو مسترد کر کے لشکر اسامہؓ کو جہاد کے لیے بھیج دیا۔

عبد الرّحمن بن ابی بکرؓ

نام و کنیت: نام: عبد الرّحمن، (اسلام لانے سے قبل نام عبد الکعبہ) کنیت: ابو محمد، ابو عبد اللہ اور ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کے حقیقی بھائی تھے۔[5]

سلسلہ نسب۔:عبد الرحمن بن ابی بکر بن ابی قحافۃعُثْمَان بْن عامر بن عمرو ابْن کعب بْن سعد بْن تیم بْن مرۃ بن کعب بن لؤی بن غالب بْن فھر القرشی التیمی [٦]

---

[1] ڈاکٹر، فضل الٰی، لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۰۰ء ص ۳۰

[2] ایضا ص ۳۶

[3] اڈاکٹر، فضل الٰی، لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی، ص ۳۰

[4] ایضا ۶۹

[5] ابن عبد البر، ابو عمر، یوسف بن عبد اللہ، الاستیعاب فی معرفہ الاصحاب، ۸۲۴/۲

[6] ایضا

قبولِ اسلام:

ابتدائے اسلام سے مسلمان نہیں ہوتے تھے، اور غزوہ بدر میں مشرکین کے طرف سے آئے تھے لیکن پھر صلح حدیبیہ کے موقعہ پر ایمان لے آئے اور مدینہ پہنچ کر اپنے والد کے ساتھ رہنے لگے۔[1]

وفات: ۵۳ھ میں مکہ سے کچھ فاصلہ پر "حبشی" نام کے ایک مکان میں رہائش پذیر تھے، یہاں تک اللہ تعالی کا پیغام اجل پہنچا، اور اس دنیا سے چلے گئے۔[2]

جنگی خدمات:

حضرت عبد الرحمن بن ابی بکرؓ نہایت دلیر اور بہادر تھے، قبولِ اسلام کے بعد تمام غزوات میں شریک رہے۔ تیر اندازی میں کمال حاصل تھا۔

جنگ یمامہ میں کارنامہ:

یمامہ[3] کے جنگ میں عبد الرحمنؓ نے اپنی تیر اندازی کا کمال دکھایا۔ اس جنگ میں دشمن کے سات بڑے افسروں کو نشانہ بنا کر ہلاک کیا۔

قلعہ یمامہ کی دیوار ایک جگہ سے پھٹ گئی تھی۔ مسلمان اس جگہ سے اندر گھسنا چاہتے تھے، لیکن وہاں پر دشمن کا ایک سردار محکم بن طفیل[4] ہایت بہادری کے ساتھ کھڑا تھا، حضرت عبد الرحمن بن ابی بکرؓ نے نشانہ بنا کر اس کے سینہ پر ایسا تیر مارا کہ وہ تڑپ کر مر گیا، اور پھر مسلمانوں کا لشکر اس قلعہ کے اندر گھس گیا۔[5]

صرف جنگی اسلحہ رکھنا ضروری نہیں ہے بلکہ ایک ایسی فوج بھی ہونی چاہیے جو ان جنگی اسلحہ چلانے میں مہارت بھی رکھتا ہوں، ، اس زمانے کا جنگی اسلحہ تلوار، نیزہ اور تیر تھی۔ جو بھی سپاہی ان اسلحہ کو چلانے میں ماہر ہوتا

---

[1] ابن عبد البر، ابو عمر، یوسف بن عبد اللہ، الاستیعاب فی معرفہ الاصحاب، ۸۲۴/۲

[2] ایضا، ۸۲۶/۲

[3] یمامہ کے مشرق میں بحرین، مغرب میں یمن اور حجاز، جنوب میں نجران اور شمال میں نجد کا علاقہ شامل ہے یمامہ کی طول بیس مراحل پر مشتمل ہے اور مکہ سے چار دن کے مسافت پر واقع ہے، یہاں کا دار الحکومت حجر ہے۔ (دیکھیے: تاریخ ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد، ۳۲۱/۲)

[4] محکم بن طفیل، بنو حنیفہ کے مشہور سرداروں میں سے ایک تھا۔ (دیکھیے: ابو بکر الصدیق اول الخلفاء الراشدین، دار الکتاب العربی، الطبعۃ الاولی، ۱۴۲۴ھ ۲۰۰۴ء، ۴۷/۱)

[5] ابن حجر، ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد، الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۲۷۵/۴

تھا۔وہ دشمن پر سب سے زیادہ بھاری پڑتا تھا۔جیسا کہ حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ کو تیر اندازی میں مہارت حاصل تھی،اس لیے جنگ یمامہ میں دشمن کے سات بڑے افسر اور محکم بن طفیل کو جو قلعہ کا محافظ تھا تیر سے مار دیا۔اس زمانے میں میزائیل،راکٹ لانچر اسکا متبادل ہے۔اس لیے اس جدید اسلحہ کو چلانے میں مہارت رکھنے والی فوج ضروری ہیں۔

رومیوں سے جنگ کرنا:

حضرت خالد بن ولیدؓ اپنے دس ساتھیوں کے ساتھ خفیہ طور پر جبلہ کے لشکر کیطرف چلے گئے،ان کے آنے سے پہلے انہوں نے والی قنسرین[1] کو گرفتار کر لیا جو جبلہ بن ایہم کے استقبال کے لیے نکلا تھا۔جب اس کو گرفتار کر لیا تو اس وقت جبلہ بن ایہم کے لشکر آ گئے اور ان کو گھیرے میں لے لیا۔حضرت خالدؓ نے ان سے گفتگو کی اور کہا کہ انصاف یہ ہے ایک ایک سوار ایک ایک کے مقابلے میں آجائے اگر تم نے ہمیں مار ڈالا تو یہ تمہارا سردار(قنسرین) موجود ہے نہایت آسانی کے ساتھ تمہارے ہاتھ آجائے گا،اور اگر اللہ تعالی نے ہمیں تم پر غلبہ دیا،تو اس کا قتل ہونا تمہیں کچھ بھی ناگوار نہیں معلوم ہوگا،اس لیے کہ تم پہلے قتل ہو چکے ہونگے۔اس نے یہ بات مان لی،مسلمانوں کے طرف سے عبد الرحمن بن ابی بکر مقابلہ کے لیے نکلے،اور ان کے مقابلے کے لیے یکے بعد دیگرے پانچ جانباز نکلے ،آپ نے ایک ایک حملہ میں پانچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔[2]

قنسرین والے واقعے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے،کہ جنگ میں دماغ کو لڑانا وقت اور حالات کے مطابق نئی سٹریٹجی بنانا یہ ایک کامیاب لیڈر اور جرنیل کی نشانی ہوتی ہے۔جسے خالد بن ولیدؓ اور ان کے دوستوں کو جب دشمن نے گھیرے میں لے لیا۔تو اس وقت خالدؓ نے کفار کے سامنے ایک نیا جال پھینک دیا کہ ایک کے مقابلے میں ایک بندہ نکلے،کفار نے مان لیا مسلمانوں کے طرف سے حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر جو کہ ایک بہادر،ماہر جرنیل تھا،نکلا۔اور اپنے مقابل کے پانچ آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جس سے دشمنوں پر مسلمانوں کا رعب جاری ہو گیا۔

جنگ یرموک میں کارنامہ:

جنگ یرموک میں جب کفار سردار کے مقابلے میں قیس بن ہبیرہؓ نکلے،دوران لڑائی میں قیس بن ہبیرہؓ کی تلوار اس کی ڈھال میں پھنس کر رہ گئی۔

---

(1) والی قنسرین کا نام لوقا تھا جو بہت بہادر شخص تھا،اور لوگ اس سے بہت ڈرتے تھے۔(دیکھیے،فتوح الشام،محمد بن عمر،ص۱۸۹)

(2) الواقدی،ابو عبداللہ، محمد بن عمر،مترجم مولانا شبیر احمد،فتوح الشام ص۱۸۹،۱۹۰

اس وقت خالد بن ولیدؓ نے اعلان کیا کوئی شخص ہے ؟جو قیس بن ہبیرہ تک یہ تلوار پہنچائے۔ حضرت عبد الرّحمن بن ابی بکرؓ وہ تلوار ہاتھ میں لی اور اس تک پہنچے، رومیوں نے جب یہ دیکھا وہ سمجھے کہ یہ ساتھی کے معاونت کو آئے ہیں، اس لیے ان میں سے بھی ایک اور سردار نکلا، اور یہاں آگیا۔ ایک ترجمان کے واسطہ سے آپؓ سے گفتگو کی۔ اس لمحہ آپؓ نے قیس بن ھبیرہؓ سے درخواست کی۔ کہ آپ تھک گئے ہے اب مجھے لڑنے دیں۔ قیس بن ھبیرہؓ نے اجازت دی اور عبد الرحمنؓ نے اسی وقت اسی شخص کو جس سے آپ مخاطب تھے زور سے نیزہ مار اور ہلاک کردیا۔ دونوں رومی سرداروں نے عبد الرحمنؓ پر حملہ کردیا، آپ نے ان میں سے ایک کے سینے میں زور سے نیزہ مارا، اس کی نوک زرہ میں پھنس گئے، آپ نے اسے ہاتھ سے پھینک دیا اور تلوار سے ایسا مضبوط وار کیا کہ دشمن دو ٹکڑے ہوگیا۔ اسے دیکھ کر وہ دوسرا، سردار اپنی جگہ کھڑا ہو کے مبہوت رہ گیا، اس کے بعد اس کو بھی مار دیا، جب رومیوں نے یہ منظر دیکھا تو اپس میں کہنے لگے یہ عرب شیطان معلوم ہوتے ہیں۔ [1]

پرانے زمانے میں جنگ شروع ہونے سے پہلے دونوں اطراف سے پہلے ایک ایک سپاہی نکلتا تھا۔ ان کا اپس میں مقابلہ ہوتا تھا۔ اس میں عام طور جو جیتا تھا اس سے اس کی اپنی فوج کا حوصلہ بڑھتا تھا۔ اور مخالفین کا کمزور ہو جاتا تھا۔ اور یوں شروع ہی سے جنگ کی شکست اور فتح کا اندازہ لگ جاتا تھا۔ اس لیے جب جنگ یرموک میں قیس بن ھبیرہؓ کا تلوار ڈھال میں پھنس گئی۔ عبد الرحمن بن ابی بکرؓ نے ان کو پیچھے ہٹنے کا کہا اور خود کفار سے مقابلہ کیا اور اپنے مخالفین کو مار دیا۔

اس لیے آج کے دور میں بھی کہیں پر دشمن کے ساتھ دوبدو لڑائی ہو رہی ہو اور جدید آلات نہ ہو۔ مسلمانوں کے سپاہی کا پلڑا کمزور ہو رہا ہو تو اس وقت اس کو پیچھے کر کے اس کے جگہ ایسا سپاہی نکلے جو دشمن کو ختم کر سکے۔ اس لیے کے جنگ میں اصل کام دشمن کو شکست دینا ہے نہ کہ سارے دشمنوں قتل کرنا اور وہ جس طریقے سے بھی آسان ہو وہ طریقہ اختیار کیا جائے۔

---

[1] الواقدی، ابوعبداللہ، محمد بن عمر، مترجم مولانا شبیر احمد، فتوح الشام ص ۳۰۰

ضرّار بن ازورؓ کے جنگی خدمات

ضرّارؓ نہایت بہادر، جنگجو بہترین گھڑ سوار اور شاعر تھے۔ جتنی جنگوں میں بھی شریک ہوئے بہادری کے ساتھ لڑے۔ لیکن کچھ مواقع پر ان کے کارنامے بلکل نمایاں ہیں ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

جنگ اجنادین(1) میں بہادری:

جنگ اجنادین میں جب دونوں فریق امنے سامنے ہوگئے، خالد بن ولیدؓ نے مسلمانوں کے لشکر سے کہا کہ عصر سے پہلے حملہ نہیں کرنا، تو اس وقت رومیوں نے تیر برسانا شروع کئے، تو اس وقت حضرت ضرار خالد بن ولید کے حکم سے مقابلے کے لیے نکلے اور ان کو یہ حکم تھا کہ مسلمانوں کے حملہ کے وقت تک لڑائی کو طول دے دو۔ حضرت ضرار نے رومیوں والی زرہ پہنی اور ان کی صفوں میں گھس گئے، اور ان سے لڑنا شروع کیا۔ اور بیس آدمیوں کو مار دیا۔ اس حملہ نے رومیوں کے لشکر میں کھلبلی مچادی۔ رومیوں کے سپہ سالار دروان نے یہ اعلان کیا جو آدمی ان کو مار ڈالے گا، بدلے میں جو چاہے گا دے دوں گا۔ ایک بہادر جوان نکلا ضرار پر حملہ کیا تقریبا تین گھنٹے دونوں لڑتے رہے، اخر کار ضرار نے نیزے سے ایسا وار کیا کہ اس سے وہ ہلاک ہو گیا۔(2)

اصطفان سے مقابلہ:

اس جوان کے مرنے کے بعد والی عمان "اصطفان" نکلا، اور اپنے سپہ سالار سے کہا اگر میں اسکو قتل کردو یا گرفتار کردو، بدلے میں اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے کرنا ہوگا، اس نے مان لیا۔ اس نے ضرار پر حملہ کردیا دونوں کافی دیر تک فن حرب کے جوہر دکھلاتے رہے، حضرت ضرارؓ اپنے گھوڑے کو ارام دینے کے لیے اتر رہے تھے کہ سامنے سے اصطفان کا غلام گھوڑے پر آرہا تھا، چھلانگ لگا کر ایک وار سے اسکا کام تمام کردیا اور اس کے گھوڑے پر بیٹھ گئے۔ اخر کار اصطفان کو بھی مار ڈالا۔(3)

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بعض اوقات دشمن کے توجہ ہٹانے کے لیے ان کے صفوں میں گھس جانا اور ان کے درمیان لڑنا تاکہ دشمن کی توجہ اصل کام کی طرف نہ رہے۔

مسلمانوں کا ہمیشہ سے یہ طریقہ کار چلا آرہا تھا۔ کہ وہ عصر کے وقت حملہ کیا کرتے تھے۔ اگر اس وقت سے پہلے دشمن حملہ کرتا تو اسکو کسی طریقے سے ٹال کر عصر تک پہنچاتے تھے، جب جنگ اجنادین میں کفار نے ظہر کے

---

(1) اجناد، رملہ اور بیت حبرین کے درمیان ایک مقام کا نام ہے، جو فلسطین میں ہے، جہاں جنگ اجنادین واقع ہوا۔ (دیکھیے: معجم البلدان، شہاب الدین ابو عبداللہ، ۱/۱۰۳)

(2) الواقدی، ابو عبداللہ، محمد بن عمر، مترجم مولانا شبیر احمد، فتوح الشام، ۹۲،۹۳

(3) ایضا

وقت حملہ کر دیا اور وہ مسلسل تیر برسا رہے تھے۔اور مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ عصر سے پہلے حملہ نہیں کرنا۔ حضرت خالدؓ نے ضرار بن ازورؓ کو یہ حکم دیا کہ حملہ کو عصر تک روکے رکھے۔ حضرت ضرارؓ نے رومیوں کا یونیفارم پہن کر ان کی فوج میں چلے گئے وہ یہ سمجھے کہ یہ ہمارا فوجی ہے۔ان کو مارنا شروع کر دیا، حملے کا سارا رخ اس طرف مڑ گیا.اور اس طرح ان کی یہ ترکیب کارگر ثابت ہوئی۔دشمن کے حملہ کو عصر تک روکے رکھا۔

اسی طرح دشمن کی طرف سے اچانک حملہ ہو جائے اور مسلمان اس کے لیے تیار نہ ہوں۔اس وقت بھی مسلمانوں میں ایک دو جو بہادر اور ماہر سپاہی ہو ،ان کے درمیان جاکے ان سے لڑیں ،اور جہاں تک ہو سکے ان کو مصروف رکھیں۔یا اگر اسلحہ ختم ہو رہا ہو،اور پیچھے سے اسلحہ آرہا ہو۔اسلحہ کے پہنچنے تک ان کو روکے رکھنا۔

اس لیے یہ جو طریقہ کار ہے یہ جنگ میں بہت سے مواقع پر کام آسکتا ہے۔

عبداللہ بن جعفرؓ کی جنگی خدمات

عبداللہ بن جعفرؓ ایک جوان صحابی رسول تھے۔لیکن جنگ کے میدان میں جو کارنامے آپ نے سرانجام دئے وہ قابل رشک ہے۔

قلعہ ابوالقدس کو فتح کرنا:

حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے پانچ سو سواروں پر سردار مقرر کر کے ان کو قلعہ ابوالقدس کی طرف روانہ کیا۔جب یہ لشکر قلعہ ابوالقدس کے قریب پہنچا تو اس پہاڑ کے قریب انہوں نے پڑاؤں ڈالا،اور پھر ایک راہب کو ان کی خبر لینے کے لیے بھیجا،راہب نے ان پر حملہ کرنے سے منع کر دیا اور کہا کہ ان میں صرف عام لوگ جو بازار میں موجود تھے وہ تقریبا بیس ہزار اور پانچ ہزار کے قریب فوجی ہے۔

لیکن حضرت عبداللہ بن جعفرؓ پھر بھی حملہ کے لیے تیار ہوئے اور اپنی فوج کو پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا اور ہر سو جانبازوں پر ایک امیر تقرر کیا،اور ان کو یہ حکم دیا کہ ہر دستہ الگ الگ مقام سے حملہ کر دے،اور حملہ بھی اس وقت کرنا ہے جب وہ لوگ خرید و فروخت میں مشغول ہو جائیں۔

جب انہوں نے حملہ کر دیا تو مسلمانوں کا خیال تھا کہ پانچ ہزار سے زیادہ فوج وہاں پر نہیں ہو گی، مگر توقع کے خلاف ایک بڑا بھاری لشکر وہاں سے نکل پڑا۔ مسلمان بہادری کے ساتھ لڑتے رہے اور لڑائی طویل ہو گئی، مسلمان تھکنے لگے ،اس وقت عبد اللہ بن انیسؓ حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کے پاس آئے اور کہا مسلمانوں کی مدد کرو، وہ

مصیبت میں ہیں، آپ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو ان کی مدد کے لیے بھیجا، اور اسی طرح خالد بن ولیدؓ کی کمک سے دشمن شکست سے دوچار ہو گیا۔[1]

واقدیؒ فرماتے ہیں کہ یہ فتح تین شخصیات، عبداللہ بن جعفرؓ کی سرکردگی، عبداللہ بن انیسؓ کی خبر دہی اور خالد بن ولیدؓ کی کمک کی طرف منسوب ہے۔[2]

دشمن کے حالات معلوم کرنے کے لیے ایسا آدمی بھیجا جائے، جو ان میں قابل اعتماد ہو۔ عام طور پر مذہبی رہنما یا سردار ہر مذہب میں قابل اعتماد ہوتا ہے۔ اور ان میں عام لوگوں کے بنسبت معلومات زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے کسی سردار یا مذہبی رہنما کو دشمن کی معلومات کے لیے بھیجا جائے۔ لیکن اس چیز کا بھی اعتماد ہو کہ وہ دھوکہ نہیں دے گا۔ جیسا کہ عبداللہ بن جعفرؓ نے راہب کو دشمن کے حال معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ اور یہ طریقہ آج کے زمانہ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

جب تک صحیح طور پر مکمل معلومات حاصل نہ ہوں، اس وقت تک حملہ کرنے سے باز رہنا چاہیے۔ ناقص معلومات کی بناء پر آگے نہیں جانا چاہیے۔ اس لیے کہ جنگ کوئی کھیل نہیں ہے جو کہ ناقص معلومات کی بنا پر بھی کھیلا جاسکے، جیسا کہ عبداللہ بن جعفرؓ نے یہ سمجھا کہ شاید اتنے ہی لوگ ہونگے جتنے راہب نے بتایا تھا۔ لیکن وہاں اور فوج بھی تھی جس سے مسلمانوں کو بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ اور قریب تھا کہ ان کو شکست ہو جاتی۔

اور آج کے دور میں تو یہ اور زیادہ ضروری ہو گیا ہے کہ جب تک دشمن کی فوج، اسلحہ خفیہ ٹھکانوں کا پتہ نہ ہو۔ اس وقت تک آگے نہیں بڑھنا چاہیے۔

جب جنگ میں مسلمانوں کے کسی ایک گروہ کو شکست ہونے لگے۔ اس وقت کوئی بھی سپاہی کسی دوسرے مسلمان گروہ سے جنگ میں مدد کے لیے پکار سکتا ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن انیسؓ نے کیا۔ اور یہ مدد آج کے دور میں اور بھی مختلف طریقوں سے ہو سکتی ہے ہوائی فوج کے ذریعے ان کی مدد کی جائے یا دور سے میزائیل داغ کر مدد کی جائے اس طرح مختلف طریقوں سے آج کے دور میں بھی یہ کام ہو سکتا ہے۔

---

[1] الواقدی، ابو عبداللہ، محمد بن عمر، مترجم مولانا شبیر احمد، فتوح الشام، ص ۱۵۵ تا ۱۶۶

[2] ایضا

سعید بن زیدؓ

نام وکنیت۔نام: سعید بن زید، کنیت: ابوالاعور

سلسلہ نسب۔سَعِید بْن زید بْن عمرو بْن نفیل ابن عبد العزی بْن ریاح بْن عَبْد اللّٰہْ بْن قرط بْن رزاح بْن عدی بْن کعب بْن لؤی القرشی العدوی [1]

قبول اسلام:

مکہ میں رسول ﷺ پر حضرت سعید بن زیدؓ اپنی اہلیہ فاطمہؓ کے ساتھ ایمان لائے تھے۔حضرت سعید بن زیدؓ ان دس خوش بخت صحابہ میں سے ایک ہے جنہیں دنیامیں جنت کی خوشخبری مل گئی تھی۔[2]

وفات۔: سعید بن زیدؓ نے ۵۰ یا ۵۱ھ میں ۷۰ سال سے اوپر کی عمر میں مدینہ میں انتقال کر گئے۔[3]

سعید بن زیدؓ کی جنگی خدمات

غزوہ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں آپ ﷺ کے ساتھ شامل رہے۔

امارت: محاصرہ بعلبک[4] میں ابوعبیدہ بن جراحؓ نے سعید بن زیدؓ پانچ سو سوار اور تین سو کو پیدل فوج پر امیر مقرر کیا۔[5]

انطاکیہ[6] کی لڑائی میں خالد بن ولیدؓ کی ماتحتی میں آپ ہراول دستے کے امیر تھے جو تین ہزار فوج پر مشتمل تھی۔[7]

---

(1) ابن عبدالبر، ابو عمر، یوسف بن عبداللہ، الاستیعاب فی معرفہ الاصحاب، ۲/۶۱۴

(2) ابن الاثیر، ابوالحسن علی بن ابی الکرم، اسد الغابہ، ۲/۴۷۶

(3) ایضا

(4) بعلبک: لبنان کا یہ شہر اثار قدیمہ کے لیے مشہور ہے۔(دیکھیے: المنجد فی الاعلام) پرانا شہر ہے اس میں عجیب عمارتیں اور اثار عظیمہ ہیں اور رخام کے بادشاہوں کے محلات ہیں۔اس کے اور دمشق کے درمیان تین دن کا فاصلہ ہے۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ساحل سے تین فرسخ کے فاصلہ پر ہے۔(دیکھیے: معجم البلدان، شھاب الدین ابو عبداللہ یاقوت ۱/۴۵۳)

(5) الواقدی، ابو عبداللہ، محمد بن عمر، مترجم مولانا شبیر احمد، فتوح الشام، ص ۲۰۴

(6) انطاکیہ: یہ شہر دنیا کے قدیم ترین شہروں میں شامل ہے۔یہ جنوبی ترکی میں دریائے عاصی کے کنارے واقع ہے۔سکندر اعظم کے بعد تیسرے حکمران انٹیوکس نے اسے آباد کیا اور اپنا دارالحکومت بنایا تھا ۱۴ھ میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا،(دیکھیے: معجم البلدان، شھاب الدین ابو عبداللہ یاقوت ۱/۲۶۸)

(7) الواقدی، ابو عبداللہ، محمد بن عمر، مترجم مولانا شبیر احمد، فتوح الشام، ص ۲۷۰

جب حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ نے دمشق کا محاصرہ کیا ہوا تھا اس وقت حضرت سعید بن زید اور ضرار بن ازور کو شہر کے دروازوں پر متعین کر کے یہ حکم دیا تھا کہ ادھر سے رومی آنے پائے۔

بعلبک کے میدان میں کارنامہ

بعلبک کے میدان میں جب فریقین آمنے سامنے ہوگئے۔ تو اس وقت رومیوں کے سردار ہربیس نے رومیوں کو اپنی تقریر سے جنگ پر ابھارا، اور وہ پہلے دن خوب لڑے، پہلے دن کی حالت دیکھ کر ان کی حوصلہ بلند ہوگئے تھے، اس لیے دوسرے دن انہوں نے سخت حملہ کیا۔ اور مسلمانوں پر میدان جنگ کو تنگ کر دیا اور مسلمان ہر طرف سے کفار کے نرغے میں آگئے۔ اسی دوران سعید بن زیدؓ اور ضرّار بن ازورؓ مدد کے لیے پہنچے اچانک حملہ کر کے رومیوں کو شکست پر مجبور کر کے بھگا دیا۔[1]

جنگ کے وقت فوجیوں کے حوصلے بلند کرنے کے پہلے دور میں بھی دو ہواں دھار تقریر ہوتی تھی۔ جس سے فوجیوں کے حوصلے بلند ہو جاتے تھے۔ اور پھر وہ دل و جان سے لڑتے تھے۔ اور یہی طریقہ آج بھی رائج ہے کہ فوجیوں کو جنگ میں حوصلہ دینے کے لیے تقریر کی جاتی ہے اور مختلف قسم کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ اس لیے کمانڈر اور جرنیل میں یہ بھی صلاحیت ہونی چاہیے۔ کہ وہ اچھا مقرر ہو، اور جنگ کے درمیان اس سے کام لیں۔

اگر مسلمان فوج کا کوئی ایک گروہ کسی جگہ مشکل میں ہو۔ تو دوسرے گروہ کو ان کی مدد کے لیے پہنچنا چاہیے جیسا کہ آج کل کے تین حصوں میں تقسیم ہے بری، بحری اور ہوائی۔

ان میں سے کوئی ایک مشکل میں پڑ جائے تو دوسرے کو بروقت ان کے مدد کے لیے پہنچنا چاہیے۔

ہاشم بن عتبہؓ

نام کنیت اور لقب: نام: ہاشم کنیت: ابو عمرو، لقب: مرقال[2]

سلسلہ نسب: هاشم بن عتبة بْن اِبی وقاص بْن اهيب بْن عبد مناف ابن زهرة القرشي الزهري ''مشہور صحابی ''سعد بن ابی وقاصؓ'' کے بھتیجے ہیں۔[3]

اسلام لانا: فتح مکہ کے موقع پر اسلام میں داخل ہوگئے۔[4]

---

[1] الواقدی، ابو عبداللہ، محمد بن عمر، مترجم مولانا شبیر احمد، فتوح الشام، ص ۲۷۰

[2] ابن حجر، ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۴۰۴/۶

[3] ایضا

[4] ایضا

وفات: ۳۷ھ معرکہ صفین میں وفات پائی۔[1]

امارت: معرکہ یرموک[2] میں پیادہ فوج کے کمانڈر ہاشم بن عتبہؓ تھے،اوراس جنگ میں آپؓ کی ایک انکھ بھی شہید ہوئی۔[3]
جلولاء کی جنگ میں سپہ سالار تھے۔

جلولاء کا معرکہ

مدائن کی فتح کے بعد یزدگرد نے جلولاء[4] میں تیاریاں شروع کیں اور سعد بن وقاصؓ کو اسکی خبر ہوئی توآپ نے ہاشمؓ کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ کے لیے بھیجا۔ایرانی پہلے سے جنگ کے لیے تیار تھے،اوران کی مدد کے لیے حلوان سے کمک آرہی تھی۔اورانہوں نے اپنے ارد گرد خندق کھودی تھی۔حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ہاشم بن عتبہؓ کی امارت میں بارہ ہزار کا لشکر ان کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔جب یہ لشکر اپنے مقام پر پہنچا. ہاشمؓ نے فیصلہ کیا،کہ بلاکسی توقف کے حملہ کردینا چاہیے،ورنہ ایرانیوں کی امدادی فوج ان کی قوت اور حوصلہ کو اور بڑھادے گی،اس وقت مقابلہ میں مشکلات بہت زیادہ ہوگی۔اس فیصلے کے بعد مسلمانوں نے جنگ چھیڑدی،پہلے تیر چلے،پھر نیزوں سے جنگ شروع ہوئی،جب نیزے بھی شکستہ ہوئے توپھر تلوار سے لڑائی شروع ہوئی،گھمسان کی جنگ ہوئی ،اخر میں مسلمانوں نے ایسا حملہ کیا کہ اس سے ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے،اور وہ بھاگ گئے،مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔اوراسی کے ساتھ اس پاس کے علاقوں کو بھی فتح کرلیا گیا۔

معرکہ جلولاء کو فتح الفتوح کہا جاتاہے اوراس میں حاصل ہونے والا مال غنیمت 18 لاکھ تھا،اور یہ سارا معرکہ جوان سپہ سالار حضرت ہاشم بن عتبہ کے زیر امارت ہوا۔[5]

---

[1] ابن حجر،ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد،الاصابہ فی تمییز الصحابہ،۴۰۵/۶

[2] یرموک: شام کا یہ دریا سطح مرتفع حوران سے نکلتا ہے شام اوراردن کی سرحد پر بہتا ہوا جھیل طبریہ کے جنوب میں دریائے اردن سے جاملتا ہے۔اور یہاں پر مسلمانوں اور رومیوں کا معرکہ ہوا تھا۔جو جنگ یرموک کے نام سے مشہور ہے(دیکھیے: اٹلس فتوحات اسلامیہ،احمد عادل کمال،مترجم، محسن فارانی،دارالسلام لاہور،۱۴۲۸ھ ص۵۹)

[3] ابن کثیر،عمادالدین اسمعیل بن عمر،مترجم مولانا فتح پوری،البدایہ والنھایہ، نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۹،۷/۲۲

[4] جلولاء: عراق کا یہ شہر خانقین کے جنوب میں دجلۃ الایمن کے کنارے واقع ہے ان دنوں اسے قزل رباط کہتے ہیں(المنجد فی الاعلام)جلولاء دراصل ایک بڑی ندی ہے جو یعقوبا کی طرف بہتی ہے اس کا نام جلولاء اس لیے رکھا گیا تھا کہ یہ میدان مقتول ایرانیوں کی لاشوں سے بھر گیا تھا دیکھیے معجم البلدان،شھاب الدین ابوعبداللہ یاقوت،۱۵۶/۲)

[5] ابن کثیر،عمادالدین اسمعیل بن عمر،مترجم مولانا فتح پوری،البدایہ والنھایہ ۹۸/۷،۹۹

جو ملک جتنا طاقتور ہوتا ہے اتنی اس کی فوج اچھی ہوتی ہے۔اور جنگی مہارتیں بھی ان کے پاس زیادہ ہوتی ہے۔ان کے ذہن اور حکمت عملی کے مطابق آپ نے لڑنا ہوتا ہے، جیسا کہ آج کے دور میں امریکہ ہے۔اس کے پاس اسلحہ بھی زیادہ ہے اور جدید بھی ہے بہترین فوج بھی ہے۔اس کا انٹیلجنس سسٹم بھی مضبوط ہے۔ان ساری چیزوں کو دیکھ کے ان سے لڑنے کی صلاحیت ہے تو ہی لڑا جائے گا ورنہ نقصان ہوگا۔ایران اس وقت ایک سپر پاور ملک تھا۔جو ملک جتنا طاقتور ہوتا ہے اتنی اس کی فوج اچھی ہوتا ہے۔اور جنگی مہارتیں بھی ان کے پاس زیادہ ہوتی ہے۔ان کے ذہن کے اور حکمت عملی کے مطابق آپ نے لڑنا ہوتا ہے،اس لیے جب ہاشم بن عتبہؓ نے دیکھا کہ انہوں اپنے ارد گرد خندق کھودی ہے،سب سے پہلے تیروں سے حملہ کر دیا پھر نیزوں سے مقابلہ کیا اور پھر تلوار سے حملہ کیا۔جیسے آج کل کے زمانے میں سب سے پہلے ہوئی حملہ کیا جائے۔پھر ٹینکوں کے ذریعے سے حملہ کیا جائے،اور پھر بندوقوں کے ذریعے حملہ کیا جائے۔

خلاصہ

صحابہ کرام کی زندگی کا ایک اہم حصہ جس کی طرف عام طور پر توجہ کم ہوتی ہے وہ مختلف جنگوں میں صحابہ کرام کی سیاسی اور عسکری حکمت عملی ہے اور شاید اس وجہ سے عہد نبوی سے لیکر دور فاروقیؓ تک کے مختصر عرصے میں صحابہ کرام نے عسکری میدانوں میں جو بے مثال کامیابیاں حاصل کیں جن کی مثال اس سے پہلے تاریخ میں نہیں ملتی۔یقیناان تمام کامیابیوں میں اللہ تعالی کا کی تائید اور نصرت کے ساتھ ساتھ خود صحابہ کی بصیرت اور حکمت عملیوں کا بڑا دخل تھا۔یہ آپ حضرات کی عسکری حکمت عملیوں کا نتیجہ تھا کہ جنگوں میں اپنے سے کئی گنا بڑے لشکر کو شکست دیکر خود فاتح میدان قرار پاتے تھے۔مجموعی طور پر ان میں جوان صحابہ ہی اسلام کو پھیلانے، محفوظ کرنے اور دفاع میں پیش پیش رہے اس لیے جوان صحابہ کرام کو جنگ کے میدان میں مختلف ذمہ داریاں عطا کیں۔آپ حضراتؓ نے جنگوں میں اپنی عسکری حکمت عملیوں اور تدابیر کے جو جوہر دکھائے ہیں وہ آج کے مسلم جوانوں اور عسکری رہنماؤں کے لیے قابل تقلید ہے۔

خاتمہ

- ❖ خلاصہ بحث
- ❖ نتائج
- ❖ سفارشات
- ❖ فہرست آیات
- ❖ فہرست احادیث
- ❖ فہرست اعلام
- ❖ فہرست قبائل
- ❖ فہرست اماکن
- ❖ مصادر و مراجع

خلاصہ بحث

اسلامی ریاست کے انتظام وانصرام میں جوان صحابہ کرام کا کردار یہ ثابت کرتا ہے . ریاست کا ادارہ انسانی معاشرے کے لیے بنیادی اور اہم ضرورت ہے۔ کیونکہ کسی بھی معاشرے کے بقاء کے لیے اس کی اجتماعی اقدار کا تحفظ سلامتی اور اس کا نظم وضبط ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ جو کہ ہمیشہ ریاست نے پوری کی ہے۔ گویا ریاست ایک ایسی بنیادی ضرورت ہے جس کو کبھی بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس طرح انسانی معاشرے کی تشکیل میں مذہب کا کردار ہمیشہ سے اہم رہا ہے۔ دین اسلام مکمل ضابطہ حیات ہونے کے اعتبار سے جہاں زندگی کے تمام شعبوں میں انسانیت کی رہنمائی کرتا ہے۔ وہاں بطور خاص انسانی اجتماعی تنظیم سے متعلق بھی رہنمائی کرتا ہے.

اس طرح ریاست کی ترقی میں جوان بہت اہم کردار ادا کرتے ہے۔۔ بلاشبہ کسی بھی قوم کا عروج اور زوال جوانوں کی ہاتھ میں ہوتا ہے۔ جوانی کا جو دور ہوتا ہے حقیقت میں اس وقت انسان کے ارادے، جذبے اور توانائی عروج پر ہوتی ہے۔ اگر ان جذبوں اور توانائیوں کو قوم کی فلاح اور ترقی کے لیے استعمال کیا جائے تو وہ قوم وملک ترقی وعروج کی منزل پر پہنچ جاتے ہیں اگر یہ جذبہ اور توانائی غلط راستے پر استعمال ہو جائے تو تنزلی اور پستی اس قوم کا مقدر بن جاتی ہے۔ اسی وجہ سے دینِ اسلام نے ان کے ساتھ اچھا سلوک اور اس چیز کی رہنمائی کی طرف ابھارا گیا ہے جس میں اصلاح اور خیر ہو۔ اور قرآن پاک میں انسان کی جوانی کے حالت الگ حیثیت دیکر بیان کیا ہے حدیث مبارکہ میں جوان کی اہمیت اس طرز میں بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن جوانی کے بارے میں سوال ہوگا۔

عہد رسول ﷺ اور خلاافت راشدہ پر نظر دوڑانے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ریاست کے انتظام و انصرام میں جیسے کبار صحابہ کرام نے کردار ادا کیا اسی طرح دور رسول ﷺ سے لیکر عہد عمرؓ تک ریاست کے انتظامی عہدوں پر جوان صحابہ کرام بھی مامور ہوتے رہے ہیں۔ اور انہوں اپنی ذمہ داری کبار صحابہ کرام کے طرح احسن طریقے سے نبھائی۔۔ جیسے عہد رسول میں عتاب بن اسیدؓ گورنر مکہ بنایا گیا اور دور صدیقی میں یزید بن ابی سفیانؓ کو جرنیل چنا گیا خلافت فاروقیؓ میں زید بن ثابتؓ کو قاضی بنایا گیا۔

جوان گورنر صحابہ کرام کے تعلیم کے سلسلے میں جو خدمات دیں وہ کچھ یوں ہیں۔ مساجد بنانا، امامت کرنا، قرآن اور حدیث رسول کی تعلیم دینا اور اس کے ساتھ ساتھ اسلامی تاریخ کی ابتدا کی اور دفتر کا ایجاا۔ اور بلدیاتی خدمات میں نئے شہروں کو آباد کرنا، پکے گھر بنوانا بیت المال قائم کرنا اور سڑکیں بنوانا اور ان کی حدود مقرر کرنا، نہریں بنوانا ، پکے گھر بنوانا، اور ظائف مقرر کرنا وغیرہ کام کئے اور وہ زمانہ اتنا ترقی یافتہ بھی نہیں تھا اور وسائل بھی اتنے نہیں

تھے اس کے باوجو یہ یہ کام کئے۔ قضاۃ کا محکمہ الگ طور پر دور عمر میں قائم ہوا لیکن عہد نبوی سے لیکر خلافت فاروقی تک مختلف مواقع پر جوان صحابہ کرام نے بطور قاضی فیصلے کیے اور ان کے فیصلے دور حاضر کے قاضیوں کے لیے نمونہ بن گئے۔ جنگ کے میدان میں غزوہ بدر سے لیکر روم اور فارس کے فتح ہونے تک ہر غزوہ، سریہ اور جنگ میں جوان صحابہ کرام نے اپنی مہارتوں اور بہادری سے فتح کے جھنڈے گاڑ دئے۔ اس سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ رسول ﷺ کے زمانے سے لیکر خلافت تک جوان صحابہ پر اعتماد کیا جاتا رہا اور ان کو انکی قابلیت کے مطابق عہدے دئے جاتے رہے اور ان صحابہ کرام نے وہ کام بڑے اچھے انداز میں کئے۔ ملک پاکستان میں آبادی کے لحاظ سے جوان ۶۰ فیصد سے زیادہ ہے۔ یہ جوان طبقہ جو ایک مسئلہ بنتا جا رہا ہے اگر ان کی تربیّت کی جائے۔ اور پھر ان کو ان کے صلاحیتوں کے مطابق ذمہ داری دی جائے۔ اس سے ان کی مسائل بھی حل ہو جائینگے اور پاکستان کی ترقی ایک ذریعہ اور بہترین اثاثہ ثابت ہوں گے۔

نتائج

۱۔جوان گورنر صحابہ کرام نے تعلیم کے سلسلے میں مساجد کو مراکز بنا کرامور حیات میں ہمہ جہت خدمات سرانجام دی ہیں۔

۲۔تاریخ اسلامی کا اجراء کیا اوراس کو جمع کرنے اور محفوظ رکھنے کے اصول اور ضوابط منضبط کیے۔

۳۔بلدیاتی خدمات میں نئے شہروں کو آباد کرنا، پکے گھر بنوانا، بیت المال قائم کرنا، سڑکیں بنوانا اور ان کی حدود مقرر کرنا، نہریں بنوانا، اور ظائف مقرر کرنا وغیرہ جیسے کام شامل ہیں۔

۴۔قضاہ کا محکمہ الگ طور پر دور عمرؓ میں قائم ہوا لیکن عہد نبوی سے لیکر خلافت فاروقی تک مختلف مواقع پر جوان صحابہ کرام نے بطور قاضی فیصلے کیے اور ان کے فیصلے دور حاضر کے قاضیوں کے لیے نمونہ ہیں۔

۵۔جنگ کے میدان میں غزوہ بدر سے لیکر روم اور فارس کے فتح ہونے تک ہر غزوہ، سریہ اور جنگ میں جوان صحابہ کرام نے اپنی مہارتوں اور بہادری سے فتح کے جھنڈے گاڑ دیے۔

سفارشات

1 جوانوں کو ذمہ دار بنایا جائے اسی طرح ان میں خود اعتمادی آجاتی ہے۔اور اپنی صلاحیتوں کی جوہر دکھاتے ہیں۔

2 مختلف شعبہ ہائے زندگی سے متعلق مخصوص صحابہ کرام کے حالات زندگی سے ،جوانوں کو متعارف کروایا جائے تاکہ وہ ان کے اسوہ کی روشنی میں شعبہ ہائے زندگی میں بہتر رہنمائی حاصل کر سکیں۔

3 خدمت اسلام میں جوان صحابہ کرام کے کردار کو عام کیا جائے۔

4 جوانوں کو اپنی دلچسپیوں اور رجحانات کے پیش نظر عملی میدانوں میں اپنی سرگرمیاں سرانجام دینی چاہیے۔

5 تعلیم وتعلم میں شوق بڑھانے کے لیے درسی کتب میں جوان صحابہ کرام کی سیرت کو شامل کیا جائے۔

6 عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے منہج تعلیم وتربیت اور اصلاح معاشرہ کو سامنے رکھتے ہوئے ایسا نصاب تعلیم تیار کیا جائے جس سے ایسا صالح جوان ابھر کے آجائے جو ملک اور مستقبل کے لیے مشعل راہ ہو۔

7 قومی وملی اجتماعیت میں مثبت کردار ادا کرنے کے لیے آج کے جوانوں کو جوان صحابہ کرام کے ہمہ جہت خدمت سے روشناس کرانا بے حد ضروری ہے۔

فہرست آیات

نمبر شمار	متن آیات	سورہ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
1	وَاذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ -------------------	البقرة	30/1	8
2	فاذَا قَضَى أَمْرًا------------------	البقرة	117/ 1	76
3	وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ------------------	البقرة	251/2	9
4	قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ------------------	ال عمران	26/3	10
5	وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ------------------	ال عمران	144/4	150
6	وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ------------------	آل عمران	159/3	15
7	الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ------------------	النساء	34/ 4	84
8	إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا ------------------	النساء	58/5	38
9	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوااللَّهَ------------------	النساء	59/ 5	21
10	وَمَا ارْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ اَلّالِيُطَاعَ---------------	النساء	64/5	9,14
11	فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى------------------	النساء	65/5	15
12	وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ ------------------	النساء	141/5	93
13	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا------------------	النساء	71/5	26
14	مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ---------------	النساء	80/5	14
15	وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ------------------	مائدہ	8/6	22
16	اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى------------------	مائدہ	8/6	107
17	وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ -----	مائدہ	44/ 6	13
18	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ------------	مائدہ	51/6	96
19	اتَّبِعُوا مَا انْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا -------------	الاعراف	3/ 8	13
20	وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ------------------	الاعراف	172/9	7
21	وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ---------------	الانفال	60/ 10	133
22	حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ------------------	التوبہ	29/ 10	95
23	وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ------------------	التوبہ	92/10	151
24	خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً------------------	التوبہ	103/11	23

42	60/ 10	التوبہ	إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ --------	25
IX	83/11	یونس	فَمَا آمَنَ لِمُوسَى إِلَّا ذُرِّيَّةٌ---------------	26
75	93/11	یونس	إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ---------------	27
98	113/12	ہود	وَلَا تَرْكَنُوْا الَى الَّذِينَ ظَلَمُوْا ---------------	28
33	22/12	یوسف	وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا---------------	29
13	40/12	یوسف	إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا---------------	30
9	53/13	یوسف	وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ---------------	31
19	155/13	یوسف	قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ---------------	32
75	23/15	بنیاسرائیل	وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ---------------	33
33	13/15	الکھف	نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُمْ بِالْحَقِّ---------------	34
65	30/ 17	الانبیاء	وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ---------------	35
33	60/17	الانبیاء	قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ---------------	36
11	41/17	الحج	الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ---------------	37
14	108/19	الشعراء	فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ---------------	38
32	54/21	الروم	اللَّهُ الَّذِى خَلَقَكُمْ مِنْ ضُعْفٍ---------------	39
15	36/22	الاحزاب	وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ اذا قَضَى اللَّهُ---------------	40
8	64/24	الزمر	اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ---------------	41
32	67/24	غافر	هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ--	42
75	12/24	المؤمن	فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ---------------	43
16	38/25	الشوری	وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ---------------	44
97	6/26	الحجرات	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ---------------	45
107	9/26	الحجرات	وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ---------------	46
18	13/26	الحجرات	إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ---------------	47
23	19/26	الذاریات	وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ---------------	48
25	25/ 28	الحدید	لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ---------------	49
46	11/28	المجادلہ	يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ---------------	50
46	1/30	العلق	اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ---------------	51

فہرست آحادیث

نمبر شمار	متن احادیث	کتاب کا نام	صفحہ نمبر
.1	احْلِفْ بِاللّٰهِ الَّذِي-------------------------	سنن ابوداؤد	113
.2	ادِّ الْامَانَةَ الَى مَنِ ائْتَمَنَكَ ------------------------	سنن ترمذی	98
.3	اذَا تَقَاضَى الَيكَ رَجُلَانِ------------------------	سنن ترمذی	109
.4	اذَكِّرُكُم بِاللّٰهِ الذى نَجَّاكم------------------------	سنن ابوداؤد	114
.5	أُعْطِيَ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ-------------	صحیح المسلم	55
.6	الاسْلامُ يعْلُو وَلا يعْلَى------------------------	صحیح بخاری	93,95
.7	الْبَينَةُ عَلَى الْمُدَّعِى-----------------------	سنن دار قطنی	113
.8	الْحَرْب خَدْعَةً------------------------	صحیح بخاری	139
.9	العَجْمَاءُ جَرْحُهَا جُبَارٌ------------------------	صحیح بخاری	117
.10	القُضَاةُ ثَلَاثَةٌ: قَاضِيانِ فِى النَّارِ-----------------	سنن ابوداؤد	84,111
.11	اللّٰهُمَّ انِّى اعُوذُ بِك------------------------	صحیح بخاری	53
.12	الْمُؤْمِنُ الْقَوِى------------------------	صحیح المسلم	142
.13	أَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي أَمْوَالِهِمْ---------	سنن ابن ماجہ	23
.14	انَّ قَوْمًا اخْتَصَمُوا الَى النَّبِى----------------------	سنن ابن ماجہ	128
.15	انَّا وَاللّٰهِ لَا نُوَلِّى-----------------	صحیح المسلم	19
.16	بَلِّغُوا عَنِّى وَلَوْ اية ----------------------	صحیح بخاری	47
.17	تَزَوَّجْتُ امْرَاةً، فَجَاءَتْنَا امْرَاةٌ سَوْدَاءُ-------------	صحیح بخاری	91
.18	جاءَ خَصْمَانِ الَى رَسُولِ اللّٰهِ ----------------------	سنن دار قطنی	130
.19	رُفِعَ القلمُ عن ثلاثةٍ: عن النا ئم-----------------	سنن ابوداؤد.	89
.20	سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ----------------------	صحیح بخاری	34
.21	فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ، وَأَمْوَالَكُمْ----------------------	صحیح بخاری	22
.22	فقال لي يا أبا بكر هو لمن يرغب عنه-----------	صبح الاعشی فی صناعۃ الانشاء	19
.23	قَضَى رَسُولُ ﷺ انَّ الْخَصْمَينِ------------------	سنن ابوداؤد	108

24.	قُمْ يَا عُقْبَةُ اقْضِ بَيْنَهُمَا-------------------------	سنن دار قطنی	130
25.	كَانَ إِذَا اخْتَصَمَ عِنْدَهُ الرَّجُلَانِ فَاتَّعَدَا الْمَوْعِدَ-------------	مجمع الزوائد	111
26.	لَا تَزُولُ قَدَمُ ابْنِ آدم يوْمَ القِيامَةِ------------------	سنن الترمذی	35
27.	لا حَسد الا فی اثنین-------------------------	مسند احمد بن حنبل	81
28.	لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ-------------------------	صحیح بخاری	84،87
29.	لاَ يَقْضِيَنَّ حَكَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ-------------------------	صحیح بخاری	109
30.	لایقضی القاضی الا هو شبعان------------------	سنن دار قطنی	1100
31.	لَعَنَ ﷺ الرَّاشِی وَالمُرْتَشِی-------------------------	سنن ترمذی	112
32.	مارآیت احدا اکثر مشورة------------------------	سنن ترمذی	16
33.	مَا مِنْ مُسْلِمٍ يغْرِسُ غَرْسًا ----------------------	صحیح البخاری	62
34.	من ابتلی بالقضاء بین المسلمین------------------	سنن دار قطنی	108
35.	مَنْ وَلِی مِنْ امْرِ الْمُسْلِمِينَ ----------------------	جمع الفوائد من جامع الاصول	17
36.	مَنْ وَلِی مِنْ امْرِ الْمُسْلِمِينَ شَيْئًا------------------	المستدرک علی الصحیحین	110
37.	والسُّلْطَانَ وَلِی مَنْ لَا وَلِی------------------------	مسند احمد بن حنبل	24
38.	والمراة راعية علی بیت------------------------	سنن ابوداؤد	86
39.	وَمَنْ أَشَارَ عَلَى أَخِيهِ------------------------	سنن ابوداؤد	18
40.	يا مَعْشَرَ الشَّبَابِ، مَنِ اسْتَطَاعَ------------------	سنن ابن ماجه	35

فہرست اعلام

نمبر شمار	اعلام	صفحہ نمبر
1	ابراہیم بن علی	105
2	ابن خلدون	6
3	ابن عابدین	79
4	ابن فرحون	83
5	ابو بکر محمد بن ابی سھل	25
6	ابوالقاسم علی بن الحسن	59
7	ابوالنصر فارابی	3
8	ابوالبرکات احمد بن الدردیر	89
9	ابو کنانہ	55
10	احسان محمد الحسن	29
11	اطہر مبارک پوری	52
12	افلاطون	5
13	ابن قدامہ	98
14	بسر بن سعید	52
15	برھان الدین علی بن ابی بکر	85
16	پیر کرم شاہ	8
17	جلاس بن سوید	72
18	حطان بن عبداللہ	56
19	حارث بن مالک	144
20	روسو	6
21	سید مودودی	4
22	شہاب الدین الوسی	12
23	شفیع	12
24	عبداللہ بن صوریا	114
25	عبداللہ بن قمہ	150

42	عبدالعزیز بن ابراہیم	26
78	عزاءالدین	27
31	عزت حجازی	28
43	علامہ ماوردی	29
76	علاءالدین حصکفی	30
78	علاءالدین کاسانی	31
53	عمرو بن میمون	32
9	غلام رسول	33
55	غنیم بن قیس	34
19	قلقشندی	35
7	کارل مارکس	36
4	گارنر	37
167	لوقا	38
166	محکم بن طفیل	39
82	محمد بن ابی بکر	40
78	محمد بن احمد الشربینی	41
77	محمد بن الحطاب	42
88	محمد بن عبداللہ، ابن عربی	43
36	محمد بن عبدالرحمن	44
77	محمد بن قاسم التونسی	45
30	محمد خیر الشعال	46
127	نمران بن جاریہ	47
4	ووڈرلسن	48

فہرست قبائل

نمبر شمار	قبائل	صفحہ نمبر
1	بنو اسد	158
2	بنو ثقیف	48
3	بنو خثعم	162
4	بنو غطفان	160
5	بنو قرطاء	153
6	بنو کلاب	156
7	بنو ملوح	144

فہرست اماکن

صفحہ نمبر	اماکن	نمبر شمار
147	اجنادین	1
172	انطاکیہ	2
172	بعلبک	3
140	بطن عرنہ	4
153	بکرات	5
163	جرف	6
174	جلولاء	7
60	حمص	8
58	خولان	9
161	خضر	10
153	ذی القصہ	11
142	ذی قرد	12
145	رستن	13
58	صنعاء	14
51	عقیق	15
160	الغابہ	16
158	غمر	17
144	کدید	18
158	المیفعہ	19
155	موتہ	20
50	نجران	21
166	یمامہ	22

مصادر و مراجع

1 قرآن حکیم

2 ابن حجر،ابوالفضل احمد بن علی بن محمد،الاصابہ فی تمیز الصحابہ،،دار الکتب العلمیہ،بیروت،طبعہ الاولی،1415ھ

3 ابن حجر،ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد،تہذیب التہذیب،مطبعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن،الطبعۃ الاولی،132ھ

4 ابن حجر،ابوالفضل،احمد بن علی بن محمد،نخبۃ الفکر فی مصطلح اھل الاثر،دار الحدیث،القاھرۃ الطبعۃ الخامسۃ 1418ھ 1997ء

5 ابن سعد،ابو محمد بن سعد،طبقات ابن سعد،دار الکتب العلمیہ،بیروت،الطبعۃ الاولی،1410ھ-1990ء

6 ابن قیم،محمد بن ابی بکر بن ایوب،الطرق الحکمیہ، ،مکتبہ دار البیان بغیر سن طباعت

7 ابن کثیر،عماد الدین اسمعیل بن عمر،تفسیر القرآن الکریم،،شمع بک ایجنسی لاہور 1370ھ

8 ابن کثیر،عماد الدین اسمعیل بن عمر،البدایہ والنھایہ،مترجم مولانا فتح پوری،،نفیس اکیڈمی کراچی 2006ء

9 ابن ماجہ،زید بن ماجہ،،سنن ابن ماجہ،مکتبہ رحمانیہ لاہور 1400ھ،1980ء

10 ابن ھشام،محمد عبد الملک سیرت ابن ھشام،مترجم،مولوی قطب الدین احمد،ھشام،اسلامی کتب خانہ لاہور بغیر سن طباعت

11 ابو اسحاق ابراھیم بن علی،المھذب فی فقہ مذھب الامام الشافعی،،دار الکتب العلمیہ بیروت،1411ھ

12 ابو الحسن علی بن عمر بن احمد،سنن الدار قطنی،،مؤسسۃ الرسالۃ بیروت،الطبعۃ الاولی،1424ھ،2004ء

13 ابو الخیر شمس الدین،محمد بن عبد الرحمن،فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث للعراقی،مکتبۃ السنۃ مصر،الطبعۃ الاولی 1424ھ،2003ء

14 ابو داود،سلیمان بن اشعث،سنن ابو داود،مکتبہ رحمانیہ لاہور، 1400ھ،1980ء

15 ابو عبد اللہ الحاکم محمد بن عبد اللہ،ا بن البیع،المستدرک علی الصحیحین،دار الکتب العلمیۃ،بیروت الطبعۃ الاولی،1411

16 ابو الفضل،عبد الحفیظ بلیاوی،مصباح اللغات،مکتبہ قدوسیہ لاہور ۱۹۹۹ء

17 ابو منصور،عبد الملک بن محمد،التمثیل والمحاضرۃ،محقق،عبد الفتاح محمد الحلو،الناشر،الدار العربیۃ للکتاب،الطبعۃ الثانیۃ،1401ھ

18 ابی خیثمہ،ابو بکر احمد،تاریخ کبیر،الفاروق الحدیثۃ للطباعۃ والنشر،القاھر الطبعۃ الاولی،1427ھ،2006ء

19 ارشاد الرحمن،نقوش صحابہ،دار التذکیر غزنی سٹریٹ لاہور،2006ء

20 افلاطون،ریاست یا تحقیق عدل فلسفی،مترجم ذاکر حسین،ساہتیہ اگادیمی،بغیر سن طباعت

21 بخاری،ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل،صحیح بخاری،،مکتبہ رحمانیہ،الطبعۃ الاولی،1400ھ،1980ء

22 برہان الدین،ابو الحسن،علی بن ابی بکر،الھدایۃ فی شرح بدایہ المبتدی،،،دار احیاء التراث العربی،بیروت 200ھ

23 البلاذری،احمد بن یحیی،فتوح البلدان واحکامھا،،موسسہ المعارف،بیروت لبنان،1408ھ

24 ابن الاثیر،ابو الحسن علی بن ابی الکرم،اسد الغابہ،دار الکتب العلمیۃ،طبعہ اولی،1994

25 ابن حجر، العسقلانی، ابوالفضل احمد بن علی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، دارالمعرفۃ بیروت، 1379

26 پیر کرم شاہ، تفسیر ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 1400ھ

27 ترمذی، محمد بن عیسی، السنن ترمذی، مکتبہ رحمانیہ لاہور، 1400ھ، 1980ء

28 تقی عثمانی، مفتی، آسان ترجمہ قرآن، مکتبہ معارف القرآن کراچی، 1430ھ 2008ء

29 التونسی، ابوعبداللہ محمد بن قاسم، شرح حدود ابن عرفہ، المکتبۃ العلمیۃ، الطبعۃ الاولی، 1350

30 جصاص، احمد بن علی بن ابو بکر، احکام القرآن، داراحیاء التراث العربی، بیروت 1405ھ

31 حصکفی، علاء الدین، مع حاشیہ ابن عابدین، الدر المختار، دار الفکر، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ، 1412ھ 1992ء

32 الحطاب، محمد بن محمد، مواہب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، دارالفکر، الطبعۃ الثالثۃ، 1412ھ 1992ء

33 الذہبی، شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد، سیر اعلام النبلاء دارالحدیث، القاہرۃ 1427ھ، 2006ء

34 الذہبی، شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد، تذکرۃ الحفاظ،،، دارالکتب العلمیۃ بیروت، اطبعہ اولی، 1419ھ 1998ء

35 الرازی، احمد بن فارس بن زکریا، معجم مقاییس اللغۃ، دارالفکر ۱۳۹۹ھ، ۱۹۷۹ء

36 الرازی، زین الدین محمد بن ابی بکر، مختار الصحاح، المکتبۃ العصریۃ الدار النموذجیۃ بیروت، الطبعۃ الخامسۃ 1420ھ 1999ء

37 الرومی، شہاب الدین، ابوعبداللہ یاقوت بن عبداللہ معجم البلدان، دار صادر، بیروت، 1995

38 الزحیلی، وَہبۃ بن مصطفی، الفقہ الاسلامی وادلتہ،، دار الفکر، دمشق، شام، 2006ء

39 سعدی، الدکتور، ابوجبیب القاموس الفقہ، دارالفکر. دمشق، سوریا، الطبعۃ الثانیۃ، 1408ھ 1988ء

40 السیوطی، حافظ جلال الدین عبدالرحمن بن ابو بکر، تاریخ الخلفاء، نفیس اکیڈم طبع پنجم اردو بازار کراچی 1973 ء

41 شاہ ولی اللہ، قطب الدین، حجۃ اللہ البالغۃ دارالجیل، بیروت 2005ء

42 شبلی نعمانی، الفاروق،، المیزان لاہور، 2001ء

43 الشربینی، محمد بن احمد، مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنہاج،، دارالکتب العلمیۃ الطبعۃ الاولی، 1415ھ 1994ء

44 شرف الدین، سیاسیہ المدنیہ. لاہور 1975ء

45 الصنعانی، محمد بن اسماعیل بن صلاح، سبل السلام، دارالحدیث، بغیر سن طباعت

46 طبری، ابوجعفر، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، دارالاشاعت کراچی 2003ء

47 طرابلسی، شیخ علاء الدین، معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الاحکام،، مطبوعہ قاہرہ 1310ء

48 عبدالماجد، دریاآبادی، مولانا، تفسیر قرآن، ،، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور 1951ء،

49 عبدالحفیظ، بلیاوی، ابوالفضل، مصباح اللغات، مکتبہ قدوسیہ لاہور، 1999ء

50 غلام رسول، سعیدی، مولانا، تبیان القرآن، 1415ھ، 1995ء

51 الفارابی، ابو النصر، محمد، اراء اہل مدینۃ، دار الشرق بیروت 1968ء

52 الفتاوی الہندیۃ، دار الفکر، الطبعۃ الثانیۃ، 1310ھ

53 فضل الٰہی، ڈاکٹر، لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی، ، مکتبہ قدوسیہ لاہور 2000 ء

54 فیروز الدین، مولوی، فیروز اللغات، فیروز سنز لاہور، 2010ء

55 القلقشندی، شہاب الدین احمد بن علی بن احمد، صبح الاعشی فی صناعۃ الانشاء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، بغیر سن طباعت

56 قاضی، محمد ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، دار الاشاعت کراچی 1999ء

57 قرطبّی، محمد بن احمد بن ابی بکر، الجامع لاحکام القرآن دار الکتب المصریۃ، القاھرۃ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۳۸۴ھ ۱۹۶۴ء

58 کارل مارکس، داس کیپٹل، مترجم، محمد تقی، دار الشعور لاہور 2004ء

59 کاسانی، علاء الدین ابو بکر مسعود، بدائع الصنائع، طبع بیروت 1974ء

60 الکاندھلوی، محمد یوسف بن محمد الیاس، حیاۃ الصحابہ، مؤسسۃ الرسالۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، الطبعۃ الاولی، 1420ھ

61 مبارک پوری، قاضی اطہر، خیر القرون کے درس گاہیں، شیخ الہند اکیڈمی، دار العلوم دیوبند طبع دوم 1996ء

62 مودودی، سید ابو الاعلی، اسلامی ریاست، اسلامک پبلیکیشنز لاہور 2012ء

63 مولنا سعید، انصاری، سیر الصحابہ، ، ، دار الاشاعت کراچی 2004ء

64 الواقدی، محمد بن عمر، المغازی، تحقیق، مارسدن جونس، دار العلمی، بیروت الطبعہ الثالثہ، 1409ھ، 1999

65 الواقدی، ابو عبداللہ، محمد بن عمر، فتوح الشام، مترجم مولوی حکیم شبیر احمد انصاری، المیزان اردو بازار لاہور، 2004ء

66 وحید الزمان، کیرانوی، مولانا، قاموس الوحید، ادارہ اسلامیات لاہور، 2001ء

1. Bluntchli, Johann Kaspar, The Theory of the state , London200,
2. Rousseau، Jean JacquesDiscourses on Equality
3. Enecyelopeadia of Social Seiences, New York ,Vol,14
4. Expressions ,of theWorld andHumanbeing,A.R.RahimF.ABAD1980
5. Joseph,ShipleyT.DictionaryofwordOrigions,PhilosophicalLib NewYork،1935
6. W.garner, Political Science and government, World Pres Calcutta1955
7. William Little, H.W.Fowler J. Coulson, the Shorter OXFORD ENGLISH،dictionary,1965